مسلم شریف میں بھی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی پیدائش کے وقت ایک کتاب لکھی جو عرش پر اس کے پاس ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے کئے جن میں سے ایک کم ایک سو تو اپنے پاس رکھے اور ایک حصہ زمین پر نازل فرمایا' اسی ایک حصے میں مخلوق کو ایک دوسرے پر شفقت و کرم ہے یہاں تک کہ جانور بھی اپنے بچے کے جسم سے اپنا پاؤں رحم کھا کر اٹھا لیتا ہے کہ کہیں اسے تکلیف نہ ہو۔

الحمدللہ سورۂ انعام کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة الاعراف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓمّٓصٓ ﴿۱﴾ کِتٰبٌ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ فَلَا یَکُنۡ فِیۡ صَدۡرِکَ حَرَجٌ مِّنۡہُ لِتُنۡذِرَ بِہٖ وَ ذِکۡرٰی لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۲﴾ اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ لَا تَتَّبِعُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۳﴾

اللہ رحم کرنے والے مہربانی کرنے والے کے نام سے شروع

یہ ہے وہ کتاب جو تیری طرف نازل فرمائی گئی ہے' پس اس کی تبلیغ سے تیرے سینے میں کوئی تنگی نہ ہونی چاہئے' یہ اس لئے اتاری گئی ہے کہ اس کے ساتھ تو لوگوں کو چوکنا کر دے اور ایمان والوں کے لئے نصیحت ہو جائے ○ اسی کی پیروی کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اتارا گیا ہے' اس کے سوائے اور رفیقوں کی تابعداری میں نہ لگ جانا' تم تو بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو ○

(آیت: ۱-۳) اس سورت کی ابتداء میں جو حروف ہیں' ان کے متعلق جو کچھ بیان ہمیں کرنا تھا' اسے تفصیل کے ساتھ سورۂ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں مع اختلاف علماء کے ہم لکھ آئے ہیں۔ ابن عباسؓ سے اس کے معنی میں مروی ہے کہ ''اس سے مراد انا اللہ افضل ہے یعنی میں اللہ ہوں' میں تفصیل وار بیان فرما رہا ہوں۔''

سعید بن جبیرؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ یہ کتاب قرآن کریم تیری جانب تیرے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے' اس میں کوئی شک نہ کرنا' تنگ دل نہ ہونا' اس کے پہنچانے میں کسی سے نہ ڈرنا' نہ کسی کا لحاظ کرنا' بلکہ سابقہ اولوالعزم پیغمبروں کی طرح صبر و استقامت کے ساتھ کلام اللہ کی تبلیغ مخلوق الٰہی میں کرنا' اس کا نزول اس لئے ہوا ہے کہ تو کافروں کو ڈرا کر ہوشیار اور چوکنا کر دے یہ قرآن مومنوں کے لئے نصیحت و عبرت وعظ اور نصیحت ہے۔'' اس کے بعد تمام دنیا کو حکم ہوتا ہے کہ ''اس نبی امی کی پوری پیروی کرو' اس کے قدم بہ قدم چلو' یہ تمہارے رب کا بھیجا ہوا ہے' کلام اللہ تمہارے پاس لایا ہے۔ وہ اللہ تم سب کا خالق مالک ہے اور تمام جان داروں کا رب ہے۔ خبردار ہرگز ہرگز نبی سے ہٹ کر دوسرے کی تابعداری نہ کرنا ورنہ حکم عدولی پر سزا ملے گی' افسوس تم بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔'' جیسے فرمان ہے کہ ''گو تم چاہو لیکن اکثر لوگ اپنی بے ایمانی پر اڑے ہی رہیں گے۔'' اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ ارشاد

فرماتے ہیں وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی ''اگر تو انسانوں کی کثرت کی طرف جھک جائے گا تو وہ تجھے بہکا کر ہی چین لیں گے۔'' سورۂ یوسف میں فرمان ہے ''اکثر لوگ اللہ کو مانتے ہوئے بھی شرک سے باز نہیں رہتے۔''

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ۝۴ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۵ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۶ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝۷

بہت سی وہ بستیاں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا' ان کے پاس ہمارا عذاب یا تو رات کے وقت آ گیا یا اس حالت میں کہ وہ دوپہر کے آرام میں تھے ○ پس جب ان کے پاس ہمارا عذاب آ گیا تو انہیں یہ کہتے بن پڑی کہ بیشک ہم ہی ناانصاف تھے ○ پھر یقیناً ہم ان لوگوں سے ہی سوال کریں گے جنکے پاس رسول بھیجے گئے اور خود رسولوں سے بھی ○ پھر ہم ان کے سب کے سامنے اپنے علم سے سب کچھ بیان کر دیں گے اور ہم غائب تو تھے ہی نہیں ○

سابقہ باغیوں کی بستیوں کے کھنڈرات باعث عبرت ہیں: ☆☆ (آیت: ۴-۷) ان لوگوں کو جو ہمارے رسولوں کی مخالفت کرتے تھے' انہیں جھٹلاتے تھے' تم سے پہلے ہم ہلاک کر چکے ہیں' دنیا اور آخرت کی ذلت ان پر برس پڑی۔ جیسے فرمان ہے ''تجھ سے اگلے رسولوں سے بھی مذاق کیا گیا' لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ مذاق کرنے والوں کے مذاق نے انہیں تہہ و بالا کر دیا۔'' ایک اور آیت میں ہے۔'' بہت سی ظالم بستیوں کو ہم نے غارت کر دیا جواب تک الٹی پڑی ہیں' اور جگہ ارشاد ہے' بہت سے اتراتے ہوئے لوگوں کے شہر ہم نے ویران کر دیئے' دیکھ لو کہ اب تک ان کے کھنڈرات تمہارے سامنے ہیں جو بہت کم آباد ہوئے' حقیقتاً وارث و مالک ہم ہی ہیں' ایسے ظالموں کے پاس ہمارے عذاب اچانک آ گئے اور وہ اپنی غفلتوں اور عیاشیوں میں مشغول تھے' کہیں دن کو دوپہر کے آرام کے وقت' کہیں رات کے سونے کے وقت۔

چنانچہ ایک آیت میں ہے اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ یعنی لوگ اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان کے سوتے ہوئے راتوں رات اچانک ہمارا عذاب آ جائے' یا انہیں ڈر نہیں کہ دن دیہاڑے دوپہر کو ان کے آرام کے وقت ان پر ہمارے عذاب آ جائیں؟ اور آیت میں ہے کہ مکاریوں کی وجہ سے ہماری نافرمانیاں کرنے والے اس بات سے نڈر ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے؟ یا ان کے پاس عذاب الٰہی اس طرح آ جائے کہ انہیں پتہ بھی نہ چلے' یا اللہ انہیں ان کی بے خبری میں آرام کی گھڑیوں میں ہی پکڑ لے' کوئی نہیں جو اللہ کو عاجز کر سکے' یہ تو رب کی رحمت و رأفت ہے کہ جو گنہگار زمین پر چلتے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے آ جانے کے بعد تو یہ خود اپنی زبانوں سے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیں گے لیکن اس وقت کیا نفع؟ اسی مضمون کو آیت وَكَمْ قَصَمْنَا میں بیان فرمایا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ بندوں کے عذر ختم نہیں کر دیتا' انہیں عذاب نہیں کرتا۔ عبدالملک سے جب یہ حدیث ان کے شاگردوں نے سنی تو دریافت کیا کہ اس کی صورت کیا ہے؟ تو آپ نے یہ آیت فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ الخ' پڑھ کر سنائی۔ پھر فرمایا' امتوں سے بھی' ان کے رسولوں سے بھی یعنی سب سے قیامت کے دن سوال ہوگا۔ جیسے فرمان ہے وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ یعنی اس دن ندا کی جائے گی اور دریافت کیا جائے گا کہ تم

نے رسولوں کو کیا جواب دیا؟ اس آیت میں امتوں سے سوال کیا جانا بیان کیا گیا ہے۔ اور آیت میں ہے یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ الخ' رسولوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جمع کرے گا اور ان سے پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب ملا؟ وہ کہیں گے ہمیں کوئی علم نہیں' غیب کا جاننے والا تو بے شک تو ہی ہے۔ پس امت سے رسولوں کی قبولیت کی بابت اور رسولوں سے تبلیغ کی بابت قیامت کے دن سوال ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' تم میں سے ہر ایک بااختیار ہے اور اپنے زیر اختیار لوگوں کی بابت اس سے سوال کیا جانے والا ہے' بادشاہ سے اس کی رعایا کا' ہر آدمی سے اس کے اہل وعیال کا' ہر عورت سے اس کے خاوند کے گھر کا' ہر غلام سے اس کے آقا کے مال کا سوال ہوگا۔ راوی حدیث حضرت طاؤسؒ نے اس حدیث کو بیان فرما کر پھر آیت کی تلاوت کی۔ اس زیادتی کے بغیر یہ حدیث بخاری ومسلم کی نکالی ہوئی بھی ہے اور زیادتی ابن مردویہ نے نقل کی ہے۔ قیامت کے دن اعمال نامے رکھے جائیں گے اور سارے اعمال ظاہر ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے اعمال کی خبر دے گا' کسی کے عمل کے وقت اللہ غائب نہ تھا' ہر ایک چھوٹے بڑے چھپے کھلے عمل کی اللہ کی طرف سے خبر دی جائے گی' اللہ ہر شخص کے اعمال سے باخبر ہے۔ اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں نہ وہ کسی چیز سے غافل ہے۔ آنکھوں کی خیانت سے' سینوں کی چھپی ہوئی باتوں کا جاننے والا ہے' ہر پتے کے جھڑنے کا اسے علم ہے' زمین کی اندھیریوں میں جو دانہ ہوتا ہے' اسے بھی وہ جانتا ہے' تر اور خشک چیز اس کے پاس کھلی کتاب میں موجود ہے۔

وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِ ۨالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۸ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَظْلِمُوْنَ ۝۹

اس دن عدل وانصاف کے ساتھ اعمال کا تول ہونا ہی ہے' جن کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگیا' وہ چھٹکارا پانے والے ہیں ○ اور جن کی نیکیوں کا پلہ ہلکا ہوگیا' یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنا نقصان آپ کیا کیونکہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے ○

میزان اور اعمال کا دین: ☆☆ (آیت: ۸-۹) قیامت کے دن نیکی' بدی' انصاف وعدل کے ساتھ تولی جائے گی' اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہ کرے گا۔ جیسے فرمان ہے وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ الخ قیامت کے دن ہم عدل کی ترازو رکھیں گے' کسی پر کوئی ظلم نہ ہوگا' رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہوگا تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم حساب لینے میں کافی ہیں۔ اور آیت میں ہے ''اللہ تعالیٰ ایک ذرے کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا' وہ نیکی کو بڑھاتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔'' سورۂ القارعہ میں فرمایا جس کا نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگیا' اسے عیش ونشاط کی زندگی ملی اور جس کا نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوگیا' اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہے' جو بھڑکتی ہوئی آگ کے خزانے کا نام ہے۔

اور آیت میں ہے فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ یعنی جب نفخہ پھونک دیا جائے گا' تو سارے رشتے ناتے اور نسب حسب ٹوٹ جائیں گے' کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا' اگر تول میں نیک اعمال بڑھ گئے تو فلاح پالی' ورنہ خسارے کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے۔

فصل: کوئی تو کہتا ہے کہ خود اعمال تولے جائیں گے۔ کوئی کہتا ہے' نامہ اعمال تولے جائیں گے۔ کوئی کہتا ہے' خود عمل کرنے والے تولے جائیں گے۔ کبھی نامہ اعمال' کبھی خود اعمال کرنے والے واللہ اعلم۔ ان تینوں باتوں کی دلیلیں بھی موجود ہیں۔ پہلے قول کا مطلب یہ ہے کہ اعمال گو ایک بے جسم چیز ہیں' لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں جسم عطا فرمائے گا جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے۔ سورۂ بقرہ اور سورۂ آل

عمران قیامت کے دن دو سائبانوں کی' یا دو بادلوں کی' یا پر پھیلائے ہوئے پرندوں کے دو جھنڈ کی صورت میں آئیں گی- اور حدیث میں وہ ہے کہ قرآن اپنے قاری اور عامل کے پاس ایک نوجوان' خوش شکل' نورانی چہرے والے کی صورت میں آئے گا' یہ اسے دیکھ کر پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ یہ کہے گا میں قرآن ہوں اور جو تجھے راتوں کو سونے نہیں دیتا تھا اور دن میں پانی پینے سے روکتا تھا- حضرت براءؓ والی حدیث میں جس میں قبر کے سوال جواب کا ذکر ہے' اس میں یہ بھی فرمان ہے کہ مومن کے پاس ایک نوجوان خوبصورت خوشبودار آئے گا' یہ اس سے پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ وہ جواب دے گا کہ میں تیرا نیک عمل ہوں- اور کافر ومنافق کے پاس اس کے برخلاف شخص کے آنے کا بیان ہے' یہ تو تھیں پہلے قول کی دلیلیں- دوسرے قول کی دلیلیں یہ ہیں-

ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص کے سامنے اس کے گناہوں کے ننانوے (۹۹) دفتر پھیلائے جائیں گے جس میں سے ہر ایک اتنا بڑا ہوگا جتنی دور تک نظر پہنچے' پھر ایک پرچہ نیکی کا لایا جائے گا جس پر لا الہ الا اللہ ہوگا' یہ کہے گا' یا اللہ یہ اتنا سا پرچہ ان دفتروں کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' تو اس سے بے خطر رہ کہ تجھ پر ظلم کیا جائے- اب وہ پرچہ ان دفتروں کے مقابلے میں نیکی کے پلڑے میں رکھا جائے گا' تو وہ سب دفتر اونچے ہو جائیں گے اور یہ سب سے زیادہ وزن دار اور بھاری ہو جائیں گے (ترمذی) تیسرا قول بھی دلیل رکھتا ہے- حدیث میں ہے' ایک بہت موٹا تازہ گنہگار انسان اللہ کے سامنے لایا جائے گا لیکن ایک مچھر کے پر کے برابر بھی وزن اللہ کے پاس اس کا نہ ہوگا- پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ہم قیامت کے دن ان کے لئے کوئی وزن قائم نہ کریں گے- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تعریف میں جو احادیث ہیں ان میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' ان کی پتلی پنڈلیوں پہ نہ جانا' اللہ کی قسم اللہ کے نزدیک یہ احد پہاڑ سے بھی زیادہ وزن دار ہے-

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۱۰ ع ۸

ہم نے تمہیں زمین میں رہنے کاٹھکانا بھی دیا اور وہیں تمہاری زندگی کے اسباب بھی مہیا کر دیئے لیکن تم بہت ہی کم شکر ادا کرتے ہو ○

اللہ تعالیٰ کے احسانات: ☆☆ (آیت:۱۰) اللہ تعالیٰ اپنا احسان بیان فرما رہا ہے کہ اس نے زمین اپنے بندوں کے رہنے سہنے کے لئے بنائی' اس میں مضبوط پہاڑ گاڑ دیئے کہ ہلے جلے نہیں' اس میں چشمے جاری کئے' اس میں منزلیں اور گھر بنانے کی طاقت انسان کو عطا فرمائی اور بہت سی نفع کی چیزیں اس لئے پیدائش فرمائیں' ابر مقرر کر کے اس میں سے پانی برسا کر ان کے لئے کھیت اور باغات پیدا کئے- تلاش معاش کے وسائل مہیا فرمائے' تجارت اور کمائی کے طریقے سکھا دیئے' باوجود اس کے اکثر لوگ پوری شکر گزاری نہیں کرتے ایک آیت میں فرمان ہے وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ یعنی اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے بیٹھو تو یہ بھی تمہارے بس کی بات نہیں' لیکن انسان بڑا ہی ناانصاف اور ناشکرا ہے- مَعَايِشْ تو جمہور کی قرات ہے لیکن عبدالرحمٰن بن ہرمز اعرج مَعَآيِشْ پڑھتے ہیں اور ٹھیک وہی ہے جس پر اکثریت ہے' اس لئے کہ معایش جمع ہے مَعِيْشَة" کی' اس کا باب عَاشَ يَعِيْشُ عَيْشًا ہے مَعِيْشَة" کی اصل مَعْيِشَة" ہے- کسرہ پر ثقیل تھا- نقل کر کے ماقبل کو دیا مَعِيْشَة" ہو گیا لیکن جمع کے وقت پھر کسرہ پرا گیا کیونکہ اب ثقل نہ رہا- پس مَفَاعِلٌ کے وزن پر معایش ہو گیا کیونکہ اس کلمہ میں "یا" اصلی ہے- بخلاف مدائن' صحائف اور بصائر کے جو مدینہ' صحیفہ اور بصیرہ کی جمع ہے- باب مدن صحف اور البصر سے ان میں چونکہ "یا" زائد ہے اس لئے ہمزہ دی جاتی ہے اور مفاعل کے وزن پر جمع آتی ہے- واللہ اعلم-

وَلَقَدۡ خَلَقۡنٰكُمۡ ثُمَّ صَوَّرۡنٰكُمۡ ثُمَّ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ لَمۡ يَكُنۡ مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ ﴿۱۱﴾

ہم ہی نے تمہیں پیدا کیا' پھر تمہاری صورتیں بنائیں' پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے سامنے سجدہ کریں چنانچہ سوائے ابلیس کے سب نے کیا' وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا ○

ابلیس' آدم (علیہ السلام) اور نسل آدم: ☆☆ (آیت:۱۱) اللہ تعالیٰ انسان کے شرف کو اسطرح بیان فرماتا ہے کہ تمہارے باپ آدم کو میں نے خود ہی بنایا اور ابلیس کی عداوت کو بیان فرما رہا ہے کہ اس نے تمہارے باپ آدم کا حسد کیا' ہمارے فرمان سے سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر اس نے نافرمانی کی' پس تمہیں چاہئے کہ دشمن کو دشمن سمجھو' اس کے داؤ پیچ سے ہوشیار رہو۔ اسی واقعہ کا ذکر آیت وَاِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا میں بھی ہے۔ حضرت آدمؑ کو پروردگار نے اپنے ہاتھ سے مٹی سے بنایا' انسانی صورت عطا فرمائی' پھر اپنے پاس سے اس میں روح پھونکی' پھر اپنی شان کی جلالت منوانے کے لئے فرشتوں کو حکم دیا کہ ان کے سامنے جھک جاؤ' سب نے سنتے ہی اطاعت کی لیکن ابلیس نہ مانا' اس واقعہ کو سورۂ بقرہ کی تفسیر میں ہم خلاصہ وار لکھ آئے ہیں۔ اس آیت کا بھی یہی مطلب ہے اور اسی کو امام بن جریر رحمتہ اللہ علیہ نے بھی پسند فرمایا ہے۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انسان اپنے باپ کی پیٹھ میں پیدا کیا جاتا ہے اور اپنی ماں کے پیٹ میں صورت دیا جاتا ہے اور بعض سلف نے بھی لکھا ہے کہ اس آیت میں مراد اولاد آدم ہے۔ ضحاک کا قول ہے کہ آدم کو پیدا کیا' پھر اس کی اولاد کی صورت بنائی' لیکن یہ سب اقوال غور طلب ہیں' کیونکہ آیت میں اس کے بعد ہی فرشتوں کے سجدے کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ سجدہ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے ہی ہوا تھا' جمع کے صیغہ سے اس کا بیان اس لئے ہوا کہ حضرت آدمؑ تمام انسانوں کے باپ ہیں' آیت وَظَلَّلۡنَا عَلَيۡكُمُ الۡغَمَامَ الخ اس کی نظیر ہے۔ یہاں خطاب ان بنی اسرائیل سے ہے جو حضورؐ کے زمانے میں موجود تھے اور دراصل ابر کا سایہ ان کے سابقہ لوگوں پر ہوا تھا جو حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں تھے نہ کہ ان پر' لیکن چونکہ ان کے اکابر پر سایہ کرنا ایسا احسان تھا کہ ان کو بھی اس کا شکر گزار ہونا چاہئے تھا' اس لئے انہی کو خطاب کر کے اپنی وہ نعمت یاد دلائی۔ یہاں یہ بات واضح ہے اس کے بالکل برعکس آیت وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ طِيۡنٍ الخ ہے کہ مراد آدمؑ ہیں کیونکہ صرف وہی مٹی سے بنائے گئے' ان کی کل اولاد نطفے سے پیدا ہوئی اور یہی صحیح ہے کیونکہ مراد جنس انسان ہے نہ کہ معین۔ واللہ اعلم۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسۡجُدَ اِذۡ اَمَرۡتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡهُ ۚ خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّخَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِيۡنٍ ﴿۱۲﴾

جناب باری نے فرمایا کہ تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا؟ جبکہ تجھے میرا حکم ہو چکا تھا' اس نے جواب دیا میں اس میں افضل ہوں' مجھے تو نے آگ سے بنایا ہے اور اسے مٹی سے ○

عذر گناہ بدتر از گناہ: ☆☆ (آیت:۱۲) اَلَّا تَسۡجُدَ میں لا بقول بعض نحویوں کے زائد ہے اور بعض کے نزدیک انکار کی تاکید کے لئے ہے۔ جیسے کہ شاعر کے قول ما ان رایت ولا سمعت بمثله میں ''ما'' نافیہ پر ''ان'' نفی کے لئے صرف تاکیداً داخل ہوا ہے۔ اسی

طرح یہاں بھی ہے کہ پہلے لَمْ یَكُنْ مِنَ السّٰجِدِیْنَ ہے پھر مَامَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ ہے۔
امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ ان دونوں اقوال کو بیان کر کے انہیں رد کرتے ہیں اور فرماتے ہیں منعك ایک دوسرے فعل مقدر کا متضمن ہے تو تقدیر عبارت یوں ہوئی ما احوجك و الزمك و اضطرك الا تسجدا ذا مرتك یعنی تجھے کس چیز نے بے بس محتاج اور ملزم کر دیا ہے کہ تو سجدہ نہ کرے؟ وغیرہ' یہ قول بہت ہی قوی ہے اور بہت عمدہ ہے۔ واللہ اعلم۔ ابلیس نے جو وجہ بتائی' سچ تو یہ ہے کہ وہ عذر گناہ بدتر از گناہ کی مصداق ہے۔ گویا وہ اطاعت سے اس لئے باز رہتا ہے کہ اس کے نزدیک فاضل کو مفضول کے سامنے سجدہ کئے جانے کا حکم ہی نہیں دیا جا سکتا' تو وہ ملعون کہہ رہا ہے کہ میں اس سے بہتر ہوں' پھر مجھے اس کے سامنے جھکنے کا حکم کیوں ہو رہا ہے؟ پھر اپنے بہتر ہونے کے ثبوت میں کہتا ہے کہ میں آگ سے بنا یہ مٹی سے' ملعون اصل عنصر کو دیکھتا ہے اور اس فضیلت کو بھول جاتا ہے کہ مٹی والے کو اللہ عزوجل نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے اور اپنی روح پھونکی ہے' پس اس وجہ سے کہ اس نے فرمان الٰہی کے مقابلے میں قیاس فاسد سے کام لیا اور سجدے سے رک گیا' اللہ کی رحمتوں سے دور کر دیا گیا اور تمام نعمتوں سے محروم ہو گیا۔ اس ملعون نے اپنے قیاس اور اپنے دعوے میں بھی خطا کی۔ مٹی کے اوصاف ہیں' نرم ہونا' حامل مشقت ہونا' دوسروں کا بوجھ سہارنا' چیزوں کو اگانا' بڑھانا' پرورش کرنا' اصلاح کرنا وغیرہ اور آگ کی صفت ہے جلدی کرنا' جلا دینا' بے چینی پھیلانا' پھونک دینا' اسی وجہ سے ابلیس اپنے گناہ پر اڑ گیا اور حضرت آدمؑ نے اپنے گناہ کی معذرت کی' اس سے توبہ کی اور اللہ کی طرف رجوع کیا' رب کے احکام کو تسلیم کیا' اپنے گناہ کا اقرار کیا' رب سے معافی چاہی' بخشش کے طالب ہوئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں' ابلیس آگ کے شعلے سے اور انسان اس چیز سے جو تمہارے سامنے بیان کر دی گئی ہے یعنی مٹی سے (مسلم) ایک اور روایت میں ہے' فرشتے نور عرش سے جنات آگ سے۔ ایک غیر صحیح حدیث میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ حورعین زعفران سے بنائی گئی ہیں۔ امام حسنؒ فرماتے ہیں' ابلیس نے یہ کام کیا اور یہی پہلا شخص ہے جس نے قیاس کا دروازہ کھولا' اس کی اسناد صحیح ہے۔ حضرت امام ابن سیرین رحمتہ اللہ فرماتے ہیں سب سے پہلے قیاس کرنے والا ابلیس ہے' یاد رکھو سورج چاند کی پرستش اسی کی بدولت شروع ہوئی ہے اور اس کی اسناد بھی صحیح ہے۔

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ
اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾
قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ
صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ
خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ
شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾

اس پر اللہ نے فرمایا' تو جنت سے اتر جا' تیری اتنی ہستی نہیں کہ تو یہاں شیخی خوری کرے' جا نکل' تو بڑے ہی ذلیلوں میں سے ہے ○ کہنے لگا مجھے دوبارہ کھڑا کئے جانے کے دن تک کی مہلت عطا فرما ○ جواب ملا کہ ہاں ہاں تو مہلت دیئے گئے ہوؤں میں سے ہے ○ شیطان کہنے لگا چونکہ تو نے مجھے بے راہ کر دیا ہے' اب میں تیری سیدھی راہ پر انہیں بہکانے کے لئے بیٹھ جاؤں گا ○ اور ان کے پاس ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے آتا

رہوں گا' تو ان میں سے اکثروں کا اپنا شکر گزار نہ پائے گا O

نافرمانی کی سزا: ☆☆ (آیت:۱۳-۱۵) ابلیس کو اسی وقت حکم ملا کہ' میری نافرمانی اور میری اطاعت سے رکنے کے باعث اب تو یہاں جنت میں نہیں رہ سکتا' یہاں سے اتر جا کیونکہ یہ جگہ تکبر کرنے کی نہیں۔'' بعض نے کہا ہے فیھا کی ضمیر کا مرجع منزلت ہے یعنی جن ملکوت اعلیٰ میں تو ہے' اس مرتبے میں کوئی سرکش رہ نہیں سکتا' جا یہاں سے چلا جا' تو اپنی سرکشی کے بدلے ذلیل وخوار ہستیوں میں شامل کر دیا گیا' تیری ضد اور ہٹ کی یہی سزا ہے۔ اب لعین گھبرایا اور اللہ سے مہلت چاہنے لگا کہ مجھے قیامت تک کی ڈھیل دی جائے۔ چونکہ جناب باری جل جلالہ کی اس میں مصلحتیں اور حکمتیں تھیں' اچھے اور بروں کو دنیا میں ظاہر کرنا تھا اور اپنی حجت پوری کرنا تھی' اس ملعون کی اس درخواست کو منظور فرمالیا۔ اس حاکم پر کسی کی حکومت نہیں' اس کے سامنے بولنے کی کسی کو مجال نہیں' کوئی نہیں جو اس کے ارادے کو ٹال سکے' کوئی نہیں جو اس کے حکم کو بدل سکے' وہ سریع الحساب ہے۔

ابلیس کا طریقۂ واردات' اس کی اپنی زبانی: ☆☆ (آیت:۱۶-۱۷) ابلیس نے جب عہد الٰہی لے لیا تو اب بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے لگا کہ جیسے تو نے میری راہ ماری میں بھی آدم کی اولاد کی راہ ماروں گا اور حق ونجات کے سیدھے راستے سے انہیں روکوں گا' تیری توحید سے بہکا کر' تیری عبادت سے سب کو ہٹا دوں گا۔ بعض نحوی کہتے ہیں کہ فبما میں ''با'' قسم کے لئے ہے' یعنی مجھے قسم ہے اپنی بربادی کے مقابلے میں اس کی اولاد کو برباد کر کے رہوں گا۔ عون بن عبداللہ کہتے ہیں' میں مکے کے راستے پر بیٹھ جاؤں گا لیکن صحیح یہی ہے کہ نیکی کے ہر راستے پر۔

چنانچہ مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے کہ شیطان ابن آدم کی تمام راہوں میں بیٹھتا ہے وہ اسلام کی راہ میں رکاوٹ بننے کے لئے اسلام لانے والے کے دل میں وسوسے پیدا کرتا ہے کہ تو اپنے آپ اور اپنے باپ دادا کے دین کو کیوں چھوڑتا ہے۔ اللہ کو اگر بہتری منظور ہوتی ہے تو وہ اس کی باتوں میں نہیں آتا اور اسلام قبول کر لیتا ہے۔ ہجرت کی راہ سے روکنے کے لئے آڑے آتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ تو اپنے وطن کو کیوں چھوڑتا ہے؟ اپنی زمین وآسمان سے کیوں الگ ہوتا ہے؟ غربت وبے کسی کی زندگی کیوں اختیار کرتا ہے؟ لیکن مسلمان اس کے بہکاوے میں نہیں آتا اور ہجرت کر گذرتا ہے۔ پھر جہاد کی روک کے لئے آتا ہے اور جہاد مال سے ہے اور جان سے۔ اس سے کہتا ہے کہ تو کیوں جہاد میں جاتا ہے؟ وہاں قتل کر دیا جائے گا' پھر تیری بیوی دوسرے کے نکاح میں چلی جائے گی' تیرا مال اوروں کے قبضے میں چلا جائے گا' لیکن مسلمان اس کی نہیں مانتا اور جہاد میں قدم رکھ دیتا ہے' پس ایسے لوگوں کا اللہ پر حق ہے کہ وہ انہیں جنت میں لے جائے گو وہ جانور سے گر کر ہی مر جائیں۔ اس دوسری آیت کی تفسیر میں ابن عباسؓ کا قول ہے کہ آگے سے آنے کا مطلب آخرت کے معاملہ میں شک وشبہ پیدا کرنا ہے۔ دوسرے جملے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی رغبتیں دلاؤں گا۔ دائیں طرف سے آنا امر دین کو مشکوک کرنا ہے' بائیں طرف سے آنا گناہوں کو لذیذ بنانا ہے' شیطانوں کا یہی کام ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ شیطان کہتا ہے میں اس کی دنیا وآخرت' نیکیاں' بھلائیاں سب تباہ کر دینے کی کوشش میں رہوں گا اور برائیوں کی طرف ان کی رہبری کروں گا۔ وہ سامنے سے آ کر کہتا ہے کہ جنت دوزخ قیامت کوئی چیز نہیں' وہ پشت کی جانب سے آ کر کہتا ہے' دیکھ دنیا کس قدر زینت دار ہے' وہ دائیں طرف سے آ کر کہتا ہے' خبردار نیکی کی راہ بہت کٹھن ہے' وہ بائیں سے آ کر کہتا ہے دیکھ گناہ کس قدر لذیذ ہیں' پس ہر طرف سے آ کر ہر طرح بہکاتا ہے' ہاں یہ اللہ کا کرم ہے کہ وہ اوپر کی طرف سے نہیں آ سکتا۔ اللہ کے بندے کے درمیان حائل ہو کر رحمت الٰہی کی روک نہیں بن سکتا' پس سامنے' یعنی دنیا اور پیچھے' یعنی آخرت اور دائیں' یعنی اس طرح کہ دیکھیں اور بائیں' یعنی اس طرح نہ دیکھ سکیں' یہ سب اقوال ٹھیک ہیں۔

امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ تمام خیر کے کاموں سے روکتا ہے اور شر کے تمام کام سمجھا جاتا ہے' اوپر کی سمت کا نام آیت میں نہیں' وہ سمت رحمت رب کے آنے کے لئے خالی ہے اور وہاں شیطان کی روک نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ اکثروں کو تو شاکر نہیں پائے گا یعنی موحد۔ ابلیس کو یہ وہم ہی وہم تھا لیکن نکلا مطابق واقعہ۔ جیسے فرمان ہے وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ الخ یعنی ابلیس نے اپنا گمان پورا کر دکھایا سوائے مومنوں کی پاکباز جماعت کے اور لوگ اس کے مطیع بن گئے' حالانکہ شیطان کی کچھ حکومت تو ان پر نہ تھی' مگر ہاں ہم صحیح طور سے ایمان رکھنے والوں کو اور شکی لوگوں کو الگ الگ کر دینا چاہتے تھے' تیرا رب ہر چیز کا حافظ ہے۔ مسند بزار کی ایک حسن حدیث میں ہر طرف سے پناہ مانگنے کی ایک دعا آئی ہے۔ الفاظ یہ ہیں اللھم انی اسئلك العفو و العافية فی دینی و دنیای و اھلی و مالی اللھم استر عوراتی و امن روعاتی و احفظنی من بین یدی و من خلفی و عن یمینی و عن شمالی و من فوقی و اعوذبك اللھم ان اغتال من تحتی مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ ہر صبح شام اس دعا کو پڑھتے تھے اللھم انی اسئلك العافیة فی الدین و الاخرۃ اس کے بعد کی دعا کے کچھ فرق سے قریباً وہی الفاظ ہیں جو اوپر مذکور ہوئے۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُومًا مَّدْحُورًا ۖ لَّمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٨﴾ وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿١٩﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِن سَوْآتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَٰذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَن تَكُونَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ ﴿٢٠﴾ وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ ﴿٢١﴾

فرمایا یہاں سے نکل باہر ہو' تو ذلیل و خوار اور رندا درگارہ ہو کر' ان انسانوں میں سے جو بھی تیری پیروی کرے گا میں تم سب سے جہنم کو پر کر دوں گا ○ اے آدم تو اور تیری بیوی جنت میں رہو سہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ پیو مگر اس درخت کے قریب بھی نہ جانا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے ○ لیکن شیطان نے انہیں وسوسہ ڈالا تاکہ ان پر وہ چیزیں کھول دے جو ان پر پوشیدہ کر دی گئی تھیں یعنی ان کی شرمگاہیں اور کہنے لگا' تمہارے پروردگار نے جو اس درخت سے تمہیں روک دیا ہے' یہ صرف اس لئے کہیں ایسا نہ ہو کہ تم فرشتے بن جاؤ یا ہمیشہ زندہ رہنے والے بن جاؤ ○ اور ان کے سامنے قسمیں کھا کھا کر انہیں یقین دلانے لگا کہ میں تمہارے خیر خواہوں میں ہوں ○

اللہ تعالیٰ کے نافرمان جہنم کا ایندھن ہیں: ☆☆ (آیت:۱۸) اس پر اللہ کی لعنت نازل ہوتی ہے' رحمت سے دور کر دیا جاتا ہے' فرشتوں کی جماعت سے الگ کر دیا جاتا ہے' عیب دار کر کے اتار دیا جاتا ہے' لفظ ''مذوم'' ماخوذ ہے ''ذام'' اور ''ذیم'' سے' یہ لفظ بہ نسبت لفظ ''ذم'' کے زیادہ مبالغے والا ہے' پس اس کے معنی عیب دار کے ہوئے اور مدحور کے معنی دور کئے ہوئے کے ہیں' مقصد دونوں سے ایک ہی ہے۔ پس یہ ذلیل ہو کر اللہ کے غضب میں مبتلا ہو کر نیچے اتار دیا گیا' اللہ کی لعنت اس پر نازل ہوئی اور نکال دیا گیا اور فرمایا گیا کہ تو اور تیرے ماننے والے سب کے سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاؤُكُمْ الخ تمہاری سب کی سزا جہنم ہے۔ تو جس

طرح چاہے انہیں بہکا' لیکن اس سے مایوس ہو جا کہ میرے خاص بندے تیرے وسوسوں میں آ جائیں گے (کیونکہ) ان کا وکیل میں خود ہوں۔

پہلا امتحان اور اسی میں لغزش اور اس کا انجام: ☆☆ (آیت: ۱۹-۲۱) ابلیس کو نکال کر حضرت آدم وحوا کو جنت میں پہنچا دیا گیا اور بجز ایک درخت کے انہیں ساری جنت کی چیزیں کھانے کی رخصت دے دی گئی' اس کا تفصیلی بیان سورۂ بقرہ کی تفسیر میں گذر چکا ہے۔ شیطان کو اس سے بڑا ہی حسد ہوا' ان کی نعمتوں کو دیکھ کر لعین جل گیا اور ٹھان لی کہ جس طرح سے ہو' انہیں بہکا کر اللہ کے خلاف کر دوں' چنانچہ جھوٹ افترا باندھ کر ان سے کہنے لگا کہ دیکھو یہ درخت وہ ہے جس کے کھانے سے تم فرشتے بن جاؤ گے اور ہمیشہ کی زندگی اسی جنت میں پاؤ گے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ ابلیس نے کہا میں تمہیں ایک درخت کا پتہ دیتا ہوں جس سے تمہیں بقا اور ہیشگی والا ملک مل جائے گا۔ یہاں ہے کہ ان سے کہا' تمہیں اس درخت سے صرف اس لئے روکا گیا ہے کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ۔ جیسے فرمان ہے یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا مطلب ہے کہ لئلا تضلوا اور آیت میں ہے اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ یہاں بھی یہی مطلب ہے۔ مَلَكَيْنِ کی دوسری قرات مَلِكَيْنِ بھی ہے لیکن جمہور کی قرات لام کے زبر کے ساتھ ہے۔ پھر اپنا اعتبار جمانے کے لئے قسمیں کھانے لگا کہ دیکھو میری بات کو سچ مانو میں تمہارا خیر خواہ ہوں' تم سے پہلے سے ہی یہاں رہتا ہوں' ہر ایک چیز کے خواص سے واقف ہوں تم اسے کھا لو بس پھر یہیں رہو گے' بلکہ فرشتے بن جاؤ گے۔ قاسم باب مفاعلہ سے ہے اور اس کی خاصیت طرفین کی مشارکت ہے لیکن یہاں یہ خاصیت نہیں ہے' ایسے اشعار بھی ہیں جہاں قاسم آیا ہے اور صرف ایک طرف کے لئے۔ اس قسم کی وجہ سے اس خبیث کے بہکاوے میں حضرت آدمؑ آ گئے۔ سچ ہے مومن اس وقت دھوکا کھا جاتا ہے جب کوئی ناپاک انسان اللہ کو بیچ میں دیتا ہے۔ چنانچہ سلف کا قول ہے کہ (مومن) اللہ کے نام کے بعد اپنے ہتھیار ڈال دیا کرتے ہیں۔

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

غرض دھوکے سے انہیں مائل کر ہی لیا' جوں ہی انہوں نے اس درخت کو چکھا' ان کی شرمگاہیں ان پر کھل گئیں' اب جنت کے درختوں کے پتے اپنے اوپر چپکانے لگے' اسی وقت ان کے رب نے انہیں آواز دی' کہ کیا میں نے تمہیں اس درخت سے نہ روکا تھا؟ اور نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے؟ ○ دونوں دعائیں کرنے لگے کہ ہمارے پروردگار بیشک ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا' اب اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ فرمائے گا تو ہم نامراد اور برباد ہو جائیں گے ○

لغزش کے بعد کیا ہوا؟: ☆☆ (آیت: ۲۲-۲۳) ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ''حضرت آدم علیہ السلام کا قد مثل درخت کھجور کے بہت لمبا تھا اور سر پر بہت لمبے لمبے بال تھے' درخت کھانے سے پہلے انہیں اپنی شرمگاہ کا علم بھی نہ تھا' نظر ہی نہ پڑی تھی' لیکن اس خطا کے ہوتے ہی وہ ظاہر ہو گئی' بھاگنے لگے تو بال ایک درخت میں الجھ گئے' کہنے لگے اے درخت مجھے چھوڑ دے' درخت سے جواب ملا' ناممکن ہے' اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی کہ اے آدم مجھ سے بھاگ رہا ہے؟ کہنے لگے' یا اللہ شرمندگی ہے' شرمسار ہوں'' گویہ روایت مرفوع بھی مروی ہے لیکن زیادہ صحیح موقوف ہونا ہی ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں ''درخت کا پھل کھا لیا اور چھپانے کی چیز ظاہر ہو گئی'

جنت کے پتوں سے چھپانے لگے' ایک کو ایک کونے پر چپکانے لگے' حضرت آدمؑ مارے غیرت کے ادھر ادھر بھاگنے لگے' لیکن ایک درخت کے ساتھ الجھ کر رہ گئے' اللہ تعالیٰ نے ندا دی کہ آدم مجھ سے بھاگتا ہے؟ آپ نے فرمایا' نہیں یا اللہ مگر شرماتا ہوں' جناب باری نے فرمایا' آدمؑ جو کچھ میں نے تجھے دے رکھا تھا' کیا وہ تجھے کافی نہ تھا؟ آپ نے جواب دیا' بے شک کافی تھا' لیکن یا اللہ مجھے یہ علم نہ تھا کہ کوئی تیرا نام لے کر تیری قسم کھا کر جھوٹ کہے گا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اب تو میری نافرمانی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اور تکلیفیں اٹھانا ہوں گی۔

چنانچہ جنت سے دونوں کو اتار دیا گیا' اب اس کشادگی کے بعد یہ تنگی ان پر بہت گراں گذری' کھانے پینے کو ترس گئے' پھر انہیں لوہے کی صنعت سکھائی گئی' کھیتی کا کام بتایا گیا' آپ نے زمین صاف کی' دانے بوئے' وہ اُگے بڑھے' بالیں نکلیں' دانے پکے' پھر توڑے گئے' پھر پیسے گئے' آٹا گندھا' پھر روٹی تیار ہوئی' پھر کھائی۔ جب جا کر بھوک کی تکلیف سے نجات پائی۔ "تین" کے پتوں سے اپنا آگا پیچھا چھپاتے پھرتے تھے جو مثل کپڑے کے تھے' وہ نورانی پردے جن سے ایک دوسرے سے یہ اعضاء چھپائے ہوئے تھے' نافرمانی ہوتے ہی ہٹ گئے اور وہ نظر آنے لگے۔ حضرت آدمؑ اسی وقت اللہ کی طرف رغبت کرنے لگے' توبہ استغفار کی طرف جھک پڑے' بخلاف ابلیس کے کہ اس نے سزا کا نام سنتے ہی اپنے ابلیسی ہتھیار یعنی ہمیشہ کی زندگی وغیرہ طلب کی' اللہ نے دونوں کی دعا سنی اور دونوں کو طلب کردہ چیزیں عنایت فرمائیں۔"

مروی ہے کہ حضرت آدمؑ نے جب درخت سے کھا لیا' اسی وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اس درخت سے میں نے تمہیں روک دیا تھا' پھر تم نے اسے کیوں کھایا؟ کہنے لگے' حواء نے مجھے اس کی رغبت دلائی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا' ان کی سزا یہ ہے کہ حمل کی حالت میں بھی تکلیف میں رہیں گی' بچہ ہونے کے وقت بھی تکلیف اٹھائیں گی' یہ سنتے حضرت حواء نے نوحہ شروع کیا' حکم ہوا کہ یہی تجھ پر اور تیری اولاد پر لکھ دیا گیا۔ حضرت آدمؑ نے جناب باری میں عرض کی اور اللہ نے انہیں دعا سکھائی' انہوں نے دعا کی جو قبول ہوئی اور قصور معاف فرما دیا گیا۔ فالحمد للہ!

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ
مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ
وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع ۱۵

فرمایا تم سب اتر جاؤ' تم ایک دوسرے کے دشمن ہو' تمہارے لئے زمین میں ہی ایک وقت مقرر تک رہنا سہنا ہے اور سامان زندگی بھی ○ یہ بھی فرما دیا کہ یہیں زمین میں ہی زندگی گزارو گے اور یہیں تم مرو گے اور اسی سے تم نکال کھڑے کئے جاؤ گے ○

سفر ارضی کے بارہ میں یہودی روایات: ☆☆ (آیت: ۲۴-۲۵) بعض کہتے ہیں یہ خطاب حضرت آدمؑ حضرت حوا' شیطان ملعون اور سانپ کو ہے۔ بعض سانپ کا ذکر نہیں کرتے۔ یہ ظاہر ہے کہ اصل مقصد حضرت آدمؑ ہیں اور شیطان ملعون۔ جیسے سورۂ طٰہٰ میں ہے اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا حوا حضرت آدمؑ کے تابع تھیں اور سانپ کا ذکر اگر صحت تک پہنچ جائے تو وہ ابلیس کے حکم میں آ گیا۔ مفسرین نے بہت سے اقوال ذکر کئے ہیں کہ آدم کہاں اترے اور شیطان کہاں پھینکا گیا وغیرہ۔ لیکن دراصل ان کا مخرج بنی اسرائیل کی روایات ہیں اور ان کی صحت کا علم اللہ ہی کو ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس جگہ کے جان لینے سے کوئی فائدہ نہیں' اگر ہوتا تو ان کا بیان قرآن میں یا حدیث میں ضرور ہوتا۔

کہہ دیا گیا کہ اب تمہارے قرار کی جگہ زمین ہے' وہیں تم اپنی مقررہ زندگی کے دن پورے کرو گے جیسے کہ ہماری پہلی کتاب لوح محفوظ میں پہلے سے ہی لکھا ہوا موجود ہے۔ اسی زمین پر جیو گے اور مرنے کے بعد بھی اسی میں دبائے جاؤ گے اور پھر حشر و نشر بھی اسی میں ہوگا۔ جیسے فرمان ہے

مِنهَا خَلَقنٰکُم وَفِیهَا نُعِیدُکُم وَمِنهَا نُخرِجُکُم تَارَةً اُخرٰی پس اولاد آدم کی زندگی گذارنے کی جگہ بھی یہی ہے اور مرنے کی جگہ بھی یہی' قبریں بھی اسی میں اور قیامت کے دن اٹھیں گے بھی اسی سے' پھر بدلہ دیئے جائیں گے۔

يٰبَنِىٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِىْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿٢٦﴾

اے فرزندان آدم ہم نے تمہارے لئے لباس اتارا ہے جو تمہارے پردے کی چیزوں کو ڈھانپتا ہے اور ہم نے زینت کا پہناوا بھی اتارا ہے' ہاں پرہیزگاری کا لباس وہی سب سے بہتر ہے' یہ بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تا کہ لوگ سمجھ بوجھ لیں ○

لباس اور داڑھی جمال وجلال: ☆☆ (آیت:۲۶) یہاں اللہ تعالیٰ اپنا احسان یاد دلاتا ہے کہ اس نے لباس اتارا اور ریش بھی' لباس تو وہ ہے جس سے انسان اپنا ستر چھپائے اور ریش وہ ہے جو بطور زینت رونق اور جمال کے پہنا جائے۔ لباس تو ضروریات زندگی سے ہے اور ریش زیادتی ہے' ریش کے معنی مال کے بھی ہیں اور ظاہری پوشاک کے بھی ہیں اور جمال وخوش لباسی کے بھی ہیں۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے نیا کرتہ پہنتے ہوئے جبکہ گلے تک وہ پہن لیا' تو فرمایا الحمد لله الذی کسانی ما اواری به عورتی واتجمل به فی حیاتی پھر فرمانے لگے' میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا ہے' فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے' جو شخص نیا کپڑا پہنے اور اس کے گلے تک پہنچتے ہی یہ دعا پڑھے' پھر پرانا کپڑا راہ اللہ دے دے تو وہ اللہ کے ذمہ میں' اللہ کی پناہ میں اور اللہ کی حفاظت میں آ جاتا ہے' زندگی میں بھی اور بعد از مرگ بھی (ترمذی ابن ماجہ وغیرہ)۔ مسند احمد میں ہے حضرت علیؓ نے ایک نوجوان سے ایک کرتہ تین درہم میں خریدا اور اسے پہنا' جب پہنچوں اور ٹخنوں تک پہنچا تو آپ نے یہ دعا پڑھی الحمد لله الذی رزقنی من ریاش ما اتجمل به فی الناس واواری به عورتی یہ دعا سن کر آپ سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ نے اسے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ اسے کپڑا پہننے کے وقت پڑھتے تھے' یا آپ از خود اسے پڑھ رہے ہیں؟ فرمایا میں نے اسے حضورؐ سے سنا ہے۔

لِبَاسُ التقوی کی دوسری قرات لِبَاسَ التقوی سین کے زبر سے بھی ہے۔ رفع سے پڑھنے والے اسے مبتدا کہتے ہیں اور اس کے بعد کا جملہ اس کی خبر ہے۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں اس سے مراد قیامت کے دن پرہیزگاروں کو جو لباس عطا ہوگا' وہ ہے۔'' ابن جریج کا قول ہے ''لباس تقویٰ ایمان ہے۔'' ابن عباسؓ فرماتے ہیں ''عمل صالح ہے اور اسی سے ہنس مکھ ہوتا ہے۔'' عروہؒ کہتے ہیں ''مراد اس سے مشیت ربانی ہے۔'' عبدالرحمٰنؒ کہتے ہیں ''اللہ کے ڈر سے اپنی ستر پوشی کرنا لباس تقویٰ ہے۔'' یہ تمام اقوال آپس میں ایک دوسرے کے خلاف نہیں بلکہ مراد یہ سب کچھ ہے اور یہ سب چیزیں ملی جلی اور آپس میں ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں۔ ایک ضعیف سند والی روایت میں حضرت حسن سے مرقوم ہے کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو منبر نبویؐ پر کھلی گھنڈیوں کا کرتا پہنے ہوئے کھڑا دیکھا' اس وقت آپ کتوں کے مار ڈالنے اور کبوتر بازی کی ممانعت کا حکم دے رہے تھے' پھر آپ نے فرمایا' لوگو اللہ سے ڈرو خصوصاً اپنی پوشیدگیوں میں اور چپکے چپکے کانا پھوسی کرنے میں' میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' آپ قسم کھا کر بیان فرماتے تھے کہ جو شخص جس کام کو پوشیدہ سے پوشیدہ کرے گا' اللہ تعالیٰ اسی کی چادر اس پر اعلانیہ ڈال دے گا' اگر نیک ہے تو نیک اور اگر بد ہے تو بد' پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی اور فرمایا اس سے

مراد خوش خلقی ہے۔ ہاں صحیح حدیث میں صرف اتنا مروی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے جمعہ کے دن منبر پر کتوں کے قتل کرنے اور کبوتروں کے ذبح کرنے کا حکم دیا۔

يٰبَنِيۡۤ اٰدَمَ لَا يَفۡتِنَنَّكُمُ الشَّيۡطٰنُ كَمَاۤ اَخۡرَجَ اَبَوَيۡكُمۡ مِّنَ الۡجَنَّةِ يَنۡزِعُ عَنۡهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوۡاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰٮكُمۡ هُوَ وَقَبِيۡلُهٗ مِنۡ حَيۡثُ لَا تَرَوۡنَهُمۡ ؕ اِنَّا جَعَلۡنَا الشَّيٰطِيۡنَ اَوۡلِيَآءَ لِلَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۷﴾ وَاِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَةً قَالُوۡا وَجَدۡنَا عَلَيۡهَاۤ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلۡ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاۡمُرُ بِالۡفَحۡشَآءِ ؕ اَتَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۸﴾

اے اولاد آدم کہیں شیطان تمہیں بہکا نہ دے جیسے کہ اس نے تمہارے والدین کو بہشت سے نکلوا دیا' ان کے کپڑے ان سے اتروا لیے کہ انہیں ان کے پردے کی چیزیں دکھادے' تمہیں وہ اور اس کی قوم وہاں سے دیکھتی ہے جہاں سے تم انہیں نہ دیکھ سکو' ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا یار اور رفیق بنا دیا ہے جو ایمان قبول نہیں کرتے ○ یہ لوگ جب کوئی بیہودہ حرکت کرتے ہیں تو صاف کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بڑوں کو اسی طریقے پر پایا ہے بلکہ اللہ نے ہمیں یہی حکم دیا ہے' تو جواب دے کہ ناممکن ہے کہ اللہ برائیوں کا حکم دے' کیا تم لوگ اللہ پر وہ باتیں جوڑ لیتے ہو جن سے تم بے علم ہو؟ ○

ابلیس سے بچنے کی تاکید: ☆☆ (آیت: ۲۷) تمام انسانوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ ہوشیار کر رہا ہے کہ دیکھو ابلیس کی مکاریوں سے بچتے رہنا' وہ تمہارا بڑا ہی دشمن ہے' دیکھو اسی نے تمہارے باپ آدمؑ کو دار سرور سے نکالا اور اس مصیبت کے قید خانے میں ڈالا' ان کی پردہ دری کی پس تمہیں اس کے ہتھکنڈوں سے بچنا چاہیے۔ جیسے فرمان ہے اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا یعنی کیا تم ابلیس اور اس کی قوم کو اپنا دوست بناتے ہو؟ مجھے چھوڑ کر؟ حالانکہ وہ تو تمہارا دشمن ہے' ظالموں کا بہت ہی برا بدلہ ہے۔

جہالت اور طواف کعبہ: ☆☆ (آیت: ۲۸) مشرکین ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جیسے ہم پیدا ہوئے ہیں' اسی حالت میں طواف کریں گے۔ عورتیں بھی آگے کوئی چمڑے کا ٹکڑا یا کوئی چیز رکھ لیتی تھی اور کہتی تھیں۔

اليوم يبدو بعضه او كله   وما بدامنه فلا احله

آج اس کا تھوڑا سا حصہ ظاہر ہو جائے گا اور جتنا بھی ظاہر ہو' میں اسے اس کے لئے جائز نہیں رکھتی' اس پر آیت واذا فعلوا الخ' نازل ہوئی ہے۔ یہ دستور تھا کہ قریش کے سوا تمام عرب بیت اللہ شریف کا طواف اپنے پہنے ہوئے کپڑوں میں نہیں کرتے تھے' وہ سمجھتے تھے کہ یہ کپڑے جنہیں پہن کر اللہ کی نافرمانیاں کی ہیں' اس قابل نہیں رہے کہ انہیں پہنے ہوئے طواف کر سکیں' ہاں قریش جو اپنے آپ کو حمس کہتے تھے' اپنے کپڑوں میں بھی طواف کرتے تھے اور جن لوگوں کو قریش کپڑے بطور ادھار دیں' وہ بھی ان کے دیئے ہوئے کپڑے پہن کر طواف کر سکتا تھا' یا وہ شخص کپڑے پہنے طواف کر سکتا تھا جس کے پاس نئے کپڑے ہوں' پھر طواف کے بعد ہی انہیں اتار ڈالتا تھا' اب یہ کسی کی ملکیت نہیں ہو سکتے تھے' پس جس کے پاس نیا کپڑا نہ ہو اور حمس بھی اس کو اپنا کپڑا نہ دے تو اسے ضروری تھا کہ وہ ننگا ہو کر طواف کرے' خواہ عورت ہو خواہ مرد'

عورت اپنے آگے کے عضو (شرمگاہ) پر ذرا سی کوئی چیز رکھ لیتی اور وہ کہتی جس کا بیان اوپر گذرا لیکن عموماً عورتیں رات کے وقت طواف کرتی تھیں' یہ بدعت انہوں نے از خود گھڑ لی تھی۔ اس فعل کی دلیل سوائے باپ دادا کی تقلید کے اور ان کے پاس کچھ نہ تھی' لیکن اپنی خوش فہمی اور نیک ظنی سے کہہ دیتے تھے کہ اللہ کا بھی یہی حکم ہے' کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اگر یہ فرمودۂ رب نہ ہوتا تو ہمارے بزرگ اس طرح نہ کرتے اس لئے حکم ہوتا ہے کہ اے نبی آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کے کاموں کا حکم نہیں کرتا' ایک تو برا کام کرتے ہو' دوسرے جھوٹ موٹ اس کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہو' یہ چوری اور سینہ زوری ہے۔

قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۗ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۥ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝۲۹ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۳۰

کہہ دے کہ میرا رب تو عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ تم اپنے منہ ہر نماز کے وقت راست لو اور اسی کو پکارو در آں حالیکہ تم اس کے لئے ہی خالص عبادت کرنے والے رہو' اس نے جیسے کہ تمہیں اول مرتبہ پیدا کیا ہے' اسی طرح دوبارہ بھی پیدا ہو گے ○ ایک فرقے کو تو ہدایت کی اور ایک فرقہ ہے جس پر گمراہی ثابت ہو چکی ہے ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا دوست بنا لیا اور باوجود اس کے گمان کرتے ہیں کہ راہ یافتہ ہیں ○

(آیت: ۲۹۔۳۰) کہہ دے کہ رب العالمین کا حکم تو عدل و انصاف کا ہے' استقامت اور دیانت داری کا ہے' برائیوں اور گندے کاموں کے چھوڑنے کا ہے' عبادات ٹھیک طور پر بجا لانے کا ہے' جو اللہ کے سچے رسولوں کے طریقہ کے مطابق ہوں' جن کی سچائی ان کے زبردست معجزوں سے اللہ نے ثابت کر دی ہے' ان کی لائی ہوئی شریعت پر اخلاص کے ساتھ عمل کرتے ہوں' جب تک اخلاص اور پیغمبر کی تابعداری کسی کام میں نہ ہو' اللہ کے ہاں وہ مقبول نہیں ہوتا۔ اس نے جس طرح تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے' اسی طرح وہ دوبارہ بھی لوٹائے گا۔ دنیا میں بھی اسی نے پیدا کیا' آخرت کے دن بھی وہی قبروں سے دوبارہ پیدا کرے گا' پہلے تم کچھ نہ تھے' اس نے تمہیں بنایا' اب مرنے کے بعد پھر وہ تمہیں زندہ کر دے گا' جیسے اس نے شروع میں تمہاری ابتدا کی تھی' اسی طرح پھر سے تمہارا اعادہ کرے گا۔

چنانچہ حدیث میں بھی ہے' رسول اللہ ﷺ نے ایک وعظ میں فرمایا' لوگو تم اللہ کے سامنے ننگے پیروں' ننگے بدنوں بے ختنہ جمع کئے جاؤ گے' جیسے کہ ہم نے تمہیں پیدائش میں کیا تھا اسی کو پھر دہرائیں گے' یہ ہمارا وعدہ ہے اور ہم اسے کر کے ہی رہنے والے ہیں یہ روایت بخاری و مسلم میں بھی نکالی گئی ہے۔ یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ جیسے ہم نے لکھ دیا ہے' ویسے ہی تم ہو گے ایک روایت میں ہے جیسے تمہارے اعمال تھے' ویسے ہی تم ہو گے' یہ بھی معنی ہیں کہ جس کی ابتداء میں بدبختی لکھ دی ہے' وہ بدبختی اور بداعمالی کی طرف ہی لوٹے گا گو درمیان میں نیک ہو گیا اور جس کی تقدیر میں شروع سے ہی نیکی اور سعادت لکھ دی گئی ہے وہ انجام کار نیک ہی ہو گا' گو اس سے کسی وقت برائی کے اعمال بھی سرزد ہو جائیں' جیسے کہ فرعون کے زمانے کے جادوگروں کی ساری عمر سیاہ کاریوں اور کفر میں کٹی لیکن آخر وقت مسلمان اولیاء ہو کر مرے۔ یہ بھی معنی ہیں کہ اللہ تم میں سے ہر ایک کو ہدایت پر یا گمراہی پر پیدا کر چکا ہے' ایسے ہی ہو کر تم ماں کے بطن سے نکلو گے۔ یہ بھی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کی پیدائش مومن و کافر ہونے کی حالت میں کی ہے جیسے فرمان ہے هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ پھر

انہیں اسی طرح قیامت کے دن لوٹائے گا یعنی مومن و کافر کے گروہوں میں اسی قول کی تائید صحیح بخاری شریف کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں حضورؐ فرماتے ہیں' اس کی قسم جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں کہ تم میں سے ایک شخص جنتیوں کے اعمال کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک بام بھر کا یا ہاتھ بھر کا فرق رہ جاتا ہے' پھر اس پر لکھا ہوا سبقت کر جاتا ہے اور وہ دوزخیوں کے اعمال شروع کر دیتا ہے اور اسی میں داخل ہو جاتا ہے اور کوئی جہنمیوں کے اعمال کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ جہنم سے ایک ہاتھ یا ایک بام دور رہ جاتا ہے کہ تقدیر کا لکھا آگے آ جاتا ہے اور وہ جنتیوں کے اعمال کرنے لگتا ہے اور جنت نشین ہو جاتا ہے۔ دوسری روایت بھی اسی طرح کی ہے' اس میں یہ بھی ہے کہ اس کے وہ کام لوگوں کی نظروں میں جہنم اور جنت کے ہوتے ہیں' اعمال کا دارومدار خاتمے پر ہے۔ اور حدیث میں ہے' ہر نفس اسی پر اٹھایا جائے گا جس پر تھا (مسلم)

ایک اور روایت میں ہے جس پر مرا۔ اگر اس آیت سے مراد یہی لی جائے تو اس میں اس کے بعد فرمان فَاَقِمْ وَجْهَكَ میں۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے' پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی' یا نصرانی' یا مجوسی بنا لیتے ہیں اور صحیح مسلم کی حدیث جس میں فرمان باری ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو موحد و حنیف پیدا کیا' پھر شیطان نے ان کے دین سے انہیں بہکا دیا اس میں کوئی جمع کی وجہ ہونی چاہئے اور وہ یہ ہے کہ اللہ نے انہیں دوسرے حال میں مومن و کافر ہونے کے لئے پیدا کیا' گو پہلے حال میں تمام مخلوق کو اپنی معرفت و توحید پر پیدا کیا تھا کہ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ جیسے کہ اس نے ان سے روز میثاق میں عہد بھی لیا تھا اور اسی وعدے کو ان کی جبلت و گھٹی میں رکھ دیا تھا' اس کے باوجود اس نے مقدمہ کیا تھا کہ ان میں سے بعض شقی اور بدبخت ہوں گے اور بعض سعید اور نیک بخت ہوں گے جیسے فرمان ہے کہ اس نے تمہیں پیدا کیا' پھر تم میں سے بعض کافر ہیں اور بعض مومن۔ اور حدیث میں ہے ہر شخص صبح کرتا ہے' پھر اپنے نفس کی خرید و فروخت کرتا ہے' کچھ لوگ ایسے ہیں جو اسے آزاد کرا لیتے ہیں' کچھ ایسے ہیں جو اُسے ہلاک کر بیٹھتے ہیں اللہ کی تقدیر' اللہ کی مخلوق میں جاری ہے' اسی نے مقدر کیا' اسی نے ہدایت کی' اسی نے ہر ایک کو اس کی پیدائش دی' پھر رہنمائی کی۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ جو لوگ سعادت والوں میں سے ہیں ان پر نیکیوں کے کام آسان ہوں گے اور جو شقاوت والے ہیں' ان پر بدیاں آسان ہوں گی۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے' اس فرقے نے راہ پائی اور ایک فرقے پر گمراہی ثابت ہو چکی' پھر اس کی وجہ بیان فرمائی کہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو دوست بنا لیا ہے۔ اس آیت سے اس مذہب کی تردید ہوتی ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو کسی معصیت کے عمل پر یا کسی گمراہی کے عقیدے پر عذاب نہیں کرتا' تاوقتیکہ اس کے پاس صحیح چیز صاف آ جائے اور پھر وہ اپنی برائی پر ضد اور عناد سے جما رہے۔ کیونکہ اگر یہ مذہب صحیح ہوتا تو جو لوگ گمراہ ہیں لیکن خود کو ہدایت پر سمجھتے ہیں اور جو واقعی ہدایت پر ہیں' ان میں کوئی فرق نہ ہونا چاہئے تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان دونوں میں فرق کیا' ان کے نام میں بھی اور ان کے احکام میں بھی۔ آیت آپ کے سامنے موجود ہے پڑھ لیجئے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا
وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝۳۱ ع ۶

اے انسانو! ہر نماز کے وقت اپنی زینت یعنی لباس لے لیا کرو' کھاؤ پیو لیکن حد سے نہ گزر جاؤ' اللہ حد سے گذر جانے والوں کو پسند نہیں فرماتا ○

برہنہ ہو کر طواف ممنوع قرار دے دیا گیا: ☆☆ (آیت:۳۱) اس آیت میں مشرکین کا رد ہے کیونکہ وہ ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف

کرتے تھے جیسے کہ پہلے گزرا- ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ''ننگے مرد دن کو طواف کرتے اور ننگی عورتیں رات کو' اس وقت عورتیں کہا کرتی تھیں کہ آج اس کے خاص جسم کا کل حصہ یا کچھ حصہ گو ظاہر ہو لیکن کسی کو وہ اس کا دیکھنا جائز نہیں کرتیں-'' پس اس کے برعکس مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے کہ اپنا لباس پہن کر مسجدوں میں جاؤ- اللہ تعالیٰ زینت کے لینے کو حکم دیتا ہے اور زینت سے مراد لباس ہے اور لباس وہ ہے جو اعضائے مخصوصہ کو چھپالے اور جو اس کے سوا ہو مثلاً اچھا کپڑا وغیرہ- ایک حدیث میں ہے کہ یہ آیت جوتیوں سمیت نماز پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن ہے یہ غور طلب اور اس کی صحت میں بھی کلام ہے- واللہ اعلم- یہ آیت اور جو کچھ اس کے معنی میں سنت میں وارد ہے' اس سے نماز کے وقت زینت کرنا مستحب ثابت ہوتا ہے' خصوصاً جمعہ اور عید کے دن اور خوشبو لگانا بھی مسنون طریقہ ہے اس لئے کہ وہ زینت میں سے ہی ہے اور مسواک کرنا بھی' کیونکہ وہ بھی زینت کو پورا کرنے میں داخل ہے- یہ بھی یاد رہے کہ سب سے افضل لباس سفید کپڑا ہے' جیسے کہ مسند احمد کی صحیح حدیث میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' سفید کپڑے پہنو' وہ تمہارے تمام کپڑوں سے افضل ہیں اور اسی میں اپنے مردوں کو کفن دو- سب سرموں میں بہتر سرمہ اثمد ہے' وہ نگاہ کو تیز کرتا ہے اور بالوں کو اگاتا ہے- سنن کی ایک اور حدیث میں ہے' سفید کپڑوں کو ضروری جانو اور انہیں پہنو' وہ بہت اچھے اور بہت پاک صاف ہیں اور انہی میں اپنے مردوں کو کفن دو-

طبرانی میں مروی ہے کہ حضرت تمیم داریؓ نے ایک چادر ایک ہزار کو خریدی تھی اور نماز کے وقت اسے پہن لیا کرتے تھے- اس کے بعد آدھی آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام طب کو اور حکمت کو جمع کر دیا' ارشاد ہے کھاؤ پیو لیکن حد سے تجاوز نہ کرو- ابن عباسؓ کا قول ہے جو چاہ کھا' جو چاہ پی لیکن دو باتوں سے بچ' اسراف اور تکبر- ایک مرفوع حدیث میں ہے' کھاؤ' پیو' پہنو اور ڈھو لیکن صدقہ بھی کرتے رہو اور تکبر اور اسراف سے بچتے رہو' اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ اپنی نعمت کا اثر اپنے بندے کے جسم پر دیکھے- آپ فرماتے ہیں کھاؤ اور صدقہ کرو اور اسراف سے اور خودنمائی سے رکو' فرماتے ہیں انسان اپنے پیٹ سے زیادہ برا کوئی برتن نہیں بھرتا' انسان کو چند لقمے جس سے اس کی پیٹھ سیدھی رہے' کافی ہیں' اگر یہ بس میں نہ ہو تو زیادہ سے زیادہ اپنے پیٹ کے تین حصے کر لے' ایک کھانے کے لئے' ایک پانی کے لئے' ایک سانس کے لئے- فرماتے ہیں' یہ بھی اسراف ہے کہ جو تو چاہے کھائے لیکن حدیث غریب ہے- مشرکین جہاں ننگے ہو کر طواف کرتے تھے وہاں زمانہ حج میں چربی کو بھی اپنے اوپر حرام جانتے تھے' اللہ نے دونوں باتوں کے خلاف حکم نازل فرمایا- یہ بھی اسراف ہے کہ اللہ کے حلال کردہ کھانے کو حرام کر لیا جائے - اللہ کی دی ہوئی حلال روزی بیشک انسان کھائے پئے' حرام چیز کا کھانا بھی اسراف ہے- اللہ کی مقرر کردہ حرام و حلال کی حدوں سے گزر نہ جاؤ' نہ حرام کو حلال کرو نہ حلال کو حرام کہو' ہر ایک حکم کو اسی کی جگہ پر رکھو ورنہ مسرف اور دشمن رب بن جاؤ گے-

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۳۲ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ

بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

پوچھ تو کہ اللہ تعالیٰ نے جو زینت اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے اور جو پاکیزہ روزیاں ہیں انہیں کس نے حرام کیا ہے؟ کہدے کہ یہ سب کچھ ایمان والوں کے لئے ہے زندگانی دنیا میں اور قیامت کے دن تو صرف ان کے ساتھ ہی مخصوص ہوگا اسی طرح ہم اپنی نشانیاں کھول کھول کر بیان فرماتے ہیں ان کے لئے جو علم رکھتے ہیں ○ کہدے کہ میرے پروردگار نے کل بے حیائیوں کو خواہ کھلی ہوں خواہ چھپی حرام کردی ہیں اور گناہ کو اور حق کی سرکشی کو اور اللہ کے ساتھ اسے شریک ٹھہرانے کو جس کی کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری اور اللہ کا نام لے کر تمہارا وہ کہنا جو تم نہیں جانتے ○

آخر کار مومن ہی اللہ کی رحمت کا سزاوار ٹھہرا: ☆☆ (آیت:۳۲) کھانے پینے کی ان بعض چیزوں کو بغیر اللہ کے فرمائے حرام کر لینے والوں کی تردید ہو رہی ہے اور انہیں ان کے فعل سے روکا جا رہا ہے۔ یہ سب چیزیں اللہ پر ایمان رکھنے والوں اور اس کی عبادت کرنے والوں کے لئے ہی تیار ہوئی ہیں گو دنیا میں ان کے ساتھ اور لوگ بھی شریک ہیں لیکن پھر قیامت کے دن یہ الگ کر دیئے جائیں گے اور صرف مومن ہی اللہ کی نعمتوں سے نوازے جائیں گے۔ ابن عباسؓ راوی ہیں کہ مشرک ننگے ہو کر اللہ کے گھر کا طواف کرتے تھے سیٹیاں اور تالیاں بجاتے جاتے تھے۔ پس یہ آیات اتریں۔

اثم اور بغی کیا فرق ہے: ☆☆ (آیت:۳۳) بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ سے زیادہ غیرت والا کوئی نہیں۔ سورۂ انعام میں چھپی کھلی بے حیاؤں کے متعلق پوری تفسیر گزر چکی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر گناہ کو حرام کر دیا ہے اور ناحق ظلم و تعدی سرکشی اور غرور کو بھی اس نے حرام کیا ہے۔ پس ''اثم'' سے مراد ہر وہ گناہ ہے جو انسان آپ کرے اور ''بغی'' سے مراد وہ گناہ ہے جس میں دوسرے کا نقصان کرے یا اس کی حق تلفی کرے۔ اسی طرح رب کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا بھی حرام ہے اور ذات حق پر بہتان باندھنا بھی مثلاً اس کی اولاد بتانا وغیرہ۔ خلاف واقعہ باتیں بھی جہالت کی باتیں ہیں۔ جیسے فرمان ہے۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ الخ بتوں کی نجاست سے بچو الخ۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾

ہر قوم کے لئے ایک وقت مقرر ہے جب ان کا وقت آ پہنچتا ہے پھر نہ تو ایک ساعت وہ پیچھے رہتے ہیں نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکتے ہیں ○ اے انسانو! جب بھی تمہارے پاس تم میں سے رسول پہنچیں جو میرے احکام تم کو پڑھ کر سنائیں تو جو لوگ پرہیزگاری اور اصلاح کرلیں ان پر نہ تو کوئی ڈر خوف ہے اور نہ وہ اداس اور آزردہ ہوں گے ○ ہاں جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلائیں اور ان سے اکڑ بیٹھیں وہی دوزخی ہوں گے جو ہمیشہ اسی میں رہیں گے ○

موت کی ساعت طے شدہ اور اٹل ہے: ☆☆ (آیت:۳۴-۳۶) ہر زمانے اور ہر زمانے والوں کے لئے اللہ کی طرف سے انتہائی مدت مقرر ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی ناممکن ہے کہ اس سے ایک منٹ کی تاخیر ہو یا ایک لمحے کی جلدی ہو۔ انسانوں کو ڈراتا ہے کہ جب وہ

رسولوں سے ڈرانا اور رغبت دلانا سنیں تو بدکاریوں کو ترک کر دیں اور اللہ کی اطاعت کی طرف جھک جائیں' جب وہ یہ کریں گے تو ہر کھٹکے' ہر ڈر' ہر خوف اور ناامیدی سے محفوظ ہو جائیں گے اور اگر اس کے خلاف کیا' نہ دل سے مانا نہ عمل کیا تو وہ دوزخ میں جائیں گے اور وہیں پڑے جھلستے رہیں گے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝۳۷

اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے' انہیں ان کا لوح محفوظ میں لکھا ہوا حصہ تو ملے گا یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی روح قبض کرنے کو آئیں گے تو کہیں گے کہ اللہ کے سوا جنہیں تم پکارتے اور پوجتے رہے' وہ کہاں ہیں؟ جواب دیں گے کہ وہ سب گم ہو گئے اور (یہ) اپنے کافر ہونے کے گواہ خود ہی بن جائیں گے ۝

اللہ پر بہتان لگانے والا سب سے بڑا ظالم ہے: ☆☆ (آیت: ۳۷) واقعہ یہ ہے کہ سب سے بڑا ظالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھے اور وہ بھی جو اللہ کے کلام کی آیات کو جھوٹا سمجھے' انہیں ان کا مقدر ملے گا۔ اس کے معنی ایک تو یہ ہیں کہ انہیں سزا ہوگی' ان کے منہ کالے ہوں گے' ان کے اعمال کا بدلہ مل کر رہے گا' اللہ کے وعدے وعید پورے ہو کر رہیں گے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ ان کی عمر' عمل' رزق جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے' وہ دنیا میں تو ملے گا۔ یہ قول قوی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کے بعد کا جملہ اس کی تائید کرتا ہے۔ اسی مطلب کی آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ الخ ہے کہ اللہ پر جھوٹی باتیں گھڑ لینے والے فلاح کو نہیں پاتے' گو دنیا میں کچھ فائدہ اٹھا لیں لیکن آخر کار ہمارے سامنے ہی پیش ہوں گے' اس وقت ان کے کفر کے بدلے ہم انہیں سخت سزا دیں گے۔ ایک آیت میں ہے' کافروں کے کفر سے تو غمگین نہ ہو' ان کا لوٹنا ہماری جانب ہی ہوگا' پھر ہم خود انہیں ان کے کرتوت سے آگاہ کریں گے' اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید سے واقف ہے وہ تھوڑا سا دنیوی نفع اٹھا لیں' الخ۔ پھر فرمایا کہ ''ان کی روحوں کو قبض کرنے کے لئے ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے آتے ہیں تو ان کو بطور طنز کہتے ہیں کہ اب اپنے معبودوں کو کیوں نہیں پکارتے کہ وہ تمہیں اس عذاب سے بچا لیں' آج وہ کہاں ہیں؟ تو یہ نہایت حسرت سے جواب دیتے ہیں کہ افسوس وہ تو کھوئے گئے' ہمیں ان سے اب کسی نفع کی امید نہیں رہی' پس اپنے کفر کا آپ ہی اقرار کر کے مرتے ہیں۔''

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ

لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

اللہ تعالیٰ فرمائے گا جو اُمتیں تم سے پہلے جنوں اور انسانوں کی گذر چکی ہیں' ان میں مل کر تم بھی جہنم میں جاؤ' جب کبھی جو امت جائے گی' وہ دوسری اپنی جیسی امت پر لعنت کرے گی' جب سب کے سب وہاں جمع ہو جائیں گے تو ان میں سے پچھلے اگلوں کی نسبت کہیں گے کہ اے اللہ ان لوگوں نے ہی ہمیں گمراہ کیا' اب تو انہیں آگ کا دوہرا دوہرا عذاب دے' جواب ملے گا کہ ہر ایک کیلئے ہی دوہرا ہے لیکن تم نہیں جانتے ○

کفار کی گردنوں میں طوق: ☆☆ (آیت:۳۸) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مشرکوں کو جو اللہ پر افترا باندھتے تھے' اس کی آیات کو جھٹلاتے تھے' فرمائے گا کہ تم بھی اپنے جیسوں کے ساتھ جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں خواہ وہ جنات میں سے ہوں خواہ انسانوں میں سے' جہنم میں جاؤ۔ فِی النَّار' یا تو فی امم کا بدل ہے یا فی امم میں فی معنی میں مع کے ہے۔ ہر گروہ اپنے ساتھ کے اپنے جیسے گروہ پر لعنت کرے گا جیسے کہ خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ''تم ایک دوسرے سے اس روز کفر کرو گے۔'' اور آیت میں ہے اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ یعنی وہ ایسا براوقت ہو گا کہ گرو اپنے چیلوں سے دست بردار ہو جائیں گے' عذابوں کو دیکھتے ہی آپس کے سارے تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ مرید لوگ اس وقت کہیں گے کہ اگر ہمیں بھی یہاں سے پھر واپس دنیا میں جانا مل جائے تو جیسے یہ لوگ آج ہم سے بیزار ہو گئے ہیں' ہم بھی ان سے بالکل ہی دست بردار ہو جائیں گے' اللہ تعالیٰ اسی طرح ان کے کرتوت ان کے سامنے لائے گا جو ان کے لئے سراسر موجب حسرت ہوں گے اور یہ دوزخ سے کبھی آزاد نہ ہوں گے۔

یہاں فرماتا ہے کہ جب یہ سارے کے سارے جہنم میں جا چکیں گے تو پچھلے یعنی تابعدار اور مرید اور تقلید کرنے والے اگلوں سے یعنی جن کی وہ مانتے رہے' ان کی بابت اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں گے' اس سے ظاہر ہے کہ یہ گمراہ کرنے والے ان سے پہلے ہی جہنم میں موجود ہوں گے کیونکہ ان کا گناہ بھی بڑھا ہوا تھا' کہیں گے کہ یا اللہ انہیں دگنا عذاب کر چنانچہ اور آیت میں ہے یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ الخ جبکہ ان کے چہرے آتش جہنم میں ادھر سے ادھر جھلسے جاتے ہوں گے' اس وقت حسرت وافسوس کرتے ہوئے کہیں گے' کہ کاش کہ ہم اللہ رسول کے مطیع ہوتے' یا اللہ ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی تابعداری کی جنہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا' یا اللہ انہیں دگنا عذاب کر' انہیں جواب ملا کہ ہر ایک کے لئے دگنا ہے' یعنی ہر ایک کو اس کی برائیوں کا پورا پورا بدلہ مل چکا ہے۔ جیسے فرمان ہے اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا الخ' جنہوں نے کفر کیا اور راہ رب سے روکا' ان کا ہم عذاب اور زیادہ کریں گے۔ اور آیت میں ہے وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ یعنی اپنے بوجھ کے ساتھ ان کے بوجھ بھی اٹھائیں گے۔ اور آیت میں ہے' ان کے بوجھ ان پر لادے جائیں گے جن کو انہوں نے بے علمی سے گمراہ کیا۔

وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع ۸ ۱۱

اس پر اگلے لوگ پچھلوں سے کہیں گے کہ تو تمہیں ہم پر کوئی فضیلت نہیں رہی' پس تم سب اپنے کئے کرتوت کے بدلے عذابوں کا مزہ چکھو ○

(آیت:۳۹) اب وہ جن کی مانی جاتی رہی' اپنے ماننے والوں سے کہیں گے کہ جیسے ہم گمراہ تھے' تم بھی گمراہ ہوئے' اب اپنے کرتوت کا بدلہ اٹھاؤ۔ اور آیت میں ہے وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ کاش کہ تو دیکھتا جب کہ یہ گنہگار اللہ کے

سامنے کھڑے ہوئے ہوں گے' ایک دوسرے پر الزام رکھ رہے ہوں گے' ضعیف لوگ متکبروں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم مومن بن جاتے' وہ جواب دیں گے کہ کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روکا تھا؟ وہ تو تمہارے سامنے کھلی ہوئی موجود تھی' بات یہ ہے کہ تم خود ہی گنہگار بدکردار تھے۔ یہ پھر کہیں گے کہ نہیں نہیں تمہاری دن رات کی چالاکیوں نے اور تمہاری اس تعلیم نے (کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں اور اس کے شریک ٹھہرائیں) ہمیں گم کردہ راہ بنا دیا' بات یہ ہے کہ سب کے سب اس وقت سخت نادم ہوں گے لیکن ندامت کو دبانے کی کوشش میں ہوں گے' کفار کی گردنوں میں طوق پڑے ہوں گے اور انہیں ان کے اعمال کا بدلہ ضرور دیا جائے گا نہ کم نہ زیادہ بلکہ (پورا پورا)۔

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ﴿٤٠﴾ لَهُم مِّن جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِن فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٤١﴾

ہماری آیات کو جھٹلانے والوں اور ان سے اکڑ بیٹھنے والوں کے لئے نہ تو آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں پہنچ سکیں گے۔ یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے گذر جائے' گنہگاروں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں ○ ان کے لئے آگ ہی کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر سے اوڑھنا بھی آگ ہی کا ہوگا' ہم ناانصافوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ○

بدکاروں کی روحیں دھتکاری جاتی ہیں: ☆☆ (آیت: ۴۰-۴۱) کافروں کے نہ تو نیک اعمال اللہ کی طرف چڑھیں' نہ ان کی دعائیں قبول ہوں' نہ ان کی روحوں کے لئے آسمان کے دروازے کھلیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ جب بدکاروں کی روحیں قبض کی جاتی ہیں اور فرشتے انہیں لے کر آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں تو فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں' وہ کہتے ہیں یہ خبیث روح کس کی ہے؟ یہ اس کا بد سے بدنام لے کر بتاتے ہیں کہ فلاں کی' یہاں تک کہ یہ اسے آسمان کے دروازے تک پہنچاتے ہیں لیکن ان کے لئے دروازہ کھولا نہیں جاتا۔

پھر حضور ﷺ نے آیت لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ پڑھی۔ یہ بہت لمبی حدیث ہے جو سنن میں موجود ہے مومن کی روح کے ساتھ فرشتوں کا برتاؤ مسند احمد میں یہ حدیث پوری یوں ہے' حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' ایک انصاری کے جنازے میں ہم حضورؐ کے ساتھ تھے' جب قبرستان پہنچے تو قبر تیار ہونے میں کچھ دیر تھی ہم سب بیٹھ گئے اور اس طرح خاموش اور باادب تھے کہ گویا ہمارے سروں پر پرند ہیں نبی ﷺ کے ہاتھ میں ایک تنکا تھا جسے آپ زمین پر پھرا رہے تھے' تھوڑی دیر میں آپ نے سر اٹھا کر دو بار یا تین بار ہم سے فرمایا کہ عذاب قبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو' پھر فرمایا مومن جب دنیا کی آخری اور آخرت کی پہلی گھڑی میں ہوتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے نورانی چہروں والے فرشتے آتے ہیں گویا کہ ان کا منہ آفتاب ہے' ان کے ساتھ جنت کا کفن اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے' وہ آ کر مرنے والے مومن کے پاس بیٹھ جاتے ہیں' جہاں تک اس کی نگاہ کام کرتی ہے' فرشتے ہی فرشتے نظر آتے ہیں' پھر حضرت ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں' اے اطمینان والی روح' اللہ کی مغفرت اور رضامندی کی طرف چل' یہ سنتے ہی وہ روح اس طرح بدن سے نکل جاتی ہے جیسے مشک کے منہ سے پانی کا قطرہ ٹپک جائے اسی وقت ایک پلک جھپکنے کے برابر کی دیر میں وہ جنتی فرشتے اس

پاک روح کو اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں اور جنتی کفن اور جنتی خوشبو میں رکھ لیتے ہیں' اس میں ایسی عمدہ اور بہترین خوشبو نکلتی ہے کہ کبھی دنیا والوں نے نہ سونگھی ہو' اب یہ اسے لے کر آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں' فرشتوں کی جو جماعت انہیں ملتی ہے' وہ پوچھتی ہے کہ یہ پاک روح کس کی ہے؟ یہ اس کا بہتر سے بہتر جو نام دنیا میں مشہور تھا' وہ لے کر کہتے ہیں فلاں کی' یہاں تک کہ آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں دروازہ کھلوا کر اوپر چڑھ جاتے ہیں' یہاں سے اس کے ساتھ اسے دوسرے آسمان تک پہنچانے کے لئے فرشتوں کی اور بڑی جماعت ہو جاتی ہے' اسی طرح ساتویں آسمان تک پہنچتے ہیں' اللہ عزوجل فرماتا ہے' اس میرے بندے کی کتاب علیین میں رکھ کر اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو میں نے انہیں اسی سے پیدا کیا ہے اسی میں لوٹاؤں گا اور اسی سے دوبارہ نکالوں گا۔ قبر میں سوال و جواب اور قبر کا ساتھی پس وہ روح لوٹا دی جاتی ہے' وہیں اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں؟ اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے' پھر پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے' پھر پوچھتے ہیں کہ وہ شخص جو تم میں بھیجے گئے' کون تھے' وہ کہتا ہے وہ رسول اللہ تھے صلی اللہ علیہ وسلم' فرشتے اس سے دریافت کرتے ہیں کہ تجھے کیسے معلوم ہوا؟ جواب دیتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی' اس پر ایمان لایا اور اسے سچا مانا' وہیں آسمان سے ایک منادی ندا کرتا ہے کہ میرا بندہ سچا ہے' اس کے لئے جنت کا فرش بچھا دو' اسے جنتی لباس پہنا دو اور اس کے لئے جنت کا دروازہ کھول دو' پس اس کے پاس جنت کی تروتازگی' اس کی خوشبو اور وہاں کی ہوا آتی رہتی ہے اور اس کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے' جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے اسے کشادگی ہی کشادگی نظر آتی ہے۔ اس کے پاس ایک نہایت حسین و جمیل شخص لباس فاخرہ پہنے ہوئے خوشبو لگائے ہوئے آتا ہے اور اس سے کہتا ہے' خوش ہو جا' یہی وہ دن ہے جس کا تجھے وعدہ دیا جاتا تھا۔ اسسے پوچھتا ہے تو کون ہے؟ تیرے چہرے سے بھلائی پائی جاتی ہے' وہ جواب دیتا ہے کہ میں تیرا نیک عمل ہوں' اب تو مومن آرزو کرنے لگتا ہے کہ اللہ کرے قیامت آج ہی قائم ہو جائے تاکہ میں جنت میں پہنچ کر اپنے مال اور اپنے اہل وعیال کو پالوں کافر' مشرک کی روح کے ساتھ فرشتوں کا برتاؤ۔ کافر کی جب دنیا کی آخر گھڑی آتی ہے تو اس کے پاس سیاہ چہرے والے فرشتے آسمان سے آتے ہیں' ان کے ساتھ ٹاٹ ہوتا ہے' اس کی نگاہ تک اسے یہی نظر آتے ہیں' پھر ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں' اے خبیث روح اللہ کی ناراضگی اور اس کے غضب کی طرف چل' یہ سن کر وہ روح بدن میں چھپنے لگتی ہے جسے ملک الموت جبراً گھسیٹ کر نکالتے ہیں' اسی وقت وہ فرشتے ان کے ہاتھ سے ایک آنکھ جھپکنے میں لے لیتے ہیں اور اس جہنمی ٹاٹ میں لپیٹ لیتے ہیں اور اس سے نہایت ہی سڑی ہوئی بدبو نکلتی ہے' یہ اسے لے کر چڑھنے لگتے ہیں فرشتوں کا جو گروہ ملتا ہے' اس سے پوچھتا ہے کہ یہ ناپاک روح کس کی ہے؟ یہ اس کی روح جس کا بدترین نام دنیا میں تھا' انہیں بتاتے ہیں' پھر آسمان کا دروازہ اس کے لئے کھلوانا چاہتے ہیں مگر کھولا نہیں جاتا' پھر رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم کی یہ آیت لا تفتح الخ' تلاوت فرمائی۔

جناب باری عزوجل کا ارشاد ہوتا ہے' اس کی کتاب سجین میں سب سے نیچے کی زمین میں رکھو' پھر اس کی روح وہاں سے پھینک دی جاتی ہے' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ یعنی جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا گویا وہ آسمان سے گر پڑا پس اسے یا تو پرندا چک لے جائیں گے یا ہوائیں کسی دور دراز کی ڈراؤنی ویران جگہ پر پھینک دیں گی قبر میں سوال و جواب اور قبر کا ساتھی اب اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے پہنچتے ہیں اسے اٹھا کر بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ یہ کہتا ہے ہائے ہائے مجھے خبر نہیں پھر پوچھتے ہیں' تیرا دین کیا ہے؟ جواب دیتا ہے' افسوس مجھے اس کی بھی خبر نہیں پھر پوچھتے ہیں بتا اس شخص کی بابت تو کیا کہتا ہے جو تم میں بھیجے گئے تھے؟ یہ کہتا ہے آہ افسوس میں اس کا جواب بھی نہیں جانتا' اسی وقت آسمان سے ندا ہوتی ہے کہ میرے اس غلام نے غلط کہا' اس کے لئے جہنم کی آگ بچھا

دو اور جہنم کا دروازہ اس کی قبر کی طرف کھول دو وہاں سے اسے گرمی اور آگ کے جھونکے آنے لگتے ہیں اس کی قبر اس پر تنگ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ ادھر کی پسلیاں ادھر اور ادھر کی ادھر ہو جاتی ہیں اس کے پاس ایک شخص نہایت مکروہ اور ڈراؤنی صورت والا برے کپڑے پہنے بری بد بو والا آتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ اب اپنی برائیوں کا مزہ چکھ اسی دن کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا یہ پوچھتا ہے تو کون ہے؟ تیرے تو چہرے سے وحشت اور برائی ٹپک رہی ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میں تیرا خبیث عمل ہوں یہ کہتا ہے یا اللہ قیامت قائم نہ ہو انجام کار اسی روایت کی دوسری سند میں ہے کہ مومن کی روح کو دیکھ کر آسمان و زمین کے تمام فرشتے دعائے مغفرت و رحمت کرتے ہیں اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ہر دروازے کے فرشتوں کی تمنا ہوتی ہے کہ اللہ کرے یہ روح ہماری طرف سے آسمان پر چڑھے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ کافر کی قبر میں اندھا بہرا گونگا فرشتہ مقرر ہو جاتا ہے جس کے ہاتھ میں ایک گرز ہوتا ہے کہ اگر اسے کسی بڑے پہاڑ پر مارا جائے تو وہ مٹی ہو جائے پھر اسے جیسا وہ تھا اللہ تعالیٰ کر دیتا ہے فرشتہ دوبارہ اسے گرز مارتا ہے جس سے یہ چیخنے چلانے لگتا ہے جسے انسان اور جنات کے سوا تمام مخلوق سنتی ہے ابن جریر میں ہے کہ نیک صالح شخص سے فرشتے کہتے ہیں اے مطمئن نفس جو طیب جسم میں تھا تو تعریفوں والا بن کر نکل اور جنت کی خوشبو اور نسیم جنت کی طرف چل۔ اس اللہ کے پاس چل جو تجھ پر غصے نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب اس روح کو لے کر آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں دروازہ کھلواتے ہیں تو پوچھا جاتا ہے کہ یہ کون ہے یہ اس کا نام بتاتے ہیں تو وہ اسے مرحبا کہہ کر وہی کہتے ہیں یہاں تک کہ یہ اس آسمان میں پہنچتے ہیں جہاں اللہ ہے اس میں یہ بھی ہے کہ برے شخص سے وہ کہتے ہیں اے خبیث نفس! جو خبیث جسم میں تھا تو برا بن کر نکل اور تیز کھولتے ہوئے پانی اور لہو پیپ اور اسی قسم کے مختلف عذابوں کی طرف چل اس کے نکلنے تک فرشتے اسے یہی سناتے رہتے ہیں پھر اسے لے کر آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں پوچھا جاتا ہے کہ یہ کون ہے؟ یہ اس کا نام بتاتے ہیں تو آسمان کے فرشتے کہتے ہیں اس خبیث کو مرحبا نہ کہو یہ تھی بھی خبیث جسم میں تو بد بن کر لوٹ جا اس کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے اور آسمان و زمین کے درمیان چھوڑ دی جاتی ہے پھر قبر کی طرف لوٹ آتی ہے۔

ابن جریج نے لکھا ہے کہ نہ ان کے اعمال چڑھیں نہ ان کی روحیں اس سے دونوں قول مل جاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس کے بعد کے جملے میں جمہور کی قرات تو جَمَلُ ہے جس کے معنی نر اونٹ کے ہیں لیکن ایک قرات میں جُمَّلُ ہے اس کے معنی بڑے پہاڑ کے ہیں۔ مطلب بہر صورت ایک ہی ہے کہ نہ اونٹ سوئی کے ناکے سے گذر سکے نہ پہاڑ اسی طرح کافر جنت میں نہیں جا سکتا ان کا اوڑھنا بچھونا آگ ہے اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۴۲

جن لوگوں نے ایمان قبول کر کے نیک اعمال کئے ناممکن ہے کہ ہماری طرف سے کسی پر وہ بوجھ ڈالا جائے جس کا وہ متحمل نہ ہو سکے یہ لوگ جنتی ہیں اور یہ وہیں ہمیشہ رہنے والے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل انسانی بس میں ہے! ☆☆ (آیت:۴۲) اوپر گنہگاروں کا ذکر ہوا یہاں اب نیک بختوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ جن کے دل میں ایمان ہے اور جو اپنے جسم سے قرآن و حدیث کے مطابق کام کرتے ہیں بخلاف بدکاروں کے کہ وہ دل میں کفر رکھتے ہیں اور عمل سے دور بھاگتے ہیں۔ پھر فرمان ہے کہ ایمان اور نیکیاں انسان کے بس میں ہیں۔ اللہ کے احکام انسانی طاقت سے زیادہ نہیں

ہیں۔ایسے لوگ جنتی ہیں اور ہمیشہ جنت میں ہی رہیں گے۔

وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۟ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَنُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

ان کے سینوں میں جو کینہ تھا' ہم نے سب نکال دیا' ان کے نیچے سے نہریں لہریں بہہ رہی ہیں' یہ کہیں گے کہ مکمل تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے ہمیں اس کی راہ دکھائی' ہم تو اس کی راہ پا ہی نہ سکتے تھے اگر اللہ تعالیٰ ہماری رہبری نہ کرتا یقیناً ہمارے پاس رب کے رسول حق لائے' منادی کی جائے گی کہ یہی وہ جنت ہے جس کے تم بہ سبب اپنے کئے ہوئے اعمال کے وارث بنا دیئے گئے ہو ○

(آیت:۴۳) ان کے دلوں میں سے آپس کی کدورتیں' حسد بغض دور کر دیئے جائیں گے۔ چنانچہ صحیح بخاری شریف میں حدیث میں ہے کہ مومن آگ سے چھٹکارا حاصل کر کے جنت و دوزخ کے درمیان ایک ہی پل پر روک دیئے جائیں گے وہاں ان کے آپس کے مظالم کا بدلہ ہو جائے گا اور پاک ہو کر جنت میں جانے کی اجازت پائیں گے' واللہ وہ لوگ اپنے اپنے درجوں کو اور مکانوں کو اس طرح پہچان لیں گے جیسے دنیا میں جان لیتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ سدی رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اہل جنت دروازہ جنت پر ایک درخت دیکھیں گے جس کی جڑوں کے پاس سے دو نہریں بہہ رہی ہوں گی' یہ ان میں سے ایک کا پانی پئیں گے جس سے دلوں کی کدورتیں دھل جائیں گی' یہ شراب طہور ہے' پھر دوسری نہر میں غسل کریں گے جس سے چہروں پر تروتازگی آ جائے گی' پھر نہ تو بال بکھریں نہ سرمہ لگانے اور سنگھار کرنے کی ضرورت پڑے۔

حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی جیسا قول مروی ہے جو آیت وَسِیْقَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا کی تفسیر میں آئے گا۔ ان شاء اللہ۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ ان شاء اللہ میں اور عثمانؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے دل اللہ تعالیٰ صاف کر دے گا' فرماتے ہیں کہ ہم اہل بدر کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ ابن مردویہ میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' ہر جنتی کو اپنا جہنم کا ٹھکانا دکھایا جائے گا تاکہ وہ اور بھی شکر کرے اور وہ کہے گا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے ہدایت عنایت فرمائی۔ اور ہر جہنمی کو اپنا جہنم کا ٹھکانا دکھایا جائے گا تاکہ اس کی حسرت بڑھے' اس وقت وہ کہے گا' کاش کہ میں بھی راہ یافتہ ہوتا۔ پھر جنتیوں کو جنت کی جگہیں دے دی جائیں گی اور ایک منادی ندا کرے گا کہ یہی وہ جنت ہے جس کے تم بہ سبب اپنی نیکیوں کے وارث بنا دیئے گئے' یعنی تمہارے اعمال کی وجہ سے تمہیں رحمت رب ملی اور رحمت رب سے تم داخل جنت ہوئے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' یاد رکھو! تم میں سے کوئی بھی صرف اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں نہیں جا سکتا' لوگوں نے پوچھا' آپ بھی نہیں؟ فرمایا میں بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنی رحمت و فضل میں ڈھانپ لے۔

وَنَادٰۤی اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ اَصۡحٰبَ النَّارِ اَنۡ قَدۡ وَجَدۡنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلۡ وَجَدۡتُّمۡ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمۡ حَقًّا ؕ قَالُوۡا نَعَمۡ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيۡنَهُمۡ اَنۡ لَّعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَيَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ كٰفِرُوۡنَ ﴿۴۵﴾

جنتی جہنمیوں سے پکار کر کہیں گے کہ ہم سے ہمارے رب کا جو وعدہ تھا' ہم نے اسے بالکل سچا پایا' کیا تم سے تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا تم نے بھی اسے سچا پایا؟ وہ جواب دیں گے کہ ہاں' پس اسی وقت ان کے درمیان ایک منادی ندا کرے گا کہ نا انصافوں پر اللہ کی لعنت ہے ○ جو راہ اللہ سے لوگوں کو روکتے رہے اور اسے ٹیڑھا کرنے کی کوشش کرتے رہے' اور جو آخرت کے بھی منکر ہی رہے ○

جنتیوں اور دوزخیوں میں مکالمہ : ☆☆ (آیت :۴۴-۴۵) جنتی جب جنت میں جا کر امن چین سے بیٹھ جائیں گے تو دوزخیوں کو شرمندہ کرنے کے لئے ان سے دریافت فرمائیں گے کہ ہم نے تو اپنے رب کے ان وعدوں کو جو ہم سے کئے گئے تھے صحیح پایا' تم اپنی کہو- ''ان'' یہاں پر منسرہ ہے قول محذوف کا اور ''قد'' تحقیق کے لئے ہے- اس کے جواب میں مشرکین ندامت سے کہیں گے کہ ہاں ہم نے بھی اپنے رب کے ان وعدوں کو جو ہم سے تھے' ٹھیک پایا- جیسا سورۂ صافات میں فرمان ہے کہ اہل جنت میں سے ایک کہے گا کہ میرا ایک ساتھی تھا جو مجھ سے تعجب کے ساتھ سوال کیا کرتا تھا کہ کیا تو بھی ان لوگوں میں سے ہے جو قیامت کے قائل ہیں؟ کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے اور ہڈیاں ہو کر رہ جائیں گے' کیا واقعی ہی ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے؟ اور ہمیں بدلے دیئے جائیں گے؟ یہ کہہ کر وہ اوپر سے جھانک کر دیکھے گا تو اپنے اس ساتھی کو بیچ جہنم میں پائے گا' کہے گا قسم اللہ کی تو تو مجھے بھی تباہ کرنے ہی کو تھا اگر میرے رب کا فضل شامل حال نہ ہوتا تو میں بھی آج گرفتار عذاب ہوتا' اب بتاؤ دنیا میں جو کہا کرتا تھا' کیا سچا تھا کہ ہم مر کر جینے والے اور بدلہ بھگتنے والے ہی نہیں؟ اس وقت فرشتے کہیں گے' یہی وہ جہنم ہے جسے تم جھوٹا مان رہے تھے' اب بتاؤ کیا یہ جادو ہے؟ یا تمہاری آنکھیں نہیں ہیں؟ اب یہاں پڑے جلتے بھنتے رہو' صبر اور بے صبری دونوں نتیجے کے اعتبار سے تمہارے لئے یکساں ہے' تمہیں اپنے کئے کا بدلہ پانا ہی ہے- اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے کفار قریش کے ان مقتولوں کو جو بدر میں کام آئے تھے اور جن کی لاشیں ایک کھائی میں تھیں' ڈانٹا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ اے ابو جہل بن ہشام' اے عتبہ بن ربیعہ' اے شیبہ بن ربیعہ اور دوسرے سرداروں کا بھی نام لیا اور فرمایا' کیا تم نے اپنے رب کے وعدے کو سچا پایا؟ میں نے تو اپنے رب کے وہ وعدے دیکھ لئے جو اس نے مجھ سے کئے تھے-

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' یا رسول اللہؐ! آپ ان سے باتیں کر رہے ہیں جو مر کر مردار ہو گئے؟ تو آپ نے فرمایا' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میری بات کو تم بھی ان سے زیادہ نہیں سن رہے' لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے- پھر فرماتا ہے کہ اسی قت ایک منادی ندا کر کے معلوم کرا دے گا کہ ظالموں پر رب کی ابدی لعنت واقع ہو چکی' جو لوگوں کو راہ حق اور شریعت ہدیٰ سے روکتے تھے اور چاہتے تھے کہ اللہ کی شریعت ٹیڑھی کر دیں تا کہ اس پر کوئی عمل نہ کرے' آخرت پر بھی انہیں یقین نہ تھا' اللہ کی ملاقات کو نہیں مانتے تھے' اسی لئے بے پرواہی سے برائیاں کرتے تھے' حساب کا ڈر نہ تھا' اس لئے سب سے زیادہ بدزبان اور بداعمال تھے-

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا
بِسِيمَاهُمْ وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ
لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ﴿۴۶﴾ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ
تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ
الظَّالِمِينَ ﴿۴۷﴾ ع ۸ ۱۲

ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے' اعراف پر کچھ لوگ ہوں گے جو ہر ایک کو ان کے چہروں کے نشان سے پہچانتے ہوں گے' وہ جنتیوں سے کہیں گے کہ تم پر سلام ہو گو وہ جنت میں نہیں گئے لیکن انہیں امید ہے ○ اور جب ان کی نگاہیں دوزخیوں کی طرف جا پڑتی ہیں تو کہتے ہیں' اے ہمارے پروردگار ہمیں ظالم لوگوں کے ساتھ نہ کر دینا ○

جنت اور جہنم میں دیوار اور اعراف والے: ☆☆ (آیت: ۴۶-۴۷) جنتیوں اور دوزخیوں کی بات بیان فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ جنت دوزخ کے درمیان ایک اور حجاب حد فاصل اور دیوار ہے کہ وہ دوزخیوں کو جنت سے فاصلے پر رکھے۔ اسی دیوار کا ذکر آیت فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ الخ میں ہے یعنی ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہے' اس کے اندر رحمت ہے اور باہر عذاب ہے' اسی کا نام اعراف ہے۔ اعراف عرف کی جمع ہے' ہر اونچی زمین کو عرب میں عرفہ کہتے ہیں' اسی لئے مرغ کے سر کی کلنگ (کلغی) کو بھی عرب میں عرف الديك کہا جاتا ہے کیونکہ اونچی جگہ ہوتا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہ ایک اونچی جگہ ہے جنت دوزخ کے درمیان جہاں کچھ لوگ روک دیئے جائیں گے۔

سدیؒ فرماتے ہیں' اس کا نام اعراف اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہاں کے لوگ اور لوگوں کو جانتے پہچانتے ہیں' یہاں کون لوگ ہوں گے؟ اس میں بہت سے اقوال ہیں۔ سب کا حاصل یہ ہے کہ وہ یہ لوگ ہوں گے جن کے گناہ اور نیکیاں برابر ہوں گی' بعض سلف سے بھی یہی منقول ہے۔ حضرت حذیفہؓ' حضرت ابن عباسؓ' حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ نے یہی فرمایا ہے اور یہی بعد والے مفسرین کا قول ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے لیکن سنداً وہ حدیث غریب ہے ایک اور سند سے مروی ہے کہ حضورؐ سے جب ان لوگوں کی بابت جن کی نیکیاں بدیاں برابر ہوں اور جو اعراف والے ہیں' سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا' یہ وہ نافرمان لوگ ہیں جو اپنے باپ کی اجازت بغیر نکلے' پھر اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے۔ اور روایت میں ہے کہ یہ لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے اور اپنے والدین کے نافرمان تھے' تو جنت میں جانے سے باپ کی نافرمانی نے روک دیا اور جہنم میں جانے سے شہادت نے روک دیا۔ ابن ماجہ وغیرہ میں بھی یہ روایات ہیں اب اللہ ہی کو ان کی صحت کا علم ہے' بہت ممکن ہے کہ یہ موقوف روایات ہوں' بہر صورت ان سے اصحاب اعراف کا حال معلوم ہو رہا ہے۔ حضرت حذیفہؓ سے جب ان کی بابت سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں بدیاں برابر برابر تھیں' برائیوں کی وجہ سے جنت میں نہ جا سکے اور نیکیوں کی وجہ سے جہنم سے بچ گئے' پس یہاں آڑ میں روک دیئے جائیں گے' یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ ان کے بارے میں سرزد ہو۔

اور آیت میں آپ سے مروی ہے کہ یہ دوزخیوں کو دیکھ دیکھ کر ڈر رہے ہوں گے اور اللہ سے نجات طلب کر رہے ہوں گے کہ اچانک

انکا رب ان کی طرف دیکھے گا اور فرمائے گا جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ' میں نے تمہیں بخشا حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں' قیامت کے دن لوگوں کا حساب ہوگا' کسی شخص ایک نیکی بھی اگر برائیوں سے بڑھ گئی تو وہ داخل جنت ہوگا اور اگر کسی کی ایک برائی بھی نیکیوں سے زیادہ ہوگئی تو دوزخ میں جائے گا پھر آپ نے فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ سے دو آیات تک تلاوت کیں اور فرمایا ایک رائی کے دانے کے برابر کی کمی زیادتی سے میزان کا پلڑا ہلکا بھاری ہو جاتا ہے اور جن کی نیکیاں بدیاں برابر برابر ہوئیں' یہ اعراف والے ہیں' یہ ٹھہرا لئے جائیں گے اور جنتی دوزخی مشہور ہو جائیں گے۔ یہ جب جنت کو دیکھیں گے تو اہل جنت پر سلام کریں گے اور جب جہنم کو دیکھیں گے تو اللہ سے پناہ طلب کریں گے۔ نیک لوگوں کو نور ملے گا جو ان کے آگے اور ان کے دائیں موجود رہے گا۔ ہر انسان کو وہ مرد ہوں خواہ عورتیں ہوں' ایک نور ملے گا لیکن پل صراط پر منافقوں کا نور چھین لیا جائے گا۔ اس وقت سچے مومن اللہ سے اپنے نور کے باقی رہنے کی دعائیں کریں گے۔ اعراف والوں کا نور چھینا نہیں جائے گا' وہ ان کے آگے آگے موجود ہوگا' انہیں جنت میں جانے کی طمع ہوگی۔ لوگو ایک نیکی دس گنی کر کے لکھی جاتی ہے اور برائی اتنی ہی لکھی جاتی ہے جتنی ہو' افسوس ان پر جن کی اکائیاں دہائیوں پر غالب آ جائیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ اعراف ایک دیوار ہے جو جنت دوزخ کے درمیان ہے' اصحاب اعراف وہیں ہوں گے۔ جب انہیں عافیت دینے کا اللہ کا ارادہ ہوگا تو حکم ملے گا انہیں نہر حیات کی طرف لے جاؤ' اس کے دونوں کناروں پر سونے کے خیمے ہوں گے جو موتیوں سے مرصع ہوں گے' اس کی مٹی مشک خالص ہوگی' اس میں غوطہ لگاتے ہی ان کی رنگتیں نکھر جائیں گی اور ان کی گردنوں پر ایک سفید چمکیلا نشان ہو جائے گا جس سے وہ پہچان لئے جائیں یہ اللہ کے سامنے لائے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا جو چاہو مانگو' یہ مانگیں گے یہاں تک کہ ان کی تمام تمنائیں اللہ تعالیٰ پوری کر دے گا' پھر فرمائے گا' ان جیسی ستر گنا اور نعمتیں بھی میں نے تمہیں دیں' پھر یہ جنت میں جائیں گے' وہ علامت ان پر موجود ہوگی جنت میں ان کا نام مساکین اہل جنت ہوگا۔ یہی روایت حضرت مجاہدؒ کے اپنے قول سے بھی مروی ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم ایک حسن سند کی مرسل حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اعراف والوں کی نسبت دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ان کا فیصلہ سب سے آخر میں ہوگا' رب العالمین جب اپنے بندوں کے فیصلے کر چکے گا تو ان سے فرمائے گا کہ تم لوگوں کو تمہاری نیکیوں نے دوزخ سے تو محفوظ کر لیا لیکن تم جنت میں جانے کے حقدار ثابت نہیں ہوئے' اب تم کو میں اپنی طرف سے آزاد کرتا ہوں' جاؤ جنت میں رہو سہو اور جہاں چاہو کھاؤ پیؤ' یہ بھی کہا گیا کہ یہ زنا کی اولاد ہیں۔

ابن عساکر میں فرمان نبیؐ ہے کہ مومن جنوں کو ثواب ہے اور ان میں سے جو برے ہیں' انہیں عذاب بھی ہوگا' ہم نے ان کے ثواب اور ان کے ایمانداروں کی بابت حضورؐ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا وہ اعراف میں ہوں گے' جنت میں میری امت کے ساتھ نہ ہوں گے۔ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ' اعراف کیا ہے؟ فرمایا جنت کا ایک باغ جہاں نہریں جاری ہیں اور پھل پک رہے ہیں۔ (بیہقی) حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' یہ صالح دیندار فقہاء علما لوگ ہوں گے۔ ابومجلزؒ فرماتے ہیں' یہ فرشتے ہیں' جنت دوزخ والوں کو جانتے ہیں' پھر آپ نے ان آیات کی تلاوت کی اور فرمایا سب جنتی جنت میں جانے لگیں گے تو کہا جائے گا کہ تم امن و امان کے ساتھ بے خوف و خطر ہو کر جنت میں جاؤ' اس کی سند گو ٹھیک ہے لیکن یہ قول بہت غریب ہے۔ کیونکہ روانی عبارت بھی اس کے خلاف ہے اور جمہور کا قول ہی مقدم ہے' کیونکہ آیت کے ظاہری الفاظ کے مطابق ہے' حضرت مجاہدؒ کا قول بھی جو اوپر بیان ہوا' غرابت سے خالی نہیں۔ واللہ اعلم۔

قرطبی رحمتہ اللہ علیہ نے اس میں بارہ قول نقل کئے ہیں' صلحا' انبیاء' ملائکہ وغیرہ۔ یہ جنتیوں کو ان کے چہرے کی رونق اور سفیدی سے

اور دوزخیوں کو ان کے چہرے کی سیاہی سے پہچان لیں گے۔ یہ یہاں اس لئے ہیں کہ ہر ایک کا امتیاز کر لیں اور سب کو پہچان لیں یہ جنتیوں سے سلام کریں گے جہنمیوں کو دیکھ دیکھ کر اللہ کی پناہ چاہیں گے اور طمع رکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں بھی بہشت بریں میں پہنچا دیں' یہ طمع ان کے دل میں اللہ نے اسی لئے ڈالا ہے کہ اس کا ارادہ انہیں جنت میں لے جانے کا ہو چکا ہے۔ جب وہ اہل دوزخ کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ پروردگار ہمیں ظالموں میں سے نہ کر' جب کوئی جماعت جہنم میں پہنچائی جاتی ہے تو یہ اپنے بچاؤ کی دعائیں کرنے لگتے ہیں۔ جہنم سے ان کے چہرے کوئلے جیسے ہو جائیں گے لیکن جب جنت والوں کو دیکھیں گے تو یہ چیز چہروں سے دور ہو جائے گی۔ جنتیوں کے چہروں کی پہچان نورانیت ہوگی اور دوزخیوں کے چہروں پر سیاہی اور آنکھوں میں بھینگا پن ہوگا۔

وَنَادَىٰٓ أَصۡحَٰبُ ٱلۡأَعۡرَافِ رِجَالٗا يَعۡرِفُونَهُم بِسِيمَىٰهُمۡ قَالُواْ مَآ أَغۡنَىٰ عَنكُمۡ جَمۡعُكُمۡ وَمَا كُنتُمۡ تَسۡتَكۡبِرُونَ ﴿۴۸﴾ أَهَٰٓؤُلَآءِ ٱلَّذِينَ أَقۡسَمۡتُمۡ لَا يَنَالُهُمُ ٱللَّهُ بِرَحۡمَةٍۚ ٱدۡخُلُواْ ٱلۡجَنَّةَ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡكُمۡ وَلَآ أَنتُمۡ تَحۡزَنُونَ ﴿۴۹﴾

اعراف والے ان لوگوں کو جنہیں وہ ان کے چہروں کے نشان سے پہچان لیں گے' کہیں گے کہ تمہیں تمہارے جمع جتھے نے تو کوئی فائدہ نہ پہنچایا اور نہ تمہاری شیخی اور بڑائی کام آئی ○ کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کی نسبت تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ انہیں اللہ کوئی رحمت نہ دے گا؟ تم جنت میں جاؤ' نہ تو تم پر کوئی ڈر خوف ہے اور نہ تم غمگین اور ہراساں ہوؤ گے ○

کفر کے ستون اور ان کا حشر: ☆☆ (آیت: ۴۸-۴۹) کفر کے جن ستونوں کو' کافروں کے جن سرداروں کو اعراف والے ان کے چہروں سے پہچان لیں گے' انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر کے پوچھیں گے کہ آج تمہاری کثرت جمعیت کہاں گئی؟ اس نے تو تمہیں مطلقاً فائدہ نہ پہنچایا' آج وہ تمہاری اکڑفوں کیا ہوئی' تم تو بری طرح عذابوں میں جکڑ دیئے گئے۔ ان کے بعد ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں فرمایا جائے گا کہ بدبختو انہی کی نسبت تم کہا کرتے تھے کہ اللہ انہیں کوئی راحت نہیں دے گا۔ اے اعراف والو! میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ جاؤ' آرام و سکون اور بغیر کسی خطرے کے داخل ہو جاؤ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اعراف والوں کے اعمال صالحہ اس قابل نہ نکلے کہ انہیں جنت میں پہنچائیں' لیکن اتنی برائیاں بھی ان کی نہ تھیں کہ دوزخ میں جائیں' تو یہ اعراف پر ہی روک دیئے گئے' لوگوں کو ان کے اندازے سے پہچانتے ہوں گے۔

جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں فیصلے کر چکے گا' شفاعت کی اجازت دے گا' لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ اے آدمؑ! آپ ہمارے باپ ہیں' ہماری شفاعت اللہ تعالیٰ کی جناب میں کیجئے' آپ جواب دیں گے کہ بتاؤ کیا کہ میرے سوا کسی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہو' اپنی روح اس میں پھونکی ہو' اپنی رحمت اس پر اپنے غضب سے پہلے پہنچائی ہو' اپنے فرشتوں سے اسے سجدہ کرایا ہو؟ سب جواب دیں گے کہ نہیں' ایسا کوئی آپ کے سوا نہیں' آپ فرمائیں گے میں اس کی حقیقت سے بے خبر ہوں میں تمہاری شفاعت نہیں کر سکتا' ہاں تم میرے لڑکے ابراہیم کے پاس جاؤ۔ اب سب لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور ان سے شفاعت کرنے کی درخواست کریں گے۔ آپ جواب دیں گے' کہ کیا تم جانتے ہو کہ میرے سوا اور کوئی خلیل اللہ ہوا ہو؟ یا اللہ کے بارے میں اس کی قوم نے آگ میں پھینکا ہو؟ سب کہیں گے نہیں' آپ کے سوا اور کوئی نہیں' فرمائیں گے مجھے اس کی حقیقت معلوم نہیں' میں تمہاری

درخواست شفاعت نہیں لے جا سکتا' تم میرے لڑکے موسیٰ کے پاس جاؤ حضرت موسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے کہ بتاؤ میرے سوا اللہ نے کسی کو اپنا کلیم بنایا' اپنی سرگوشیوں کے لئے نزدیکی عطا فرمائی؟ جواب دیں گے کہ نہیں' فرمائیں گے' میں اس کی حقیقت سے بے خبر ہوں' میں تمہاری سفارش کرنے کی طاقت نہیں رکھتا' ہاں تم حضرت عیسیٰؑ کے پاس جاؤ - لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان سے شفاعت طلبی کا تقاضا کریں گے - حضرت عیسیٰ جواب دیں گے کہ کیا تم جانتے ہو کہ میرے سوا کسی کو اللہ نے بے باپ کے پیدا کیا ہو؟ جواب ملے گا کہ نہیں - پوچھیں گے' جانتے ہو کہ کوئی مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو بحکم الٰہی میرے سوا اچھا کرتا ہو' یا کوئی مردہ کو بحکم الٰہ زندہ کر دیتا ہو؟ کہیں گے کہ کوئی نہیں' فرمائیں گے کہ میں تو آج اپنے نفس کے بچاؤ میں ہوں' میں اس کی حقیقت سے بے خبر ہوں' مجھ میں اتنی طاقت کہاں کہ تمہاری سفارش کر سکوں' ہاں تم سب کے سب حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤ چنانچہ سب لوگ میرے پاس آئیں گے' میں اپنا سینہ ٹھونک کر کہوں گا کہ ہاں ہاں میں اسی لئے موجود ہوں' پھر میں چل کر اللہ کے عرش کے سامنے ٹھہر جاؤں گا' اپنے رب عزوجل کے پاس پہنچ جاؤں گا اور ایسی ایسی اس کی تعریفیں بیان کروں گا کہ کسی سننے والے نے کبھی نہ سنی ہوں' پھر سجدے میں گر پڑوں گا' پھر مجھ سے فرمایا جائے گا کہ اے محمد ﷺ اپنا سر اٹھاؤ' مانگو دیا جائے گا' شفاعت کرو' قبول کی جائے گی -

پس میں اپنا سر اٹھا کر کہوں گا' میرے رب میری امت' اللہ تعالیٰ فرمائے گا' وہ سب تیری ہی ہے پھر تو ہر ہر پیغمبر اور ہر ایک فرشتہ رشک کرنے لگے گا' یہی مقام' مقام محمود ہے - پھر میں ان سب کو لے کر جنت کی طرف آؤں گا' جنت کا دروازہ کھلواؤں گا اور وہ میرے لئے اور ان کے لئے کھول دیا جائے گا - پھر انہیں ایک نہر کی طرف لے جائیں گے جس کا نام نہر الحیوان ہے' اس کے دونوں کناروں پر سونے کے محل ہیں جو یاقوت سے جڑاؤ کئے گئے ہیں' پھر وہ لوگ اس میں غسل کریں گے جس سے جنتی رنگ اور جنتی خوشبو ان میں پیدا ہو جائے گی اور چمکتے ہوئے ستاروں جیسے وہ نورانی ہو جائیں گے - ہاں ان کے سینوں پر سفید نشان باقی رہ جائیں گے' جس سے وہ پہچانے جائیں گے انہیں مساکین اہل جنت کہا جائے گا -

وَنَادٰۤى اَصۡحٰبُ النَّارِ اَصۡحٰبَ الۡجَـنَّةِ اَنۡ اَفِيۡضُوۡا عَلَيۡنَا مِنَ الۡمَآءِ اَوۡ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ‌ ؕ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ۙ﴿۵۰﴾ الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا دِيۡنَهُمۡ لَهۡوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتۡهُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا‌ ۚ فَالۡيَوۡمَ نَـنۡسٰٮهُمۡ كَمَا نَسُوۡا لِقَآءَ يَوۡمِهِمۡ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَجۡحَدُوۡنَ ﴿۵۱﴾

دوزخی لوگ جنتیوں کو پکار کر کہیں گے کہ ہم پر تھوڑا سا پانی ہی بہا دو یا جو کچھ اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے ہی کچھ دیدو؟ وہ جواب دیں گے کہ یہ دونوں چیزیں اللہ نے کافروں پر حرام کر دی ہیں ○ جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا تھا اور جنہیں دنیا کی زندگی نے دھوکا دے رکھا تھا' پس آج ہم انہیں قصداً بھلا دیں گے جیسے کہ انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلا رکھا تھا اور ہماری آیات سے انکار کرتے تھے ○

جیسی کرنی ویسی بھرنی: ☆☆ (آیت: ۵۰-۵۱) دوزخیوں کی ذلت وخواری اور ان کا بھیک مانگنا اور ڈانٹ دیا جانا بیان ہو رہا ہے' کہ وہ جنتیوں سے پانی یا کھانا مانگیں گے اور اپنے نزدیک کے رشتے کنبے والے جیسے باپ' بیٹے' بھائی' بہن وغیرہ سے کہیں گے کہ ہم جل

بھن رہے ہیں' بھوکے پیاسے ہیں' ہمیں ایک گھونٹ پانی یا ایک لقمہ کھانا دے دو' جنتی بحکم الٰہی انہیں جواب دیں گے کہ یہ سب کچھ کفار پر حرام ہے۔ ابن عباسؓ سے سوال ہوتا ہے کہ کس چیز کا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا حضورؐ کا ارشاد ہے کہ سب سے افضل خیرات پانی ہے' دیکھو جہنمی اہل جنت سے اسی کا سوال کریں گے۔ مروی ہے کہ جب ابوطالب موت کی بیماری میں مبتلا ہوا تو قریشیوں نے اس سے کہا' کسی کو بھیج کر اپنے بھتیجے سے کہلواؤ کہ وہ تمہارے پاس جنتی انگور کا ایک خوشہ بھجوا دے تاکہ تیری بیماری جاتی رہے' جس وقت قاصد حضورؐ کے پاس آتا ہے' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے پاس موجود تھے' یہ سنتے ہی فرمانے لگے' اللہ نے جنت کی کھانے پینے کی چیزیں کافروں پر حرام کر دی ہیں پھر ان کی بدکرداری بیان فرمائی کہ یہ لوگ دین حق کو ایک ہنسی کھیل سمجھے ہوئے تھے' دنیا کی زینت اور اس کے بناؤ چناؤ میں ہی عمر بھر مشغول رہے۔ یہ چونکہ اس دن کو بھول گئے تھے' اس کے بدلے ہم بھی ان کے ساتھ ایسا معاملہ کریں گے جو کسی بھول جانے والے کا معاملہ ہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ بھولنے سے پاک ہے' اس کے علم سے کوئی چیز نکل نہیں سکتی۔ فرماتا ہے لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَى نہ وہ بہکے نہ بھولے۔

یہاں جو فرمایا' یہ صرف مقابلہ کے لئے ہے جیسے فرمان ہے نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ اور جیسے دوسری آیت میں ہے كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى فرمان ہے اَلْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا تیرے پاس ہماری نشانیاں آئی تھیں جنہیں تو بھلا بیٹھا تھا' اسی طرح آج تجھے بھی بھلا دیا جائے گا وغیرہ۔ پھر یہ بھلائیوں سے بالقصد بھلا دیئے جائیں گے۔ ہاں برائیاں اور عذاب برابر ہوتے رہیں گے' انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلایا' ہم نے انہیں آگ میں چھوڑا' رحمت سے دور کیا' جیسے یہ عمل سے دور تھے صحیح حدیث میں ہے' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندے سے فرمائے گا' کیا میں نے تجھے بیوی بچے نہیں دیئے تھے؟ کیا عزت و آبرو نہیں دی تھی؟ کیا گھوڑے اور اونٹ تیرے مطیع نہیں کئے تھے؟ اور کیا تجھے قسم قسم کی راحتوں میں آزاد نہیں رکھا تھا؟ بندہ جواب دے گا کہ ہاں پروردگار بے شک تو نے ایسا ہی کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' پھر کیا تو میری ملاقات پر ایمان رکھتا تھا؟ وہ جواب دے گا کہ نہیں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا' پس میں بھی آج تجھے ایسا ہی بھول جاؤں گا جیسے تو مجھے بھول گیا تھا۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع ۶

ہم ان کے پاس کتاب لائے جس کی تفصیل ہم نے علم سے کی' ان لوگوں کی رہنمائی اور ان پر مہربانی کے لئے جو ایمان لاتے ہیں ○ یہ تو اس کی حقیقت کے ظاہر ہونے کا ہی انتظار کر رہے ہیں' جس دن اس کی حقیقت آ جائیگی تو اس سے پہلے جو اسے بھولے ہوئے تھے' وہ کہنے لگیں گے کہ بیشک ہمارے رب کے رسول ہمارے پاس حق لائے تھے' کیا اب یہ ممکن ہے کہ ہمارے سفارشی ہوں جو ہماری سفارش کریں' یا ہو سکتا ہے کہ ہم پھر سے لوٹائے جائیں اور جو عمل ہم کرتے رہے' ان کے سوا

اور اعمال کریں' یقیناً انہوں نے اپنا نقصان آپ کیا اور ان سے ان کا باندھا ہوا جھوٹ وافترا کھو گیا ○

آخری حقیقت جنت اور دوزخ کا مشاہدہ: ☆☆ (آیت:۵۲-۵۳) اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے تمام عذر ختم کر دیئے تھے اپنے رسولوں کی معرفت اپنی کتاب بھیجی جو مفصل اور واضح تھی۔ جیسے فرمان ہے کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ الخ اس قرآن کی آیاتمضبوط اور تفصیل وار ہیں' پھر اس کی جو تفصیل ہے' وہ بھی علم پر ہے جیسے فرمان ہے اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ اسے اپنے علم کے ساتھ اتارا ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' یہ آیت اسی آیت پر جاتی ہی جس میں فرمان ہے کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْكَ فَلَا یَكُنْ فِیْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ الخ یہ کتاب تیری طرف نازل فرمائی گئی ہے' پس اس سے تیرے سینے میں کوئی حرج نہ ہونا چاہئے۔ یہاں فرمایا وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ الخ لیکن یہ محل نظر ہے اس لئے کہ فاصلہ بہت ہے اور یہ قول بے دلیل ہے۔ درحقیقت جب ان کے اس خسارے کا ذکر ہوا جو انہیں آخرت میں ہوگا' تو بیان فرمایا کہ دنیا میں ہی ہم نے تو اپنا پیغام پہنچا دیا تھا' رسول بھی کتاب بھی۔ جیسے ارشاد ہے کہ جب تک ہم رسول نہ بھیج دیں' عذاب نہیں کرتے اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا۔ کہ انہیں تو اب جنت اور دوزخ کے اپنے سامنے آنے کا انتظار ہے' یا یہ مطلب کہ اس کی حقیقت یکے بعد دیگرے روشن ہوتی رہے گی یہاں تک کہ آخری حقیقت یعنی جنت دوزخ ہی سامنے آ جائیں گی اور ہر ایک اپنے لائق مقام میں پہنچ جائے گا۔ قیامت والے دن یہ واقعات رونما ہو جائیں گے' اب جو سن رہے ہیں' اس وقت دیکھ لیں گے۔ اس وقت اسے فراموش کر کے بیٹھ رہنے والے عمل سے کورے لوگ مان لیں گے کہ بے شک اللہ کے انبیاء سچے تھے' رب کی کتابیں برحق تھیں' کاش اب کوئی ہمارا سفارشی کھڑا ہو اور ہمیں اس ہلاکت سے نجات دلائے' یا ایسا ہو کہ ہم پھر سے دنیا کی طرف لوٹا دیئے جائیں تو جو کام کئے تھے' اب اس کے خلاف کریں۔

جیسے فرمان ہے وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ وُقِفُوْا عَلَی النَّارِ الخ' کاش کہ ہم پھر دنیا میں لوٹائے جاتے' اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلاتے اور مومن بن جاتے' اس سے پہلے جو وہ چھپا رہے تھے' اب ظاہر ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ دوبارہ دنیا میں بھیجے بھی جائیں تو جس چیز سے روکے جائیں گے' وہی دوبارہ کریں گے اور جھوٹے ثابت ہوں گے انہوں نے آپ ہی اپنا برا کیا' اللہ کے سوا اوروں سے امیدیں رکھتے رہے' آج سب باطل ہو گئیں نہ کوئی ان کا کوئی سفارشی ہے اور نہ کوئی حمایتی۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ
اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ
یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ
بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۵۴﴾

لوگو! بے شک تم سب کا پالنے والا وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا' پھر عرش پر بیٹھا' وہی رات پر دن کو اوڑھا دیتا ہے اور رات دن کو جلدی جلدی طلب کرتی آتی ہے' اسی نے آفتاب' مہتاب اور ستاروں کو پیدا کیا کہ یہ سب اس کے فرمان کے ماتحت ہیں' یاد رکھو پیدائش بھی اسی کی اور فرمانروائی بھی' بڑا ہی برکتوں والا ہے وہ اللہ جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء: ☆☆ (آیت:۵۴) بہت سی آیات میں یہ بیان ہوا کہ آسمان وزمین اور کل مخلوق اللہ تعالیٰ نے چھ دن میں بنائی ہے یعنی اتوار سے جمعہ تک۔ جمعہ کے دن ساری مخلوق پیدا ہو چکی' اسی دن حضرت آدمؑ پیدا ہوئے' یا تو یہ دن دنیا کے معمولی دنوں کے برابر ہی تھے

جیسے کہ آیت کے ظاہری الفاظ سے فی الفور سمجھا جاتا ہے یا ہر دن ایک ہزار سال کا تھا جیسے کہ حضرت مجاہدؒ کا قول ہے اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا فرمان ہے اور بروایت ضحاک ابن عباسؓ کا قول ہے ہفتہ کے دن کوئی مخلوق پیدا نہیں ہوئی' اسی لئے اس کا نام عربی میں یوم السبت ہے' سبت کے معنی قطع کرنے' ختم کرنے کے ہیں۔

ہاں مسند احمد' نسائی اور صحیح مسلم میں جو حدیث ہے کہ اللہ نے مٹی کو ہفتہ کے دن پیدا کیا اور پہاڑوں کو اتوار کے دن اور درختوں کو پیر کے دن اور برائیوں کو منگل کے دن اور نور کو بدھ کے دن اور جانوروں کو جمعرات کے دن اور آدمؑ کو جمعہ کے دن عصر کے بعد دن کی آخری گھڑی میں عصر سے لے کر مغرب تک' حضورؐ نے حضرت ابو ہریرہؓ کا ہاتھ پکڑ کر یہ گنوایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سات دن تک پیدائش کا سلسلہ جاری رہا حالانکہ قرآن میں موجود ہے کہ چھ دن میں پیدائش ختم ہوئی۔ اسی وجہ سے امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ زبردست حفاظ حدیث نے اس حدیث پر کلام کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ عبارت حضرت ابو ہریرہؓ نے کعب احبار سے لی ہے۔ فرمان رسولؐ نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے کہ وہ اپنے عرش پر مستوی ہوا۔ اس پر لوگوں نے بہت کچھ چہ میگوئیاں کی ہیں' جنہیں تفصیل سے بیان کرنے کی یہ جگہ نہیں۔ مناسب یہی ہے کہ اس مقام میں سلف صالحین کی روش اختیار کی جائے۔ جیسے امام مالک' امام اوزاعی' امام ثوری' امام لیث' امام شافعی' امام احمد' امام اسحاق بن راہویہ وغیرہ وغیرہ ائمہ سلف وخلف رحمہم اللہ۔ ان سب بزرگان دین کا مذہب یہی تھا کہ جیسی یہ آیت ہے' اسی طرح اسے رکھا جائے' بغیر کیفیت کے' بغیر تشبیہ کے اور بغیر مہمل چھوڑنے کے' ہاں تشبیہ دینے والوں کے ذہنوں میں جو چیز آ رہی ہے' اس سے اللہ تعالیٰ پاک اور بہت دور ہے' اللہ کے مشابہ اس کی مخلوق میں سے کوئی نہیں۔ فرمان ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ اس کے مثل کوئی نہیں اور وہ سننے دیکھنے والا ہے۔ بلکہ حقیقت یہی ہے جو ائمہ کرام رحمتہ اللہ علیہم نے فرمائی ہے۔ انہی میں سے حضرت نعیم بن حماد خزاعی رحمتہ اللہ علیہ ہیں' آپ حضرت امام بخاریؒ کے استاد ہیں' فرماتے ہیں' جو شخص اللہ کو مخلوق سے تشبیہ دے' وہ کافر ہے اور جو شخص اللہ کے اس وصف سے انکار کرے جو اس نے اپنی ذات پاک کے لئے بیان فرمایا ہے' وہ بھی کافر ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے اور رسول اللہ ﷺ نے جو اوصاف ذات باری تعالیٰ جل شانہ کے بیان فرمائے ہیں' ان میں ہرگز تشبیہ نہیں۔ پس صحیح ہدایت کے راستے پر وہی ہے جو آثار صحیحہ اور اخبار صریحہ سے جو اوصاف رب العزت وحدہ لاشریک لہ کے ثابت ہیں' انہیں اسی طرح جانے جو اللہ کی جلالت شان کے شایان ہے اور ہر عیب ونقصان سے اپنے رب کو پاک اور مبرا ومنزہ سمجھے۔

پھر فرمان ہے کہ رات کا اندھیرا دن کے اجالے سے اور دن کا اجالا رات کے اندھیرے سے دور ہو جاتا ہے' ہر ایک دوسرے کے پیچھے لپکا چلا آتا ہے' یہ گیا' وہ آیا' وہ گیا' یہ آیا۔ جیسے فرمایا وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ الخ' ان کے سمجھنے کے لئے ہماری ایک نشانی رات ہے کہ اس میں سے ہم دن کو نکالتے ہیں جس سے یہ اندھیرے میں آ جاتے ہیں اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف برابر جا رہا ہے' یہ ہے اندازہ اللہ کا مقرر کیا ہوا جو غالب اور باعلم ہے۔ اور ہم نے چاند کی بھی منزلیں ٹھہرا دی ہیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی ٹہنی جیسا ہو کر رہ جاتا ہے۔ نہ آفتاب ماہتاب سے آگے نکل سکتا ہے نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے' سب کے سب اپنے اپنے مدار میں تیرتے پھرتے ہیں۔ رات دن میں کوئی فاصلہ نہیں' ایک کا جانا ہی دوسرے کا آ جانا ہے' ہر ایک دوسرے کے برابر پیچھے ہے وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ کو بعض نے پیش سے بھی پڑھا ہے۔ معنی مطلب دونوں صورت میں قریب قریب برابر ہے۔ یہ سب اللہ کے زیر فرمان' اس کے ماتحت اور اس کی ارادے میں ہیں' ملک اور تصرف اسی کا ہے' وہ برکتوں والا اور تمام جہان کا پالنے والا ہے فرمان

ہے تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا الخ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جس کسی نے کسی نیکی پر اللہ کی حمد نہ کی بلکہ اپنے نفس کو سراہا' اس نے کفر کیا اور اس کے اعمال غارت ہوئے اور جس نے یہ عقیدہ رکھا کہ اللہ نے کچھ اختیارات اپنے بندوں کو بھی دیئے ہیں تو اس نے اس کے ساتھ کفر کیا جو اللہ نے اپنے نبیوں پر نازل فرمایا ہے کیونکہ اس کا فرمان ہے اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ الخ (ابن جریر)

ایک مرفوع دعا رسول اللہ ﷺ کی یہ بھی مروی ہے کہ آپ فرماتے تھے اللهم لك الملك كله ولك الحمد كله واليك يرجع الامر كله اسألك من الخير كله واعوذبك من الشر كله یا اللہ سارا ملک تیرا ہی ہے' سب حمد تیرے لئے ہی ہے' سب کام تیری ہی طرف لوٹتے ہیں' میں تجھ سے تمام بھلائیاں طلب کرتا ہوں اور ساری برائیوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۚ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

اپنے رب کی عبادت کرو عاجزی سے اور چھپا کر' بیشک وہ حد سے گذر جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ اس کی اصلاح کے بعد اور اس کی عبادت کرو ڈر اور لالچ کے ساتھ' بے شک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں سے بہت نزدیک ہے ○

انسان دعا مانگے قبول ہوگی: ☆☆ (آیت: ۵۵-۵۶) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دعا کی ہدایت کرتا ہے جس میں ان کی دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔ فرماتا ہے کہ اپنے پروردگار کو عاجزی' مسکینی اور آہستگی سے پکارو جیسے فرمان ہے وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ الخ' اپنے رب کو اپنے نفس میں یاد کر۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے دعا میں اپنی آوازیں بہت بلند کر دیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' لوگو اپنی جانوں پر رحم کرو' تم کسی بہرے کو یا غائب کو نہیں پکار رہے' جسے تم پکار رہے ہو' وہ بہت سننے والا اور بہت نزدیک ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ پوشیدگی مراد ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' تَضَرُّعًا کے معنی ذلت اور مسکینی اور اطاعت گذاری کے ہیں اور خفية کے معنی دلوں کے خشوع وخضوع سے' یقین کی صحت سے' اس کی وحدانیت اور ربوبیت کا اس کے اور اپنے درمیان یقین رکھتے ہوئے پکارو' نہ کہ ریاکاری کے ساتھ بہت بلند آواز سے۔ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ لوگ حافظ قرآن ہوتے تھے اور کسی کو معلوم بھی نہیں ہوتا تھا' لوگ بہت بڑے فقیہہ ہو جاتے تھے اور کوئی جانتا بھی نہ تھا' لوگ لمبی لمبی نمازیں اپنے گھروں میں پڑھتے تھے اور مہمانوں کو بھی پتہ نہ چلتا تھا' یہ وہ لوگ تھے کہ جہاں تک ان کے بس میں ہوتا تھا اپنی کسی نیکی کو لوگوں پر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے' پوری کوشش سے دعائیں کرتے تھے' لیکن اس طرح جیسے کوئی سرگوشی کر رہا ہو' یہ نہیں کہ چیخیں چلائیں یہی فرمان رب ہے کہ اپنے رب کو عاجزی اور آہستگی سے پکارو۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نیک بندے کا ذکر کیا جس سے وہ خوش تھا کہ اس نے اپنے رب کو خفیہ طور پر پکارا۔ امام ابن جریجؒ فرماتے ہیں' دعا میں بلند آواز' ندا اور چیخنے کو مکروہ سمجھا جاتا تھا بلکہ گریہ وزاری اور آہستگی کا حکم دیا جاتا تھا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' دعا وغیرہ میں حد سے گزر جانے والوں کو اللہ دوست نہیں رکھتا۔

ابومجلز کہتے ہیں مثلاً اپنے لئے نبی بن جانے کی دعا کرنا وغیرہ۔ حضرت سعد نے سنا کہ ان کا لڑکا اپنی دعا میں کہہ رہا ہے کہ اے اللہ میں تجھ سے جنت اور اس کی نعمتیں اور اس کے ریشم و حریر وغیرہ وغیرہ طلب کرتا ہوں۔ اور جہنم' اس کی زنجیروں اور اس کے طوق وغیرہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ تو حضرت سعد نے فرمایا تو نے اللہ سے بہت سی بھلائیاں طلب کیں اور بہت سی برائیوں سے پناہ چاہی' میں نے رسول اللہ ﷺ

سے سنا ہے' آپ فرماتے تھے کہ عنقریب کچھ لوگ ہوں گے جو دعا میں حد سے گزر جایا کریں گے- ایک سند سے مروی ہے کہ وہ دعا مانگنے میں اور وضو کرنے میں حد سے نکل جائیں گے- پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا تجھے اپنی دعا میں یہی کہنا کافی ہے کہ اے اللہ میں تجھ سے جنت اور جنت سے قریب کرنے والے قول و فعل کی توفیق طلب کرتا ہوں اور جہنم اور اس سے نزدیک کرنے والے قول و فعل سے تیری پناہ چاہتا ہوں (ابوداؤد)

ابن ماجہ وغیرہ میں ہے' ان کے صاحبزادے اپنی دعا میں یہ کہہ رہے تھے کہ یا اللہ جنت میں داخل ہونے کے بعد جنت کی دائیں جانب کا سفید رنگ کا عالیشان محل میں تجھ سے طلب کرتا ہوں پھر زمین پر امن و امان کے بعد فساد کرنے کو منع فرما رہا ہے کیونکہ اس وقت کا فساد خصوصیت سے زیادہ برائیاں پیدا کرتا ہے- پس اللہ اسے حرام قرار دیتا ہے اور اپنی عبادت کرنے کا' دعا کرنے کا' مسکینی اور عاجزی کرنے کا حکم دیتا ہے کہ اللہ کو اس کے عذابوں سے ڈر کر اور اس کی نعمتوں کے امیدوار بن کر پکارو- اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے سروں پر منڈلا رہی ہے' جو اس کے احکام بجا لاتے ہیں' اس کے منع کردہ کاموں سے باز رہتے ہیں جیسے فرمایا وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ یوں تو میری رحمت تمام چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے لیکن میں اسے مخصوص کر دوں گا پرہیزگار لوگوں کے لئے- چونکہ رحمت ثواب کی ضامن ہوتی ہے' اس لئے قریب کہا قریبۃ نہ کہا یا اس لئے کہ وہ اللہ کی طرف مضاف ہے- انہوں نے اللہ کے وعدوں کا سہارا لیا- اللہ نے اپنا فیصلہ کر دیا کہ اس کی رحمت بالکل قریب ہے-

وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًاۢ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤى
اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ
الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى
لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۵۷ وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ
رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ
لِقَوْمٍ یَّشْكُرُوْنَ ۝۵۸ ع ۷/۱۴

وہ ہے جو باراں رحمت سے پہلے خوش خبری دینے والی ہوائیں چلاتا ہے' یہاں تک کہ جب وہ بوجھل بادلوں کو اٹھا لاتی ہیں تو ہم اسے کسی مردہ شہر کی طرف سے لے جاتے ہیں' پھر ہم اس میں سے پانی اتارتے ہیں اور اس میں سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں' اسی طرح مردوں کو بھی نکالیں گے تاکہ تم غور و فکر کرو- پاک شہر کی تو پیداوار اس کے رب کے حکم سے نکلتی ہے اور جو خراب ہے اس میں سے ناقص ہی نکلتی ہے' اسی طرح ہم طرح طرح سے اپنی دلیلیں ان کے سامنے بیان کرتے ہیں جو شکر گزار ہیں ○

تمام مظاہر قدرت اس کی شان کے مظہر ہیں: ☆☆ (آیت: ۵۷-۵۸) اوپر بیان ہوا کہ زمین و آسمان کا خالق اللہ ہے سب پر قبضہ رکھنے والا' حاکم' تدبیر کرنے والا' مطیع اور فرمانبردار رکھنے والا اللہ ہی ہے- پھر دعائیں کرنے کا حکم دیا کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے- اب یہاں بیان ہو رہا ہے کہ رزاق بھی وہی ہے اور قیامت کے دن مردوں کو زندہ کر دینے والا بھی وہی ہے- پس فرمایا کہ بارش سے پہلے بھینی بھینی خوشگوار ہوائیں وہی چلاتا ہے بُشْرًا کی دوسری قرات مُبَشِّرَاتٍ بھی ہے- رحمت سے مراد یہاں بارش ہے جیسے فرمان ہے وَهُوَ

الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْ بَعْدِ مَاقَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ وہ ہے جو لوگوں کی نا امیدی کے بعد بارش اتارتا ہے اور اپنی رحمت کی ریل پیل کر دیتا ہے' وہ والی ہے اور قابل تعریف۔ ایک اور آیت میں ہے' رحمت رب کے آثار دیکھو کہ کس طرح مردہ زمین کو وہ جلا دیتا ہے' وہی مردہ انسانوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ بادل جو پانی کی وجہ سے بوجھل ہو رہے ہیں' انہیں یہ ہوائیں اٹھالے چلتی ہیں' یہ زمین سے بہت قریب ہوتے ہیں اور سیاہ ہوتے ہیں۔

چنانچہ حضرت زید بن عمرو بن نفیل رحمہ اللہ کے شعروں میں ہے' میں اس کا مطیع ہوں جس کے اطاعت گزار میٹھے اور صاف پانی کے بھرے ہوئے بادل ہیں اور جس کے تابع فرمان بھاری بوجھل پہاڑوں والی زمین ہے۔ پھر ہم ان بادلوں کو مردہ زمین کی طرف لے چلتے ہیں جس میں کوئی سبزہ نہیں' خشک اور بنجر ہے جیسے آیت وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ میں بیان ہوا ہے۔ پھر اس سے پانی برسا کر اسی غیر آباد زمین کو سرسبز بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح ہم مردوں کو زندہ کر دیں گے حالانکہ وہ بوسیدہ ہڈیاں اور پھر ریزہ ریزہ ہو کر مٹی میں مل گئے ہوں گے' قیامت کے دن ان پر اللہ عزوجل بارش برسائے گا' چالیس دن تک برابر برستی رہے گی جس سے جسم قبروں میں اگنے لگیں گے جیسے دانہ زمین پر اگتا ہے' یہ بیان قرآن کریم میں کئی جگہ ہے۔ قیامت کی مثال بارش کی پیداوار سے دی جاتی ہے۔ پھر فرمایا' یہ تمہاری نصیحت کے لئے ہے۔ اچھی زمین میں سے پیداوار عمدہ بھی نکلتی ہے اور جلدی بھی' جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَّاَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا اور جو زمین خراب ہے جیسے' سنگلاخ زمین' شور زمین وغیرہ اس کی پیداوار بھی ویسی ہی ہوتی ہے' یہی مثال مومن و کافر کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جس علم و ہدایت کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا ہے' اس کی مثال ایسی ہے جیسے زمین پر بہت زیادہ بارش ہوئی' زمین کے ایک صاف عمدہ ٹکڑے نے تو پانی قبول کیا' گھاس اور چارہ بہت سا اس میں سے نکلا' ان میں بعض ٹکڑے ایسے بھی تھے جن میں پانی جمع ہو گیا اور وہاں رک گیا پس اس سے بھی لوگوں نے فائدہ اٹھایا' پیا اور پلایا' کھیتیاں کیں' باغات تازہ کئے۔ زمین کے جو چٹیل سنگلاخ ٹکڑے تھے' ان پر بھی وہ پانی برسا لیکن نہ تو وہاں رکا نہ وہاں کچھ اگا' یہی مثال اس کی ہے جس نے دین حق کی سمجھ پیدا کی اور میری بعثت سے اس نے فائدہ اٹھایا' خود سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے سر ہی نہ اٹھایا اور اللہ کی وہ ہدایت ہی نہ لی جو میری معرفت بھیجی گئی۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾

ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو اس نے کہا' اے میری قوم کے لوگو تم اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' مجھے تو تم پر بڑے دن کے عذاب کا ڈر

ہے ○ اس کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم تجھے بالکل کھلی گمراہی میں دیکھ رہے ہیں ○ اس نے کہا' اے میری قوم مجھے کوئی گمراہی نہیں بلکہ میں تو رب العالمین کا رسول ہوں ○ تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچا رہا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں اور اللہ کی وہ باتیں میں جانتا ہوں جن سے تم محض بے خبر ہو ○

پھر تذکرہ انبیاء : ☆☆ (آیت:۵۹-۶۲) چونکہ سورت کے شروع میں حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا تھا' پھر اس کے متعلقات بیان ہوئے اور اس کے متصل اور بیانات فرما کر اب پھر اور انبیاء علیہم السلام کے واقعات کے بیان کا آغاز ہوا اور پے در پے ان کے بیانات ہوئے۔ سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہوا کیونکہ آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے پیغمبر اہل زمین کی طرف آپ ہی آئے تھے۔ آپ نوح بن لامک بن متوشلخ بن خنوخ (یعنی ادریس علیہ السلام' یہی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے قلم سے لکھا) بن برد بن مہلیل بن قنین بن یانش بن شیث بن آدم علیہ السلام۔

ائمہ نسب جیسے امام محمد بن اسحاقؒ وغیرہ نے آپ کا نسب نامہ اسی طرح بیان فرمایا ہے' امام صاحب فرماتے ہیں' حضرت نوحؑ جیسا کوئی اور نبی امت کی طرف سے نہیں ستایا گیا' ہاں انبیاء قتل ضرور کیے گئے' انہیں نوح اسی لئے کہا گیا کہ یہ اپنے نفس کا رونا بہت روتے تھے۔ حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے درمیان دس زمانے تھے جو اسلام پر گزرے تھے۔ اصنام پرستی کا رواج اسی طرح شرع ہوا کہ جب اولیاء اللہ فوت ہو گئے تو ان کی قوم نے ان کی قبروں پر مسجدیں بنالیں اور ان میں ان بزرگوں کی تصویریں بنالیں تاکہ ان کا حال اور ان کی عبادت کا نقشہ سامنے رہے اور اپنے آپ کو ان جیسا بنانے کی کوشش کریں' لیکن کچھ زمانے کے بعد ان تصویروں کے مجسمے بنالئے' کچھ اور زمانے کے بعد انہی بتوں کو پوجا کرنے لگے اور ان کے نام انہی اولیاء اللہ کے ناموں پر رکھ لئے' وَدّ' سواع' یغوث' یعوق' نسر وغیرہ جب بت پرستی کا رواج ہو گیا' اللہ نے اپنے رسول حضرت نوحؑ کو بھیجا' آپ نے انہیں اللہ واحد کی عبادت کی تلقین کی اور کہا' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں قیامت کے دن تمہیں عذاب نہ ہو۔ قوم نوح کے بڑوں نے' ان کے سرداروں نے اور ان کے چودھریوں نے حضرت نوحؑ کو جواب دیا کہ تم تو بہک گئے ہو' ہمیں اپنے باپ دادا کے دین سے ہٹا رہے ہو۔ ہر بد شخص نیک لوگوں کو گمراہ سمجھا کرتا ہے۔ قرآن میں ہے کہ جب یہ بدکار ان نیک کاروں کو دیکھتے ہیں' کہتے ہیں کہ یہ تو بہکے ہوئے ہیں' کہا کرتے تھے کہ اگر یہ دین اچھا ہوتا تو ان سے پہلے ہم نہ مان لیتے؟ یہ تو بات ہی غلط اور جھوٹ ہے۔ حضرت نوح نبی علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں بہکا ہوا نہیں ہوں' بلکہ میں اللہ کا رسول ہوں تمہیں پیغام رب پہنچا رہا ہوں' تمہارا خیر خواہ ہوں اور اللہ کی وہ باتیں جانتا ہوں جنہیں تم نہیں جانتے۔ ہر رسول مبلغ' فصیح' بلیغ' ناصح' خیر خواہ اور عالم باللہ ہوتا ہے' ان صفات میں اور کوئی ان کی ہمسری اور برابری نہیں کر سکتا۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ اے لوگو! تم میری بابت اللہ کے ہاں پوچھے جاؤ گے تو بتاؤ کیا جواب دو گے؟ سب نے کہا' ہم کہیں گے کہ آپ نے تبلیغ کر دی تھی اور حق رسالت ادا کر دیا تھا اور پوری خیر خواہی کی تھی' پس آپ نے اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور پھر نیچے زمین کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا' یا اللہ تو گواہ رہ' اے اللہ تو شاہد رہ' یا اللہ تو گواہ رہ۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ
مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ
فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِى الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ ع ۸ ۱۵

کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تم میں سے ایک شخص پر تمہارے رب کی طرف سے ارشاد و پند نازل ہوئی کہ وہ تمہیں آگاہ کر دے تاکہ تم غضب اللہ سے بچ جاؤ اور تم پر رحم کیا جائے ○ پس انہوں نے اسے جھٹلایا' آخرش ہم نے اسے نجات بخشی اور اس کی کشتی کے ساتھیوں کو بھی اور ہماری آیتوں کو جھٹلانے والوں کو ڈبو دیا' وہ تھے ہی نابینا لوگ ○

نوح علیہ السلام پر کیا گزری؟ ☆☆ (آیت: ۶۳-۶۴) حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم سے فرما رہے ہیں کہ تم اس بات کو انوکھا اور تعجب والا نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے کسی انسان پر اپنی وحی نازل فرمائے اور اسے اپنی پیغمبری سے ممتاز کر دے تاکہ وہ تمہیں ہوشیار کر دے' پھر تم شرک و کفر سے الگ ہو کر عذاب الٰہی سے نجات پالو اور تم پر گوناگوں رحمتیں نازل ہوں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی ان دلیلوں اور وعظوں نے ان سنگدلوں پر کوئی اثر نہ کیا' یہ انہیں جھٹلاتے رہے' مخالفت سے باز نہ آئے' ایمان قبول نہ کیا' صرف چند لوگ سنور گئے۔ پس ہم نے ان نیک لوگوں کو اپنے نبی کے ساتھ کشتی میں بٹھا کر طوفان سے نجات دی اور باقی لوگوں کو تہہ آب غرق کر دیا۔ جیسے سورۂ نوح میں فرمایا ہے کہ وہ اپنے گناہوں کے باعث غرق کر دیئے گئے' پھر دوزخ میں ڈال دیئے گئے اور کوئی ایسا نہیں تھا جو ان کی کسی قسم کی مدد کرتا' یہ لوگ حق سے آنکھیں بند کئے ہوئے تھے' نابینا ہو گئے تھے' راہ حق کو وہ آخر تک نہ پہچان سکے۔ پس اللہ نے اپنے نبیؑ کو' اپنے دوستوں کو نجات دی' اپنے اور ان کے دشمنوں کو تہہ آب برباد کر دیا' جیسے اس کا وعدہ ہے کہ ہم اپنے رسولوں کی اور ایمانداروں کی ضرور مدد فرمایا کرتے ہیں۔ دنیا میں ہی نہیں بلکہ آخرت میں بھی وہ ان کی امداد کرتا ہے' ان پرہیزگاروں کے لئے ہی عافیت ہے' انجام کار غالب اور مظفر و منصور یہی رہتے ہیں' جیسے کہ نوح علیہ السلام آخر کار غالب رہے اور کافر ناکام و نامراد ہوئے' یہ لوگ تنگ پکڑ میں آ گئے اور غارت کر دیئے گئے صرف اللہ کے رسولؐ کے اسی (۸۰) آدمیوں نے نجات پائی۔ ان ہی میں ایک صاحب جرہم نامی تھے جن کی زبان عربی تھی۔ ابن ابی حاتم میں یہ روایت حضرت ابن عباسؓ سے متصلاً مروی ہے۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝٦٥ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝٦٦ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٦٧ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ۝٦٨ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَاۗءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰي رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ۭ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝٦٩

عادیوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا جس نے کہا کہ اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں' کیا تم ڈرتے نہیں

ہو؟ ○ اس کی قوم کے کافر سرداروں نے جواب دیا کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ تو نری بیوقوفی میں ہے اور ہمارے خیال میں تو' تو ہے ہی جھوٹے لوگوں میں سے ○ ہود نے کہا' میری قوم کے لوگو! مجھ میں کوئی بیوقوفی نہیں بلکہ میں تو تمام جہان کے پروردگار کا بھیجا ہوا ہوں ○ تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچا رہا ہوں اور ہوں بھی تمہارا دلی' خیر خواہ اور امانت دار ہوں ○ کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو؟ کہ تم میں سے ایک کی معرفت ذکر اللہ تم تک پہنچا دی کہ وہ تمہیں ہوشیار کر دے؟ تم اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تمہیں قوم نوح کے بعد خلیفہ بنایا اور رتن و توش کا پھیلاؤ بھی تم کو زیادہ دیا' پس تم اللہ کے احسانات یاد رکھو تا کہ تم فلاح و نجات پاؤ ○

ہود علیہ السلام اور ان کا رویہ! ☆☆ (آیت:۶۵-۶۹) فرماتا ہے کہ جیسے قوم نوح کی طرف حضرت نوحؑ کو ہم نے بھیجا تھا قوم عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو ہم نے نبی بنا کر بھیجا' یہ لوگ عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح کی اولاد تھے' یہ عاد اولیٰ ہیں' یہ جنگل میں ستونوں میں رہتے تھے۔ فرمان ہے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِىْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِى الْبِلَادِ یعنی کیا تو نے نہیں دیکھا کہ عاد ارم کے ساتھ تیرے رب نے کیا کیا؟ جو بلند قامت تھے' دوسرے شہروں میں جن کی مانند لوگ پیدا ہی نہیں کئے گئے' یہ لوگ بڑے قوی' طاقتور اور لانبے چوڑے قد کے تھے' جیسے فرمان ہے کہ عادیوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور نعرہ لگایا کہ ہم سے زیادہ قوی کون ہے؟ کیا انہیں اتنی بھی تمیز نہیں کہ ان کا پیدا کرنے والا یقیناً ان سے زیادہ طاقت والا ہے' وہ ہماری آیتوں سے انکار کر بیٹھے' ان کے شہر یمن میں احقاف تھے' یہ ریتلے پہاڑ تھے۔

حضرت علیؓ نے حضر موت کے ایک شخص سے کہا کہ تو نے ایک سرخ ٹیلہ دیکھا ہو گا جس میں سرخ رنگ کی راکھ جیسی مٹی ہے' اس کے آس پاس پیلو اور بیری کے درخت بکثرت ہیں' وہ ٹیلہ فلاں جگہ حضر موت میں ہے' اس نے کہا امیر المومنین آپ تو اس طرح کے نشان بتا رہے ہیں گویا آپ نے بچشم خود دیکھا ہے' آپ نے فرمایا' نہیں دیکھا تو نہیں' لیکن ہاں مجھ تک حدیث پہنچی ہے کہ وہیں حضرت ہود علیہ السلام کی قبر ہے' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی بستیاں یمن میں تھیں' اسی لئے ان کے پیغمبرؑ وہیں مدفون ہیں' آپ ان سب میں شریف قبیلے کے تھے۔ اس لئے انبیاء ہمیشہ حسب نسب کے اعتبار سے عالی خاندان میں ہی ہوتے رہے ہیں' لیکن آپ کی قوم جس طرح جسمانی طور پر سخت اور زور دار تھی' اسی طرح دلوں کے اعتبار سے بھی بہت سخت تھی۔ جب اپنے نبی کی زبانی اللہ کی عبادت اور تقویٰ کی نصیحت سنی تو لوگوں کی بھاری اکثریت اور ان کے سردار اور بڑے بول اٹھے کہ تو تو پاگل ہو گیا ہے' ہمیں اپنے بتوں کی ان خوبصورت تصویروں کی عبادت سے ہٹا کر اللہ واحد کی عبادت کی طرف بلا رہا ہے۔ (یہی تعجب قریش کو ہوا تھا' انہوں نے کہا تھا کہ محمد ﷺ نے سارے معبودوں کی عبادت سے ہٹا کر ایک کی عبادت کی دعوت کیوں دی؟)

حضرت ہودؑ نے انہیں جواب دیا کہ مجھ میں تو بے وقوفی کی بفضلہ کوئی بات نہیں' میں جو کہہ رہا ہوں' وہ اللہ کا فرمودہ ہے اس لئے کہ میں رسول اللہ ہوں' رب کی طرف سے حق لایا ہوں' وہ رب ہر چیز کا مالک سب کا خالق ہے' میں تو تمہیں کلام اللہ پہنچا رہا ہوں' تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور امانت داری سے حق رسالت ادا کر رہا ہوں۔ یہی وہ صفتیں ہیں جو تمام رسولوں میں یکساں ہوتی ہیں' یعنی پیغام حق پہنچانا' لوگوں کی بھلائی چاہنا اور امانتداری کا نمونہ بننا۔ تم میری رسالت پر تعجب نہ کرو بلکہ اللہ کا شکر بجا لاؤ کہ اس نے تم میں سے ایک فرد کو اپنا پیغمبر بنایا کہ وہ تمہیں عذاب الٰہی سے ڈرا دے' تمہیں رب کے اس احسان کو بھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ اس نے تمہیں ہلاک ہونے والوں کے بقایا میں سے بنایا' تمہیں باقی رکھا' اتنا ہی نہیں بلکہ تمہیں قوی ہیکل' مضبوط اور طاقتور کر دیا۔ یہی نعمت حضرت طالوت پر تھی کہ انہیں جسمانی اور علمی کشادگی دی گئی تھی۔ تم اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھو تا کہ نجات حاصل کر سکو۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۷۰

وہ کہنے لگے کہ کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اور اپنے باپ دادوں کے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ جا اگر تو سچا ہے تو جن عذابوں سے تو ہمیں دھمکا رہا ہے انہیں لے آ ○

قوم عاد کا باغیانہ رویہ: ☆☆ (آیت: ۷۰) قوم عاد کی سرکشی، تکبر، ضد اور عناد کا بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام سے کہا کہ کیا آپ کی تشریف آوری کا مقصد یہی ہے کہ ہم اللہ واحد کے پرستار بن جائیں اور باپ دادوں کے پرانے معبودوں سے روگردانی کر لیں؟ سنو اگر یہی مقصود ہے تو اس کا پورا ہونا محال ہے، ہم تیار ہیں، اگر تم سچے ہو تو اپنے اللہ سے ہمارے لئے عذاب طلب کرو۔ یہی کفار مکہ نے کہا تھا، کہنے لگے کہ یا اللہ محمدؐ کا کہا حق ہے اور وہ واقعی تیرا کلام ہے اور ہم نہیں مانتے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسایا، کوئی اور سخت المناک عذاب ہمیں کر۔ قوم عاد کے بتوں کے نام یہ ہیں، صد، صمو دھبا، ان کی اس ڈھٹائی کے مقابلے میں اللہ کا عذاب اور اس کا غضب ثابت ہو گیا۔ رجس سے مراد رجز، یعنی عذاب ہے ناراضی اور غصے کے معنی یہی ہیں۔

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۭ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝۷۱ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۷۲ ع ۱۶ / ۱۷

ہود نے کہا، یقیناً تم پر تمہارے رب کی جانب سے بلا اور غضب پڑ ہی چکا، کیا تم مجھ سے ان چند ناموں کی خاطر لڑ بھڑ رہے ہو جنہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے مقرر کر لئے ہیں، جن کی کوئی سند اللہ نے نہیں اتاری، اچھا تو اب تم بھی انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ○ آخر ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے نجات دی اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ایمان قبول کرنے والے نہ تھے ○

(آیت: ۷۱-۷۲) پھر فرمایا تم ان بتوں کی بابت مجھ سے جھگڑ رہے ہو جن کے نام بھی تم نے خود رکھے ہیں، یا تمہارے بڑوں نے اور خواہ مخواہ بے وجہ انہیں معبود سمجھ بیٹھے ہو، یہ پتھر کے ٹکڑے محض بے ضرر اور بے نفع ہیں، نہ اللہ نے ان کی عبادت کی کوئی دلیل اتاری ہے، ہاں اگر تم مقابلے پر اتر ہی آئے ہو تو منتظر رہو میں بھی منتظر ہوں، ابھی معلوم ہو جائے گا کہ مقبول بارگاہ رب کون ہے اور مردود بارگاہ کون ہے؟ کون مستحق عذاب ہے اور کون قابل ثواب ہے؟ آخرش ہم نے اپنے نبیؑ کو اور ان کے ایماندار ساتھیوں کو نجات دی اور کافروں کی جڑیں کاٹ دیں۔ قرآن کریم کے کئی مقامات پر جناب باری عزوجل نے ان کی تباہی کی صورت بیان فرمائی ہے، کہ ان پر خیر سے خالی، تند اور تیز ہوائیں بھیجی گئیں جنہوں نے انہیں اور ان کی تمام چیزوں کو غارت اور برباد کر دیا۔ عاد لوگ بڑے زناٹے کی سخت آندھی سے ہلاک کر دیئے گئے، جو ان پر برابر سات رات اور آٹھ دن چلتی رہی، سارے کے سارے اس طرح ہو گئے جیسے

کھجور کے درختوں کے تنے الگ ہوں اور شاخیں الگ ہوں- دیکھ لے ان میں سے ایک بھی اب نظر آ رہا ہے؟ ان کی سرکشی کی سزا میں سرکش ہوا ان پر مسلط کر دی گئی جو ان میں سے ایک ایک کو اٹھا کر آسمان کی بلندی کی طرف لے جاتی اور وہاں سے گراتی جس سے سر الگ ہو جاتا اور دھڑ الگ گر جاتا- یہ لوگ یمن کے ملک میں' عمان اور حضر موت میں رہتے تھے- ادھر ادھر نکلتے اور لوگوں کو مار پیٹ کر جبراً و قہراً ان کے ملک و مال پر غاصبانہ قبضہ کر لیتے' سارے کے سارے بت پرست تھے حضرت ہودؑ جو ان کے شریف خاندانی شخص تھے' ان کے پاس رب کی رسالت لے کر آئے' اللہ کی توحید کا حکم دیا' شرک سے روکا' لوگوں پر ظلم کرنے کی برائی سمجھائی' لیکن انہوں نے اس نصیحت کو قبول نہ کیا' مقابلے پر تن گئے اور اپنی قوت سے حق کو دبانے لگے-

گو بعض لوگ ایمان لائے تھے لیکن وہ بھی بیچارے جان کے خوف سے پوشیدہ رکھے ہوئے تھے' باقی لوگ بدستور اپنی بے ایمانی اور ناانصافی پر جمے رہے' خواہ مخواہ فوقیت ظاہر کرنے لگے' بیکار عمارتیں بناتے اور پھولے نہ سماتے- ان سب کاموں کو اللہ کے رسول (حضرت ہود) ناپسند فرماتے' انہیں روکتے' تقویٰ کی اور اطاعت کی ہدایت کرتے' لیکن یہ کبھی تو انہیں بے دلیل بتاتے' کبھی انہیں مجنوں کہتے- آپ اپنی برات ظاہر کرتے اور ان سے صاف فرماتے کہ مجھے تمہاری قوت و طاقت کا مطلقاً خوف نہیں' جاؤ تم سے جو ہو سکے کر لو' میرا بھروسہ اللہ پر ہے' اس کے سوا نہ کوئی بھروسے کے لائق' نہ عبادت کے قابل' ساری مخلوق اس کے سامنے عاجز پست اور لاچار ہے' سچی راہ اللہ کی راہ ہے آخر جب یہ اپنی برائیوں سے باز نہ آئے تو ان پر بارش نہ برسائی گئی تین سال تک قحط سالی رہی' زچ ہو گئے' تنگ آ گئے' آخر یہ سوچا کہ چند آدمیوں کو بیت اللہ شریف بھیجیں' وہ وہاں جا کر اللہ سے دعائیں کریں- یہی ان کا دستور تھا کہ جب کسی مصیبت میں پھنس جاتے تو وہاں وفد بھیجتے- اس وقت ان کا قبیلہ عمالیق حرم شریف میں بھی رہتا تھا' یہ لوگ عملیق بن آدم بن سام بن نوح کی نسل میں سے تھے' ان کا سردار اس زمانے میں معاویہ بن بکر تھا- اس کی ماں قوم عاد سے تھی جس کا نام جاہدہ بنت خبیری تھا-

عادیوں نے اپنے ہاں سے ستر اشخاص کو منتخب کر کے بطور وفد کے شریف کو روانہ کیا' یہاں آ کر یہ معاویہ کے مہمان بنے' پر تکلف دعوتوں کے اڑانے' شراب خوری کرنے اور معاویہ کی دو لونڈیوں کا گانا سننے میں اس بے خودی سے مشغول ہو گئے کہ پورا ایک مہینہ گذر گیا' انہیں اپنے کام کی طرف مطلق توجہ نہ ہوئی' معاویہ ان کی یہ روش دیکھ کر اور اپنی قوم کی بری حالت سامنے رکھ کر بہت کڑھتا تھا' لیکن یہ مہمان نوازی کے خلاف تھا کہ خود ان سے کہتا کہ جاؤ- اس لئے اس نے کچھ اشعار کہے اور ان ہی دونوں کنیزوں کو یاد کرائے کہ وہ یہی گا کر انہیں سنائیں- ان شعروں کا مضمون یہ تھا کہ اے لوگو جو قوم کی طرف سے اللہ سے دعائیں کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو' اللہ عادیوں پر بارش برسائے جو آج قحط سالی کی وجہ سے تباہ ہو گئے ہیں بھوکے پیاسے مر رہے ہیں' بوڑھے بچے' مرد' عورتیں تباہ حال پھر رہے ہیں یہاں تک کہ بولنا چالنا ان پر دوبھر ہو گیا ہے- جنگلی جانور آن کی آبادیوں میں پھر رہے ہیں کیونکہ کسی عادی میں اتنی قوت کہاں کہ وہ تیر چلا سکے' لیکن افسوس کہ تم یہاں اپنے من مانے مشغلوں میں منہمک ہو گئے اور بے فائدہ وقت ضائع کرنے لگے' تم سے زیادہ برا وفد دنیا میں کوئی نہ ہو گا- یاد رکھو اگر اب بھی تم نے مستعدی سے قومی خدمت نہ کی تو تم برباد اور غارت ہو جاؤ گے' یہ سن کر ان کے کان کھڑے ہوئے' یہ حرم میں گئے اور دعائیں مانگنا شروع کیں اللہ تعالیٰ نے تین بادل ان کے سامنے پیش کئے- ایک سفید' ایک سیاہ' ایک سرخ' اور ایک آواز آئی کہ ان میں سے ایک اختیار کر لو' قیل بن عنز نے سیاہ بادل پسند کیا' آواز آئی کہ تو نے سیاہ بادل پسند کیا جو عادیوں میں سے کسی کو بھی باقی نہ چھوڑے گا نہ باپ کو نہ بیٹے کو' سب کو غارت کر دے گا سوائے بنی لوذیہ کے- یہ بنی لوذیہ بھی عادیوں کا ایک قبیلہ تھا جو مکے میں مقیم تھے' ان پر وہ عذاب نہیں آئے تھے' یہی باقی

رہے اور انہی میں سے عاد اُخریٰ ہوئے' اس وفد کے سردار نے سیاہ بادل پسند کیا تھا جو اسی وقت عادیوں کی طرف چلا' اس شخص کا نام قیل بن عنز تھا۔ جب یہ بادل عادیوں کے میدان میں پہنچا جس کا نام مغیث تھا تو اسے دیکھ کر وہ لوگ خوشیاں منانے لگے کہ ابر سے پانی ضرور برسے گا' حالانکہ یہ وہ تھا جس کی یہ لوگ نبی کے مقابلہ میں جلدی مچا رہے تھے' جس میں المناک عذاب تھا' جو تمام چیزوں کو فنا کر دینے والا تھا' سب سے پہلے اس عذاب الٰہی کو ایک عورت نے دیکھا جس کا نام ممید تھا یہ چیخ مار کر بیہوش ہو گئی' جب ہوش آئی تو لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تو نے کیا دیکھا؟ اس نے کہا آگ کا بگولہ جو بصورت ہوا تھا جسے فرشتے گھسیٹتے چلے آتے تھے۔ برابر سات راتیں اور آٹھ دن تک یہ آگ والی ہوا ان پر چلتی رہی اور عذاب کا بادل ان پر برستا رہا' تمام عادیوں کا ستیاناس ہو گیا۔

حضرت ہود علیہ السلام اور آپ کے مومن ساتھی ایک باغیچے میں چلے گئے' وہاں اللہ نے انہیں محفوظ رکھا' وہی ہوا' ٹھنڈی اور بھینی بھینی ہو کر ان کے جسموں کو لگتی رہی جس سے روح کو تازگی اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی رہی۔ ہاں عادیوں پر اس ہوا نے سنگباری شرع کر دی' ان کے دماغ پھٹ گئے' آخر انہیں اٹھا اٹھا کر دے پٹخا' سر الگ ہو گئے دھڑ الگ جا پڑے' یہ ہوا سوار کو سواری سمیت ادھر اٹھا لیتی تھی اور بہت اونچا لے جا کر اسے اوندھا دے پٹختی تھی' یہ سیاق بہت غریب ہے اور اس میں بہت سے فوائد ہیں۔ عذاب الٰہی کے آجانے سے حضرت ہودؑ کو اور مومنوں کو نجات مل گئی رحمت حق ان کے شامل حال رہی اور باقی کفار اس بدترین سزا میں گرفتار ہوئے۔

مسند احمد میں ہے حضرت حارث بکری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' میں اپنے ہاں سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں علا بن حضرمی کی شکایت لے کر چلا۔ جب میں ربذہ میں پہنچا تو بنو تمیم کی ایک بڑھیا لاچار ہو کر بیٹھی ہوئی ملی' مجھ سے کہنے لگی' اے اللہ کے بندے مجھے سرکار رسالت مآبؐ میں پہنچنا ہے' کیا تو میرے ساتھ اتنا سلوک کرے گا کہ مجھے دربار رسالت میں پہنچا دے؟ میں نے کہا آؤ چنانچہ میں نے اسے اپنے اونٹ پر بٹھا لیا اور مدینے پہنچا' دیکھا کہ مسجد لوگوں سے بھری ہوئی ہے' سیاہ جھنڈے لہرا رہے ہیں اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے سامنے تلوار لٹکائے کھڑے ہیں' میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا' حضور ﷺ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں کہیں لشکر بھیجنے والے ہیں میں تھوڑی دیر بیٹھا رہا' اتنے میں حضور ﷺ اپنی منزل میں تشریف لے گئے' میں آپ کے پیچھے چلا گیا' اجازت طلب کی' اجازت ملی جب میں نے اندر جا کر سلام کیا تو آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا' کیا تم میں اور بنو تمیم میں کچھ چشمک ہے؟ میں نے کہا' حضورؐ اس کے ذمہ دار وہی ہیں' میں اب حاضر خدمت ہو رہا تھا تو راستے میں قبیلہ تمیم کی ایک بڑھیا عورت مل گئی جس کے پاس سواری وغیرہ نہ تھی' اس نے مجھ سے درخواست کی اور میں اسے اپنی سواری پر بٹھا کر یہاں لایا ہوں' وہ دروازے پر بیٹھی ہوئی ہے' آپ نے اسے بھی اندر آنے کی اجازت دی۔

میں نے کہا یا رسول اللہ' ہم میں اور بنو تمیم میں کوئی روک کر دیجئے' اس پر بڑھیا تیز ہو کر بولی' اگر آپ نے ایسا کر دیا تو پھر آپ کے ہاں کے بے بس کہاں پناہ لیں گے؟ میں نے کہا سبحان اللہ! تیری اور میری تو وہی مثل ہوئی کہ بکری اپنی موت کو آپ اٹھا کر لے گئی' میں نے ہی تجھے یہاں پہنچایا' مجھے اس کے انجام کی کیا خبر تھی؟ اللہ نہ کرے کہ میں بھی عادی قبیلے کے وفد کی طرح ہو جاؤں' تو حضور نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ بھئی عادیوں کے وفد کا قصہ کیا ہے؟ باوجودیکہ آپ کو مجھ سے زیادہ اس کا علم تھا' لیکن یہ سمجھ کر کہ اس وقت آپ باتیں کرنا چاہتے ہیں' میں نے قصہ شروع کر دیا کہ حضور' جس وقت عادیوں میں قحط سالی نمودار ہوئی تو انہوں نے قیل نامی ایک شخص کو بطور قاصد کے بیت اللہ شریف دعا وغیرہ کرنے کے لئے بھیجا' یہ معاویہ بن بکر کے ہاں آ کر مہمان بنا' یہاں شراب و کباب اور راگ رنگ

میں ایسا مشغول ہوا کہ مہینے بھر تک جام لنڈھاتا رہا اور معاویہ کی دو لونڈیوں کے گانے سنتا رہا' ان کا نام جرادہ تھا' مہینے بھر کے بعد مہرہ کے پہاڑوں پر گیا اور اللہ سے دعا مانگنے لگا کہ باری تعالیٰ میں کسی بیمار کی دوا کے لئے یا کسی قیدی کے فدیئے کے لئے نہیں آیا' یا اللہ عادیوں کو تو وہ پلا جو پلایا کرتا تھا۔ اتنے میں وہ دیکھتا ہے کہ چند سیاہ رنگ کے بادل اس کے سر پر منڈلا رہے ہیں' ان میں سے ایک غیبی صدا آئی کہ ان میں سے جو تجھے پسند ہو' قبول کر لے' اس نے سخت سیاہ بادل کو اختیار کیا' اسی وقت دوسری آواز آئی کہ لے لے خاک راکھ جو عادیوں میں سے ایک کو بھی نہ چھوڑے' عادیوں پر ہوا کے خزانے میں سے صرف بقدر انگوٹھی کے حلقے کے ہوا چھوڑی گئی تھی جس نے سب کو غارت اور تہہ و بالا کر دیا۔ ابووائل کہتے ہیں یہ واقعہ سارے عرب میں ضرب المثل ہو گیا تھا' جب لوگ کسی کو بطور وفد کے بھیجتے تھے تو کہہ دیا کرتے تھے کہ عادیوں کے وفد کی طرح نہ ہو جانا۔ اسی طرح مسند احمد میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ سنن کی اور کتابوں میں بھی یہ واقعہ موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً ۖ فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ ۖ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٣﴾

ثمودیوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا جس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو اللہ کی عبادت کرو' تمہارا کوئی معبود اس کے سوا نہیں یقیناً تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل بھی آ چکی' اللہ کی یہ اونٹنی تمہارے لئے نشان ہے' اسے آزاد کر دو کہ یہ اللہ کی زمین میں چرتی چگتی رہے خبردار اسے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچانا کہ تمہیں دردناک عذاب آ دبوچیں ○

ثمود کی قوم اور اس کا عبرتناک انجام: ☆☆ (آیت: ۷۳) علمائے نسب نے بیان کیا ہے کہ ثمود بن عامر بن ارم بن سام بن نوح' یہ بھائی تھا جدیس بن عامر کا۔ اسی طرح قبیلہ طسم یہ سب خالص عرب تھے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے پہلے ثمودی عادیوں کے بعد ہوئے ہیں' ان کے شہر حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ اور اس کے اردگرد مشہور ہیں۔ سنہ ۹ ھ میں تبوک جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ ان کی اجاڑ بستیوں میں سے گزرے تھے۔ مسند احمد میں ہے کہ جب حضور ﷺ تبوک کے میدان میں اترے' لوگوں نے ثمودیوں کے گھروں کے پاس ڈیرے ڈالے اور انہی کے کنوؤں کے پانی سے آٹے گوندھے' ہانڈیاں چڑھائیں' تو آپ نے حکم دیا کہ سب ہانڈیاں الٹ دی جائیں اور گندھے ہوئے آٹے اونٹوں کو کھلا دیئے جائیں' پھر فرمایا' یہاں سے کوچ کرو اور اس کنوئیں کے پاس ٹھہرو جس سے حضرت صالح کی اونٹنی پانی پیتی تھی اور فرمایا' آئندہ عذاب والی بستیوں میں پڑاؤ نہ کیا کرو' کہیں ایسا نہ ہو کہ اسی عذاب کے شکار تم بھی بن جاؤ۔

ایک روایت میں ہے ان کی بستیوں سے روتے اور ڈرتے ہوئے گذرو کہ مبادا وہی عذاب تم پر آ جائیں' جو ان پر آئے تھے۔ اور روایت میں ہے کہ غزوہ تبوک میں لوگ بہ عجلت حجر کے لوگوں کے گھروں کی طرف لپکے' آپ نے اسی وقت یہ آواز بلند کرنے کا کہا الصلوۃ جامعۃ' جب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں کے گھروں میں کیوں گھسے جا رہے ہو جن پر غضب الٰہی نازل ہوا' راوی حدیث ابوکبشہ فرماتے ہیں' رسول اللہ کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا۔ میں نے یہ سن کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ' ہم تو صرف تعجب کے طور پر انہیں دیکھنے چلے گئے تھے' آپؐ نے فرمایا میں تمہیں اس سے بھی تعجب خیز چیز بتا رہا ہوں' تم میں سے ہی ایک شخص ہے جو تمہیں وہ چیز بتا رہا ہے جو

گذر چکیں اور وہ خبریں دے رہا ہے جو تمہارے سامنے ہیں اور جو تمہارے بعد ہونے والی ہیں پس تم ٹھیک ٹھاک رہو اور سیدھے چلے جاؤ' تمہیں بھی عذاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں' یاد رکھو' ایسے لوگ آئیں گے جو اپنی جانوں سے کسی چیز کو دفع نہ کر سکیں گے۔ حضرت ابو کبشہؓ کا نام عمر بن سعد ہے اور کہا گیا ہے کہ عامر بن سعد ہے۔ واللہ اعلم ایک روایت میں ہے کہ ہجر کی بستی کے پاس آتے ہی حضور ﷺ نے فرمایا' معجزے نہ طلب کرو' دیکھو قوم صالح نے معجزہ طلب کیا جو ظاہر ہوا یعنی اونٹنی جو اس راستے سے آتی تھی اور اس راستے سے جاتی تھی' لیکن ان لوگوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی اور اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں' ایک دن اونٹنی ان کا پانی پیتی تھی اور ایک دن یہ سب اس کا دودھ پیتے تھے' اس اونٹنی کو مار ڈالنے پر ان پر ایک چیخ آئی اور یہ جتنے بھی تھے سب کے سب ڈھیر ہو گئے' بجز اس ایک شخص کے جو حرم شریف میں تھا لوگوں نے پوچھا' اس کا نام کیا تھا؟ فرمایا ابو رغال' یہ بھی جب حد حرم سے باہر آیا تو اسے بھی وہی عذاب ہوا۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں تو نہیں لیکن ہے مسلم شریف کی شرط پر۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ثمودی قبیلے کی طرف سے ان کے بھائی حضرت صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔ تمام نبیوں کی طرح آپ نے بھی اپنی امت کو سب سے پہلے توحید الٰہی سکھائی' کہ فقط اس کی عبادت کریں' اس کے سوا اور کوئی لائق عبادت نہیں۔ اللہ کا فرمان ہے' جتنے بھی رسول آئے سب کی طرف یہی وحی کی جاتی رہی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں' صرف میری ہی عبادت کرو۔ اور ارشاد ہے' ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا اوروں کی عبادت سے بچو۔

وَاذْكُرُوٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ فِى الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾

یاد کر لو کہ اللہ نے عادیوں کے بعد تمہیں خلیفہ بنایا ہے اور تمہیں ایسی زمین میں بسایا ہے کہ تم اس کے نرم حصے میں محلات بنا رہے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر مکانات بناتے ہو پس تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور فسادی بن کر زمین میں تباہی برپا کرتے نہ پھرو ○ اس کی قوم کے سرکش سرداروں نے قوم کے کمزور ایمان داروں سے کہا کہ کیا تمہیں صالح کے رسول اللہ ہونے کا پورا علم ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں ہاں ہم تو جس شریعت کے ساتھ وہ بھیجے گئے ہیں' ایمان رکھنے والے ہیں ○

(آیت: ۶۴۔۷۵۔۷۷) حضرت صالحؑ فرماتے ہیں' لوگو تمہارے پاس دلیل الٰہی آ چکی جس میں میری سچائی ظاہر ہے' ان لوگوں نے حضرت صالحؑ سے یہ معجزہ طلب کیا تھا کہ ایک سنگلاخ چٹان جو ان کی بستی کے ایک کنارے پڑی تھی جس کا نام کاتبہ تھا' اس سے آپ ایک اونٹنی نکالیں جو گابھن ہو (دودھ دینے والی اونٹنی جو دس ماہ کی حاملہ ہو) حضرت صالحؑ نے ان سے فرمایا کہ اگر ایسا ہو جائے تو تم ایمان قبول کر لو گے؟ انہوں نے پختہ وعدے کئے اور مضبوط عہد و پیمان کئے' حضرت صالح علیہ السلام نے نماز پڑھی' دعا کی' ان سب کے دیکھتے ہی چٹان نے ہلنا شروع کیا اور چیخ گئی اس کے بیچ سے ایک اونٹنی نمودار ہوئی' اسے دیکھتے ہی ان کے سردار جندع بن عمرو نے تو اسلام قبول کر لیا اور اس کے

ساتھیوں نے بھی' باقی جو اور سردار تھے' وہ ایمان لانے کے لئے تیار تھے' مگر ذواب بن عمرو بن لبید نے اور حباب نے جو بتوں کا مجاور تھا اور رباب بن ہمر بن جلمس وغیرہ نے انہیں روک دیا۔ حضرت جندع کا بھتیجا شہاب نامی تھا یہ ثمودیوں کا بڑا عالم فاضل اور شریف شخص تھا۔ اس نے بھی ایمان لانے کا ارادہ کرلیا تھا لیکن انہی بدبختوں نے اسے بھی روکا جس پر ایک مومن ثمودی مہوش بن غنمہ نے کہا' کہ آل عمرو نے شہاب کو دین حق کی دعوت دی' قریب تھا کہ وہ مشرف بہ اسلام ہو جائے اور اگر ہو جاتا تو اس کی عزت سوا ہو جاتی' مگر بدبختوں نے اسے روک دیا اور نیکی سے ہٹا کر بدی پر لگا دیا اس حاملہ اونٹنی کو اس وقت بچہ ہوا' ایک مدت تک دونوں ان میں رہے۔ ایک دن اونٹنی ان کا پانی پیتی اس دن اس قدر دودھ دیتی کہ یہ لوگ اپنے سب برتن بھر لیتے' جیسے قرآن میں ہے وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ الخ اور آیت میں ہے هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ یہ ہے اونٹنی اس کے اور تمہارے پانی پینے کے دن تقسیم شدہ اور مقررہ ہیں۔ یہ اونٹنی ثمودیوں کی بستی حجر کے اردگرد چرتی' چگتی تھی ایک راہ جاتی' دوسری راہ آتی' یہ بہت ہی موٹی تازی اور ہیبت والی اونٹنی تھی جس راہ سے گذرتی' سب جانور ادھر ادھر ہو جاتے' کچھ زمانہ گذرنے کے بعد ان اوباشوں نے ارادہ کیا کہ اس کو مار ڈالیں تاکہ ہر دن ان کے جانور برابر پانی پی سکیں' ان اوباشوں کے ارادوں پر سب نے اتفاق کیا یہاں تک کہ عورتوں اور بچوں نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائی اور انہیں شہہ دی کہ ہاں اس پاپ کو کاٹ دو' اس اونٹنی کو مار ڈالو۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾

جن لوگوں نے سرکشی کی تھی انہوں نے کہا کہ تم جس پر ایمان لائے ہو' ہم اس کے منکر ہیں ○ پس انہوں نے اونٹنی کو مار ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی کی اور کہنے لگے کہ اے صالح جن عذابوں سے تو ہمیں دھمکاتا رہتا ہے' اگر تو فی الواقع پیغمبروں میں سے ہے تو انہیں ہم پر نازل کردے ○ پس انہیں زلزلے نے آ پکڑا جس سے وہ اپنے گھروں میں ہی زانو پر اوندھے گرے ہوئے مردے رہ گئے ○

(آیت: ۷۶-۷۸) چنانچہ قرآن کریم میں ہے فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا الخ قوم صالح نے اپنے نبی کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کوچیں کاٹ کر اسے مار ڈالا' تو ان کے پروردگار نے ان کے گناہوں کے بدلے ان پر ہلاکت نازل فرمائی اور ان سب کو یکساں کر دیا اور آیت میں ہے کہ ہم نے ثمودیوں کو اونٹنی دی جوان کے لئے پوری سمجھ بوجھ کی چیز تھی لیکن انہوں نے اس پر ظلم کیا' یہاں بھی فرمایا کہ انہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا' پس اس فعل کی اسناد سارے ہی قبیلے کی طرف ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ چھوٹے بڑے سب اس امر پر متفق تھے امام ابن جریرؒ وغیرہ کا فرمان ہے کہ اس کے قتل کی وجہ یہ ہوئی کہ عنیزہ بنت غنم بن مجلز جو ایک بڑھیا کافرہ تھی اور حضرت صالحؑ سے بڑی دشمنی رکھتی تھی' اس کی لڑکیاں بہت خوبصورت تھیں اور تھی بھی یہ عورت مالدار' اس کے خاوند کا نام ذواب بن عمرو تھا جو ثمودیوں کا ایک سردار تھا' یہ بھی کافر تھا۔ اسی طرح ایک اور عورت تھی جس کا نام صدقہ بنت محیا بن زہیر بن مختار تھا' یہ بھی حسن کے علاوہ مال اور حسب نسب میں بڑھی ہوئی تھی' اس کا خاوند مسلمان ہو گیا تھا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اس سرکش عورت نے خاوند کو چھوڑ دیا۔ اب یہ دونوں عورتیں لوگوں کو اکساتی تھیں کہ کوئی آمادہ ہو جائے اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کر دے۔ صدقہ نامی عورت نے ایک شخص حباب کو بلایا اور اسے کہا کہ میں تیرے گھر آ

جاؤں گی اگر تو اس اونٹنی کو قتل کر دے لیکن اس نے انکار کر دیا' اس پر اس نے مصدع بن مہرج بن محیا کو بلایا جو اس کے چچا کا لڑکا تھا اور اسے اس بات پر آمادہ کر لیا۔ یہ خبیث اس کے حسن و جمال کا مفتوں تھا' اس برائی پر آمادہ ہو گیا۔ ادھر عنیزہ نے قدار بن سالف بن جذع کو بلا کر اس سے کہا کہ میری ان خوبصورت نوجوان لڑکیوں میں سے جسے تو پسند کرے' اسے میں تجھے دے دوں گی اس شرط پر کہ اس اونٹنی کی کوچیں کاٹ ڈال' یہ خبیث بھی آمادہ ہو گیا' یہ تھا بھی زناکاری کا بچہ (زنا کی پیداوار)' سالف کی اولاد میں نہ تھا' جیسان نامی ایک شخص سے اس کی بدکار ماں نے زناکاری کی تھی' یہ اسی سے پیدا ہوا تھا اب دونوں چلے اور اہل ثمود اور دوسرے شریروں کو بھی اس پر آمادہ کیا چنانچہ سات شخص اور بھی اس پر آمادہ ہو گئے اور یہ نو فسادی شخص اس بدارادے پر تل گئے' جیسے قرآن کریم میں ہے وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ اس شہر میں نو شخص تھے جن میں اصلاح کا مادہ ہی نہ تھا' سراسر فسادی ہی تھے' چونکہ یہ لوگ قوم کے سردار تھے' ان کے کہنے سننے سے تمام کفار بھی اس پر راضی ہو گئے اور اونٹنی کے واپس آنے کے راستے میں یہ دونوں شریر اپنی اپنی کمین گاہوں میں بیٹھ گئے' جب اونٹنی نکلی تو پہلے مصدع نے اسے تیر مارا جو اس کی ران کی ہڈی میں پیوست ہو گیا اسی وقت عنیزہ نے اپنی خوبصورت لڑکی کو کھلے منہ قدار کے پاس بھیجا' اس نے کہا' قدار کیا دیکھتے ہو' اٹھو اور اس کا کام تمام کر دو' یہ اس کی شکل دیکھتے ہی دوڑا اور اس کے دونوں پچھلے پاؤں کاٹ دیئے' اونٹنی چکرا کر گری اور ایک آواز نکالی جس سے اس کا بچہ ہوشیار ہو گیا اور اس راستے کو چھوڑ کر پہاڑی پر چلا گیا۔ ادھر قدار نے اونٹنی کا گلا کاٹ دیا اور وہ مر گئی' اس کا بچہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا اور تین مرتبہ بلبلایا۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔ اس نے اللہ کی سامنے اپنی ماں کے قتل کی فریاد کی' پھر جس چٹان سے نکلا تھا' اسی میں سما گیا۔ یہ روایت بھی ہے کہ اسے بھی اس کی ماں کے ساتھ ہی ذبح کر دیا گیا تھا۔ واللہ اعلم حضرت صالح علیہ السلام کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ گھبرائے ہوئے موقعہ پر پہنچے' دیکھا کہ اونٹنی بے جان پڑی ہے' آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور فرمایا' بس اب تین دن میں تم ہلاک کر دیئے جاؤ گے' ہوا بھی یہی' بدھ کے دن ان لوگوں نے اونٹنی کو قتل کیا تھا اور چونکہ کوئی عذاب نہ آیا' اس لئے اترا گئے اور ان مفسدوں نے ارادہ کر لیا کہ آج شام کو صالح کو بھی مار ڈالو' اگر واقعی ہم ہلاک ہونے والے ہی ہیں تو پھر یہ کیوں بچا رہے؟ اور اگر ہم پر عذاب نہیں آتا تو بھی آؤ روز روز کے اس جھنجھٹ سے پاک ہو جائیں۔

چنانچہ قرآن کریم کا بیان ہے کہ ان لوگوں نے مل کر مشورہ کیا اور پھر قسمیں کھا کر اقرار کیا کہ رات کو صالح کے گھر پر چھاپہ مارو اور اسے اور اس کے گھرانے کو تہ تیغ کرو اور صاف انکار کر دو کہ ہمیں کیا خبر کہ کس نے مارا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' ان کے اس مکر کے مقابل ہم نے بھی مکر کیا اور یہ ہمارے مکر سے بالکل بے خبر رہے' اب انجام دیکھو لو کہ کیا ہوا؟ رات کو یہ اپنی بدنیتی سے حضرت صالحؑ کے گھر کی طرف چلے' آپ کا گھر پہاڑ کی بلندی پر تھا' ابھی یہ اوپر چڑھ ہی رہے تھے کہ اوپر سے ایک چٹان پتھر کی لڑھکتی ہوئی آئی اور سب کو ہی پیس ڈالا ان کا تو یہ حشر ہوا ادھر جمعرات کے دن تمام ثمودیوں کے چہرے زرد پڑ گئے' جمعہ کے دن ان کے چہرے آگ جیسے سرخ ہو گئے اور ہفتے کے دن جو مہلت کا آخری دن تھا' ان کے منہ سیاہ ہو گئے۔ تین دن جب گذر گئے تو چوتھا دن اتوار صبح ہی صبح سورج کے روشن ہوتے ہی اوپر آسمان سے سخت کڑاکا ہوا' جس کی ہولناک دہشت انگیز چنگھاڑ نے ان کے کلیجے پھاڑ دیئے' ساتھ ہی نیچے سے زبردست زلزلہ آیا' ایک ہی ساعت میں ایک ساتھ ہی ان سب کا ڈھیر ہو گیا' مردوں سے مکانات' بازار' گلی' کوچے بھر گئے' مرد' عورت' بچے' بوڑھے اول سے آخر تک سارے کے سارے تباہ ہو گئے' شان رب دیکھئے کہ اس واقعہ کی خبر دنیا کو پہنچانے کے لئے ایک کافرہ عورت بچا دی گئی' یہ بھی بڑی خبیثہ تھی' حضرت صالح علیہ السلام کی عداوت کی آگ سے بھری ہوئی تھی' اس کی دونوں ٹانگیں نہیں تھیں لیکن ادھر عذاب آیا' ادھر اس کے پاؤں کھل گئے' اپنی بستی سے سرپٹ بھاگی

اور تیز دوڑتی ہوئی دوسرے شہر پہنچی اور وہاں جا کر ان سب کے سامنے سارا واقعہ بیان کر ہی چکنے کے بعد ان سے پانی مانگا۔ ابھی پوری پیاس بھی نہ بجھی تھی کہ عذاب الٰہی آ پڑا اور وہیں ڈھیر ہو کر رہ گئی۔ ہاں ابو دغال نامی ایک شخص اور بچ گیا تھا یہ یہاں نہ تھا حرم کی پاک زمین میں تھا' لیکن کچھ دنوں کے بعد جب یہ اپنے کسی کام کی غرض سے حد حرم سے باہر آیا' اسی وقت آسمان سے پتھر آیا اور اسے بھی جہنم واصل کیا ثمودیوں میں سے سوائے حضرت صالحؑ اور ان کے مومن صحابہؓ کے اور کوئی بھی نہ بچا۔ ابو دغال کا واقعہ اس سے پہلے حدیث میں بیان ہو چکا ہے۔ قبیلہ ثقیف جو طائف میں ہے' مذکور ہے کہ یہ اس کی نسل سے ہیں۔ عبدالرزاق میں ہے کہ اس کی قبر کے پاس سے رسول کریم ﷺ جب گذرے تو فرمایا جانتے ہو یہ کس کی قبر ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے' آپؐ نے فرمایا' یہ ابو دغال کی قبر ہے' یہ ایک ثمودی شخص تھا' اپنی قوم کے عذاب کے وقت یہ حرم میں تھا' اس وجہ سے عذاب الٰہی سے بچ رہا لیکن حرم شریف سے نکلا تو اسی وقت اپنی قوم کے عذاب سے یہ بھی ہلاک ہوا اور یہیں دفن کیا گیا اور اس کے ساتھ اس کی سونے کی لکڑی بھی دفنا دی گئی' چنانچہ لوگوں نے اس گڑھے کو کھود کر اس میں سے وہ لکڑی نکال لی۔

اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا تھا' ثقیف قبیلہ اسی کی اولاد ہے' ایک مرسل حدیث میں بھی یہ ذکر موجود ہے۔ یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا تھا' اس کے ساتھ سونے کی شاخ دفن کر دی گئی تھی' یہی نشان اس کی قبر کا ہے' اگر تم اسے کھودو تو وہ شاخ ضرور نکل آئے گی' چنانچہ بعض لوگوں نے اسے کھودا اور وہ شاخ نکال لی۔ ابوداؤد میں بھی یہ روایت ہے اور حسن عزیز ہے لیکن میں کہتا ہوں اس حدیث کے وصل کا صرف ایک طریقہ بجیر بن ابی بجیر کا ہے اور یہ صرف اسی حدیث کے ساتھ معروف ہے اور بقول حضرت امام یحیٰی بن معینؒ سوائے اسماعیل بن ابی امیہ کے اسے اس سے اور کسی نے روایت نہیں کیا' احتمال ہے کہ کہیں اس حدیث کے مرفوع کرنے میں خطا نہ ہو۔ یہ عبداللہ بن عمرو ہی کا قول ہو اور پھر اس صورت میں یہ بھی ممکنات سے ہے کہ انہوں نے اسے ان دو دفتروں سے لے لیا ہو جو انہیں جنگ یرموک میں ملے تھے۔ میرے استاد شیخ ابوالحجاجؒ اس روایت کو پہلے تو حسن عزیز کہتے تھے لیکن جب میں نے ان کے سامنے یہ حجت پیش کی تو آپ نے فرمایا بے شک ان امور کا اس میں احتمال ہے۔ واللہ اعلم۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ
لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾

حضرت صالحؑ نے ان سے منہ موڑ لیا اور فرمایا کہ میرے بھائیو میں تو تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا چکا اور تمہاری پوری خیر خواہی کی' لیکن افسوس تم اپنے خیر خواہوں کو اپنا دوست نہیں سمجھتے ○

صالح علیہ السلام ہلاکت کے اسباب کی نشاندہی کرتے ہیں: ☆☆ (آیت: ۷۹) قوم کی ہلاکت دیکھ کر افسوس' حسرت اور آخری ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر پیغمبر حق حضرت صالح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نہ تمہیں رب کی رسالت نے فائدہ پہنچایا نہ میری خیر خواہی ٹھکانے لگی' تم اپنی بے سمجھی سے دوست کو دشمن سمجھ بیٹھے اور آخر اس روز بد کو دعوت دے لی۔ چنانچہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی جب بدری کفار پر غالب آئے' وہیں تین دن تک ٹھہرے رہے' پھر رات کے آخری وقت اونٹنی پر زین کس کر آپ تشریف لے چلے اور جب اس گھاٹی کے پاس پہنچے جہاں ان کافروں کی لاشیں ڈالی گئی تھیں تو آپ ٹھہر گئے اور فرمانے لگے' اے ابو جہل' اے عتبہ' اے شیبہ' اے فلاں' اے فلاں' بتاؤ رب کے وعدے تم نے درست پائے؟ میں نے تو اپنے رب کے فرمان کی صداقت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی' حضرت عمرؓ نے کہا' یا رسول اللہ ﷺ آپ ان

جسموں سے باتیں کر رہے ہیں جو مردار ہو گئے؟ آپ نے فرمایا' اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں جو ان سے کہہ رہا ہوں اسے یہ تم سے زیادہ سن رہے ہیں' لیکن جواب کی طاقت نہیں۔ سیرت کی کتابوں میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا' تم نے میرا خاندان ہونے کے باوجود میرے ساتھ وہ برائی کی کہ کسی خاندان نے اپنے پیغمبر کے ساتھ نہ کی' تم نے میرے ہم قبیلہ ہونے کے باوجود مجھے جھٹلایا اور دوسرے لوگوں نے مجھے سچا سمجھا' تم نے رشتہ داری کے باوجود مجھے دیس نکالا دیا اور دوسروں نے مجھے اپنے ہاں جگہ دی' افسوس تم اپنے ہو کر مجھ سے برسر جنگ رہے اور دوسروں نے میری امداد کی' پس تم اپنے نبی کے بدترین قبیلے ہو۔ یہی حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم سے فرما رہے ہیں کہ میں نے تو ہمدردی کی انتہا کر دی' اللہ کے پیغام کی تبلیغ میں' تمہاری خیر خواہی میں کوئی کوتاہی نہیں کی' لیکن آہ نہ تم نے اس سے کوئی فائدہ اٹھایا' نہ حق کی پیروی کی' نہ اپنے خیر خواہ کی مانی' بلکہ اسے اپنا دشمن سمجھا۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ ہر نبی جب دیکھتا کہ اب میری امت پر عام عذاب آنے والا ہے انہیں چھوڑ کر نکل کھڑا ہوتا اور حرم مکہ میں پناہ لیتا۔ واللہ اعلم۔

مسند احمد میں ہے کہ حج کے موقعہ پر جب رسول کریم ﷺ وادی عسفان پہنچے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ یہ کونسی وادی ہے؟ آپ نے جواب دیا' وادی عسفان' فرمایا' میرے سامنے سے حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام ابھی ابھی گذرے' اونٹنیوں پر سوار تھے جن کی نکیلیں کھجور کے پتوں کی تھیں' کمبلوں کے تہبند بندھے ہوئے اور موٹی چادریں اوڑھے ہوئے تھے' لبیک پکارتے ہوئے بیت اللہ شریف کی طرف تشریف لے جا رہے تھے' یہ حدیث غریب ہے۔ صحاح ستہ میں نہیں۔

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴿٨٠﴾ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُونِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ﴿٨١﴾

(ہم نے ہی لوط کو بھیجا) اس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ ایسی بے حیائی کا کام کر رہے ہو جو تم سے پہلے دنیا جہان میں کسی نے نہیں کیا ○ کہ تم عورتوں کو چھوڑ کر اپنی شہوت رانی کے لئے مردوں کی طرف مائل ہو رہے ہو؟ بات یہ ہے کہ تم لوگ ہو ہی حد سے گذر جانے والے ○

لوط علیہ السلام کی بدنصیب قوم: ☆☆ (آیت: ۸۰-۸۱) فرمان ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کو بھی ہم نے ان کی قوم کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا' تو ان کے واقعہ کو بھی یاد کر۔ حضرت لوط علیہ السلام ہاران بن آزر کے بیٹے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ آپ ہی کے ہاتھ پر ایمان قبول کیا تھا اور آپ ہی کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا نبی بنا کر سدوم نامی بستی کی طرف بھیجا' آپ نے ان کو اور آس پاس کے لوگوں کو اللہ کی توحید اور اپنی اطاعت کی طرف بلایا' نیکیوں کے کرنے' برائیوں کو چھوڑنے کا حکم دیا' جن میں ایک برائی اغلام بازی تھی جو ان سے پہلے دنیا سے مفقود تھی' اس بدکاری کے موجد یہی ملعون لوگ تھے' عمرو بن دینارؒ یہی فرماتے ہیں۔ جامع دمشق کے بانی خلیفہ ولید بن عبدالملک کہتے ہیں' اگر یہ خبر قرآن میں نہ ہوتی تو میں اس بات کو کبھی نہ مانتا کہ مرد مرد سے حاجت روائی کر لے۔ اسی لئے حضرت لوط علیہ السلام نے ان حرام کاروں سے فرمایا کہ تم سے پہلے تو یہ ناپاک اور خبیث فعل کسی نے نہیں کیا' عورتوں کو جو اس کام کے لئے تھیں' چھوڑ کر تم مردوں پر ریجھ رہے ہو؟ اس سے بڑھ کر اسراف اور جہالت اور کیا ہو گی؟ چنانچہ اور آیت میں ہے کہ آپ نے فرمایا' یہ ہیں میری بچیاں یعنی تمہاری قوم کی عورتیں' لیکن انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں ان کی چاہت نہیں' ہم تو تمہارے ان مہمان لڑکوں کے خواہاں ہیں۔ مفسرین فرماتے ہیں جس طرح مرد مردوں میں مشغول تھے' عورتیں بھی عورتوں میں پھنسی ہوئی تھیں۔

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٨٤﴾

اس کے جواب میں قوم لوط کا صرف یہی قول تھا کہ انہیں اپنے شہر سے نکال دو' یہ تو بڑے ہی پاک باز لوگ ہیں ○ پس ہم نے لوط کو اور اس کے گھرانے کو' بجز اس کی بیوی کے بچالیا' وہ پیچھے رہ جانے والوں میں رہ گئی ○ اور ہم نے ان پر بڑی بارش برسائی' دیکھ لے کہ ان بدکاروں کا کیسا برا انجام ہوا ○

(آیت: ۸۲) قوم لوط پر بھی نبی کی نصیحت کارگر نہ ہوئی' بلکہ الٹا دشمنی کرنے لگے اور دیس نکالا دینے پر تل گئے' اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مع ایمانداروں کے وہاں سے صحیح سالم بچالیا اور تمام بستی والوں کو ذلت و پستی کے ساتھ تباہ و غارت کر دیا۔ ان کا یہ کہنا کہ یہ بڑے پاکباز لوگ ہیں بطور طعنے کے تھا اور یہ بھی مطلب تھا کہ یہ اس کام سے جو ہم کرتے ہیں' دور ہیں' پھر ان کا ہم میں کیا کام؟ مجاہدؒ اور ابن عباسؓ کا یہی قول ہے۔

لوطی تباہ ہو گئے: ☆☆ (آیت: ۸۳-۸۴) حضرت لوطؑ اور ان کا گھرانہ اللہ کے ان عذابوں سے بچ گیا جو لوطیوں پر نازل ہوئے۔ بجز آپ کے گھرانے کے اور کوئی آپ پر ایمان نہ لایا جیسے فرمان رب ہے فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ یعنی وہاں جتنے مومن تھے' ہم نے سب کو نکال دیا' لیکن بجز ایک گھر والے کے وہاں ہم نے کسی مسلمان کو پایا ہی نہیں' بلکہ خاندان لوط میں سے بھی خود حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہلاک ہوئی کیونکہ یہ بدنصیب کافرہ ہی تھی' بلکہ قوم کے کافروں کی طرف دار تھی' اگر کوئی مہمان آتا تو اشاروں سے قوم کو خبر پہنچا دیتی' اسی لئے حضرت لوطؑ سے کہہ دیا گیا تھا کہ اسے اپنے ساتھ نہ لے جانا بلکہ اسے خبر بھی نہ کرنا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ساتھ تو چلی تھی لیکن جب قوم پر عذاب آیا تو اس کے دل میں ان کی محبت آ گئی اور رحم کی نگاہ سے انہیں دیکھنے لگی' وہیں اسی وقت اس بدنصیب پر بھی عذاب آ گیا لیکن زیادہ ظاہر قول پہلا ہی ہے یعنی نہ اسے حضرت لوطؑ نے عذاب کی خبر کی' نہ اسے اپنے ساتھ لے گئے' یہ یہیں باقی رہ گئی اور پھر ہلاک ہو گئی۔ غابرین کے معنی بھی باقی رہ جانے والے ہیں' جن بزرگوں نے اس کے معنی ہلاک ہونے والے کئے ہیں' وہ بطور لزوم کے ہیں' کیونکہ جو باقی تھے' وہ ہلاک ہونے والے ہی تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے مسلمان صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے شہر سے نکلتے ہی عذاب الٰہی ان پر بارش کی طرح برس پڑا' وہ بارش' پتھروں اور ڈھیلوں کی تھی جو ہر ایک پر بالخصوص نشان زدہ اسی کے لئے آسمان سے گر رہے تھے۔ گو اللہ کے عذاب کو بے انصاف لوگ دور سمجھ رہے ہوں لیکن حقیقتاً ایسا نہیں' اے پیغمبر آپ خود دیکھ لیجئے کہ اللہ کی نافرمانیوں اور رسول اللہ کی تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے؟ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں' لوطی فعل کرنے والے کو اونچی دیوار سے گرا دیا جائے' پھر اوپر سے پتھراؤ کر کے اسے مار ڈالنا چاہئے کیونکہ لوطیوں کو اللہ کی طرف سے یہی سزا دی گئی۔ اور علماء کرام کا فرمان ہے کہ اسے رجم کر دیا جائے خواہ وہ شادی شدہ ہو یا بے شادی ہو۔

امام شافعیؒ کے دو قول میں سے ایک یہی ہے۔ اس کی دلیل مسند احمد' ابوداؤد' ترمذی اور ابن ماجہ کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جسے تم لوطی فعل کرتے پاؤ' اسے اور اس کے نیچے والے دونوں کو قتل کر دو۔ علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ بھی مثل زناکاری کے ہے' شادی شدہ ہوں تو رجم ورنہ سو کوڑے۔ امام شافعیؒ کا دوسرا قول بھی یہی ہے۔ عورتوں سے اس قسم کی حرکت کرنا بھی چھوٹی

لواطت ہے اور بہ اجماع امت حرام ہے بجز ایک شاذ قول کے اور بہت سی احادیث میں اس کی حرمت موجود ہے۔ اس کا پورا بیان سورۂ بقرہ کی تفسیر میں گذر چکا ہے۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٨٥﴾

مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا' انہوں نے سمجھایا کہ اے قومی بھائیو اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں' تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے واضح دلیل آ پہنچی' اب تم ناپ تول پوری کیا کرو' لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور ملک کے صحیح انتظام کے بعد اس میں رخنہ اندازیاں نہ کرو' اگر تم ایماندار ہو تو تمہارے لئے یہی بات بہتری والی ہے ○

خطیب الانبیاء شعیب علیہ السلام : ☆☆ (آیت : ۸۵) مشہور مورخ حضرت امام محمد بن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یہ لوگ مدین بن ابراہیم کی نسل سے ہیں۔ حضرت شعیب میکیل بن یشجر کے لڑکے تھے' ان کا نام سریانی زبان میں یژون تھا۔ یہ یاد رہے کہ قبیلے کا نام بھی مدین تھا اور اس بستی کا نام بھی یہی تھا' یہ شہر معان سے ہوتے ہوئے حجاز جانے والے راستے میں آتا ہے۔ آیت قرآن وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ میں شہر مدین کے کنویں کا ذکر موجود ہے اس سے مراد ایکہ والے ہیں جیسا کہ ان شاء اللہ بیان کریں گے۔ آپ نے بھی تمام رسولوں کی طرح انہیں توحید کی اور شرک سے بچنے کی دعوت دی اور فرمایا کہ اللہ کی طرف سے میری نبوت کی دلیلیں تمہارے سامنے آ چکی ہیں۔ خالق کا حق بتا کر پھر مخلوق کے حق ادائیگی کی طرف رہبری کی اور فرمایا کہ ماپ تول میں کمی کی عادت چھوڑ' لوگوں کے حقوق نہ مارو' کہو کچھ اور کرو کچھ یہ خیانت ہے۔ فرمان ہے وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ان ماپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے ویل ہے' اللہ اس بدخصلت سے ہر ایک کو بچائے۔ پھر حضرت شعیب علیہ السلام کا اور وعظ بیان ہوتا ہے' آپ کو بہ سبب فصاحت عبارت اور عمدگی وعظ کے خطیب الانبیاء کہا جاتا تھا' علیہ الصلوۃ والسلام۔

وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِهِ وَتَبْغُونَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوا إِذْ كُنتُمْ قَلِيلًا فَكَثَّرَكُمْ ۖ وَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿٨٦﴾ وَإِن كَانَ طَائِفَةٌ مِّنكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَائِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ

خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

ہر ہر راہ پر بیٹھ کر لوگوں کو ڈرانا دھمکانا اور اللہ پر ایمان رکھنے والوں کو راہ اللہ سے روکنا اور اس میں کجی پیدا کرنے کی کوشش کرنا چھوڑ دو' اپنے اس وقت کو یاد کرو جبکہ تم بہت تھوڑے سے تھے' اللہ نے تمہیں بڑھا دیا اور اور خود دیکھ لو کہ فساد مچانے والوں کا کیسا برا انجام ہوا؟ ○ اگر تم میں سے ایک گروہ اس چیز پر ایمان لائے جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں اور ایک گروہ ایمان نہ لائے تو تم صبر کرو سہارے سے کام لو یہاں تک کہ خود اللہ تعالیٰ ہم میں فیصلہ فرما دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے ○

قوم شعیبؑ کی بداعمالیاں: ☆☆ (آیت: ۸۶-۸۷) فرماتے ہیں کہ مسافروں کے راستے میں دہشت گردی نہ پھیلاؤ' ڈاکہ نہ ڈالو اور انہیں ڈرا دھمکا کر ان کا مال زبردستی نہ چھینو' میرے پاس ہدایت حاصل کرنے کے لئے جو آنا چاہتا ہے' اسے خوفزدہ کر کے روک دیتے ہو' ایمانداروں کو اللہ کی راہ پر چلنے میں روڑے اٹکاتے ہو' راہ حق کو ٹیڑھا کر دینا چاہتے ہو' ان تمام برائیوں سے بچو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے بلکہ زیادہ ظاہر ہے کہ ہر رستے پر نہ بیٹھنے کی ہدایت تو قتل و غارت کے سدّ باب کے لئے ہو جو ان کی عادت تھی اور پھر راہ حق سے مومنوں کو نہ روکنے کی ہدایت پھر کی ہو۔ تم اللہ کے اس احسان کو یاد کرو کہ گنتی میں' قوت میں تم کچھ نہ تھے بہت ہی کم تھے' اس نے اپنی مہربانی سے تمہاری تعداد بڑھا دی اور تمہیں زور آور کر دیا' رب کی اس نعمت کا شکریہ ادا کرو' عبرت کی آنکھوں سے ان کا انجام دیکھ لو جو تم سے پہلے ابھی گذرے ہیں' جن کے ظلم و جبر کی وجہ سے' جن کی بدامنی اور فساد کی وجہ سے رب کے عذاب ان پر ٹوٹ پڑے' وہ اللہ کی نافرمانیوں میں رسولوں کے جھٹلانے میں مشغول رہے' دلیر بن گئے جس کے بدلے اللہ کی پکڑ ان پر نازل ہوئی' آج ان کی ایک آنکھ جھپکتی ہوئی باقی نہیں رہی' نیست و نابود ہو گئے' مر مٹ گئے' دیکھو میں تمہیں صاف بے لاگ ایک بات بتا دوں' تم میں سے ایک گروہ مجھ پر ایمان لا چکا ہے اور ایک گروہ نے میرا انکار اور بری طرح مجھ سے کفر کیا ہے' اب تم خود دیکھ لو گے کہ مدد ربانی کس کا ساتھ دیتی ہے اور اللہ کی نظروں سے کون گر جاتا ہے؟ تم رب کے فیصلے کے منتظر رہو' وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے اچھا اور سچا فیصلہ کرنے والا ہے۔ تم خود دیکھ لو کہ اللہ والے بامراد ہوں گے اور اللہ کے دشمن نامراد ہوں گے۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾

اس کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا کہ اے شعیب ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تجھ پر ایمان لائے ہیں' اپنی بستی سے نکال دیں گے' یا یہ کہ تم سب پھر سے ہمارے مذہب میں آ جاؤ' اس نے جواب دیا کہ کیا ہم بیزار ہوں تو بھی؟ ○ پھر تو ہم نے یقیناً اللہ تعالیٰ پر بڑی جھوٹی تہمت باندھی' اگر اب ہم تمہارے مذہب میں پھر سے آ جائیں اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے نجات بخشی' ہمارا تو اس میں لوٹنا ناممکن ہی ہے' ہاں یہ اور بات ہے کہ خود اللہ کی جو ہمارا پروردگار ہے' یہی مرضی ہو جائے' ہمارے رب کے علم نے تمام چیزوں کا احاطہ کر رکھا ہے' اللہ ہی پر ہمارا بھروسہ ہے' اے ہمارے پروردگار تو ہم میں اور ہماری قوم میں حق حق فیصلہ کر دے اور سب فیصلہ کرنے والوں سے تو بہتر ہے ○

شعیب علیہ السلام کی قوم نے اپنی بربادی کو آواز دی : ☆☆ (آیت: ۸۸-۸۹) حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے آپ کی تمام نصیحتیں سن کر جو جواب دیا' اس کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ ہوا یہ کہ دلیلوں سے ہار کر یہ لوگ اپنی قوت جتانے پر اتر آئے اور کہنے لگے اب تجھے اور تیرے ساتھیوں کو ہم دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دیتے ہیں' یا تو جلا وطنی قبول کرو' یا ہمارے مذہب میں آ جاؤ۔ جس پر آپ نے فرمایا کہ ہم تو دل سے تمہارے ان مشرکانہ کاموں سے بیزار ہیں' انہیں سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں' پھر تمہارے اس دباؤ اور اس خواہش کے کیا معنی؟ اگر اللہ نہ کرے ہم پھر سے تمہارے کفر میں شامل ہو جائیں تو ہم سے بڑھ کر گناہگار کون ہو گا؟ اس کے تو صاف معنی یہ ہیں کہ ہم نے دو گھڑی پہلے محض ایک ڈھونگ رچایا تھا' اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور بہتان باندھ کر نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔

خیال فرمایئے کہ اس جواب میں اللہ کے نبی علیہ السلام نے ایمان داروں کو مرتد ہونے سے کس طرح دھمکایا ہے؟ لیکن چونکہ انسان کمزور ہے' نہ معلوم کس کا دل کیسا ہے اور آگے چل کر کیا ظاہر ہونے والا ہے؟ اس لئے فرمایا کہ اللہ کے ہاتھ سب کچھ ہے' اگر وہ ہی کسی کے خیالات الٹ دے تو میرا زور نہیں' ہر چیز کے آغاز انجام کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے' ہمارا توکل اور بھروسہ اپنے تمام کاموں میں صرف اس کی ذات پاک پر ہے۔ اے اللہ تو ہم میں اور ہماری قوم میں فیصلہ فرما' ہماری مدد فرما' تو سب حاکموں کا حاکم ہے' سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا' عادل ہے' ظالم نہیں۔

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا
اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ
جٰثِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا
اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰى
عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ
فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع ۱۱

اس کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ اگر تم نے شعیب کی تابعداری کی تو سمجھ لو کہ تم برباد ہونے والے بن گئے ○ آخرش ان کافروں کو زلزلے نے پکڑ لیا اور وہ سب اپنے گھروں میں ہی اوندھے منہ پڑے ہوئے مردہ رہ گئے ○ گویا شعیب کو جھٹلانے والے کبھی وہاں بستے ہی نہ تھے' درحقیقت شعیب کے جھٹلانے والے ہی برباد ہونے والے ثابت ہوئے ○ اس نے ان سے الگ ہوتے ہوئے کہا کہ اے میری قوم والو! میں تو تمہیں اپنے رب کے پیغامات برابر پہنچا چکا اور تمہاری پوری طرح خیر خواہی کی' اب نہ ماننے والوں کا میں کہاں تک صدمہ کرتا رہوں؟ ○

قوم شعیب کا شوق تباہی پورا ہوا: ☆☆ (آیت:۹۰-۹۲) اس قوم کی سرکشی بدباطنی ملاحظہ ہو کہ مسلمانوں کو اسلام سے ہٹانے کے لئے انہیں یقین دلا رہے ہیں' کہ شعیب علیہ السلام کی اطاعت تمہیں غارت کر دے گی اور تم بہت بڑا نقصان اٹھاؤ گے۔ ان مومنوں کے دلوں کو ڈرانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ آسمانی عذاب بصورت زلزلہ زمین سے آیا اور انہیں سچ مچ لرزا دیا اور غارت و برباد ہو کر خود ہی نقصان میں پھنس گئے' یہاں اس طرح بیان ہوا۔

سورۂ ہود میں بیان ہے کہ آسمانی کڑاکے کی آواز سے یہ ہلاک کئے گئے' وہاں یہ بھی بیان ہے کہ انہوں نے اپنے وطن سے نکل جانے کی دھمکی ایمان داروں کو دی تھی' تو آسمانی ڈانٹ کی آواز نے ان کی آواز پست کر دی اور ہمیشہ کے لئے یہ خاموش کر دیئے گئے۔

سورۂ شعراء میں بیان ہے کہ بادل ان پر سے عذاب بن کر برسا' کیونکہ وہیں ذکر ہے کہ خود انہوں نے اپنے نبیؑ سے کہا تھا کہ اگر سچے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو۔ واقعہ یہ ہے کہ تینوں عذاب ان پر ایک ساتھ آئے' ادھر ابر اٹھا جس سے شعلہ باری ہونے لگی' آگ برسنے لگی' ادھر تند اور سخت کڑاکے کی آواز آئی' ادھر زمین پر زلزلہ آیا۔ نیچے اوپر کے عذابوں سے دیکھتے ہی دیکھتے تہہ و بالا کر دیئے گئے' اپنی اپنی جگہ ڈھیر ہو گئے' یا وہ وقت تھا کہ یہاں سے مومنوں کو نکالنا چاہتے تھے' یا یہ وقت ہے کہ یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ کسی وقت یہاں یہ لوگ آباد بھی تھے' یا مسلمانوں سے کہہ رہے تھے کہ تم نقصان میں اترو گے' یا یہ ہے کہ خود برباد ہو گئے۔

(آیت:۹۳) قوم پر اللہ کا عذاب آ چکنے کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام وہاں سے چلے اور بطور ڈانٹ ڈپٹ کے فرمایا کہ میں سبکدوش ہو چکا ہوں' اللہ کا پیغام سنا چکا' سمجھا بجھا چکا' غم خواری ہمدردی کر چکا' لیکن تم کافر کے کافر ہی رہے' اب مجھے کیا پڑی کہ تمہارے افسوس میں اپنی جان ہلکان کروں؟

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَھْلَھَا
بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّھُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَکَانَ
السَّیِّئَۃِ الْحَسَنَۃَ حَتّٰی عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا
الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰھُمْ بَغْتَۃً وَّھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَوْ اَنَّ
اَھْلَ الْقُرٰٓی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْھِمْ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ
وَالْاَرْضِ وَلٰکِنْ کَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰھُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾

ہم نے جس بستی میں جس نبی کو بھیجا' وہاں والوں کو تنگی اور سختی رنج و تکلیف میں مبتلا کر کے موقعہ دیا کہ وہ عاجزی اور زاری کر لیں ○ پھر ہم نے اس تکلیف کے بدلے راحت و آسانی اس قدر دی کہ وہ بھول گئے اور کہنے لگے' ہمارے باپ دادوں کو بھی تو سختی نرمی پہنچتی تھی' آخرش ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اور انہیں خبر تک نہ ہوئی ○ اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتیں کشادہ کر دیتے لیکن انہوں نے جھٹلایا' تو ہم نے بھی ان کے کرے کو تک (اعمال) کے بدلے انہیں گرفتار کر لیا ○ کیا شہروں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہو چکے ہیں؟ ○

ادوار ماضی: ☆☆ (آیت:۹۴۔۹۵) سابقہ امتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کے رسول آئے اور ان کے انکار پر وہ امتیں مختلف بلاؤں میں مبتلا کی گئیں' مثلاً بیماریاں' فقیری' تنگی' تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اکڑنا چھوڑ دیں اور اس کے سامنے جھک جائیں' مصیبتوں کے ٹالنے کی دعائیں کریں اور اس کے رسولؐ کی مان لیں' لیکن انہوں نے اس موقعہ کو ہاتھ سے نکال دیا' باوجود بری حالت ہونے کے دل کا کفر نہ ٹوٹا' اپنی ضد سے نہ ہٹے تو ہم نے دوسری طرح پھر ایک موقعہ دیا۔ سختی کو نرمی سے' برائی کو بھلائی سے' بیماری کو تندرستی سے' فقیری کو امیری سے بدل دیا تا کہ شکر کریں اور ہماری حکمرانی کے قائل ہو جائیں' لیکن انہوں نے اس موقعہ سے بھی فائدہ نہ اٹھایا' جیسے جیسے بڑھے' ویسے ویسے کفر میں پھنسے' بدمستی میں اور بڑھے اور مغرور ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ زمانہ کے اتفاقات ہیں' پہلے سے یہی ہوتا چلا آیا ہے' کبھی کے دن بڑے کبھی کی راتیں بڑی' زمانہ ہمیشہ ایک حالت پر نہیں رہتا' الغرض اتفاق پر محمول کر کے معمولی سی بات سمجھ کر دونوں موقع ٹال دیئے اور ایمان والے دونوں حالتوں میں عبرت پکڑتے ہیں مصیبت پر صبر' راحت پر شکر ان کا شیوہ ہوتا ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' مومن پر تعجب ہے' اس کی دونوں حالتیں انجام کے لحاظ سے اس کے لئے بہتر ہوتی ہیں' یہ دکھ پر صبر کرتا ہے' انجام بہتر ہوتا ہے' سکھ پر شکر کرتا ہے' نیکیاں پاتا ہے پس مومن رنج و راحت دونوں میں اپنی آزمائش کو سمجھ لیتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے' بلاؤں کی وجہ سے مومن کے گناہ بالکل دور ہو جاتے ہیں اور وہ پاک صاف ہو جاتا ہے۔ ہاں منافق کی مثال گدھے جیسی ہے جسے نہیں معلوم کہ کیوں باندھا گیا اور کیوں کھولا گیا؟ (او کما قال) پس ان لوگوں کو اس کے بعد اللہ کے عذاب نے اچانک آ پکڑا' یہ محض بے خبر تھے' اپنی خرمستیوں میں لگے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اچانک موت مومن کے لئے رحمت ہے اور کافروں کے لئے حسرت ہے۔

عوام کی فطرت: ☆☆ (آیت:۹۶) لوگوں سے عام طور پر جو غلطی ہو رہی ہے اس کا ذکر ہے کہ عموماً ایمان سے اور نیک کاموں سے بھاگتے رہتے ہیں۔ صرف حضرت یونس علیہ السلام کی پوری بستی ایمان لائی تھی اور وہ بھی اس وقت جبکہ عذابوں کو دیکھ لیا اور یہ بھی صرف ان کے ساتھ ہی ہوا کہ آئے ہوئے عذاب واپس کر دیئے گئے اور دنیا و آخرت کی رسوائی سے بچ گئے' یہ لوگ ایک لاکھ بلکہ زائد تھے' اپنی

پوری عمر تک پہنچے اور دینوی فائدے بھی حاصل کرتے رہے۔

تو فرماتا ہے کہ اگر نبیوں کے آنے پر ان کے امتی صدق دل سے ان کی تابعداری کرتے' برائیوں سے رک جاتے اور نیکیاں کرنے لگتے تو ہم ان پر کشادہ طور پر بارشیں برساتے اور زمین سے پیداوار اگاتے' لیکن انہوں نے رسولوں کی نہ مانی بلکہ انہیں جھوٹا جھوٹا اور روبرو جھوٹا کہا' برائیوں سے' حرام کاریوں سے ایک انچ نہ ہٹے' اس وجہ سے تباہ کر دیئے گئے۔ کیا کافروں کو اس بات کا خوف نہیں کہ راتوں رات ان کی بے خبری میں ان کے سوتے ہوئے عذاب الٰہی آ جائے اور یہ سوئے کے سوئے رہ جائیں؟ کیا انہیں ڈر نہیں لگتا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دن دہاڑے ان کے کھیل کود اور غفلت کی حالت میں اللہ جل جلالہ کا عذاب آ جائے؟ اللہ کے عذابوں سے' اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے' اس کی بے پایاں قدرت کے اندازے سے غافل وہی ہوتے ہیں جو اپنے آپ بربادی کی طرف بڑھے چلے جاتے ہوں۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مومن نیکیاں کرتا ہے اور پھر ڈرتا رہتا ہے اور فاسق فاجر شخص برائیاں کرتا ہے اور بے خوف رہتا ہے' نتیجے میں مومن امن پاتا ہے اور فاجر پیس دیا جاتا ہے۔

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآىِٕمُوْنَ ﴿۹۷﴾
اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾
اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ ع۱۲
اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَاۤ اَنْ
لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ
لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

کہ ان کے پاس راتوں رات ہمارے عذاب آ جائیں؟ اور وہ سوئے پڑے ہوئے ہوں؟ ○ یا ان شہریوں پر دن چڑھے ہمارے عذابوں کے آ جانے سے یہ نڈر ہیں کہ اس وقت یہ اپنے کھیل کود میں مشغول ہوں؟ ○ کیا یہ اللہ کے داؤں سے مطمئن ہو چکے ہیں؟ یاد رکھو اللہ کے داؤں گھات سے بے خوف وہی ہوتے ہیں جو سخت نقصان اٹھانے والے ہوں ○ اس زمین پر رہنے سہنے والوں کے بعد جو اس کے وارث بنتے ہیں' کیا انہیں بھی یہ ہدایت نہیں ہوتی کہ اگر ہم چاہیں تو انہیں بھی ان کی بدکرداریوں پر عذاب کریں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دیں کہ یہ سنیں ہی نہیں ○

گناہوں میں ڈوبے لوگ؟: ☆☆ (آیت: ۹۷-۱۰۰) ارشاد ہے کہ ایک گروہ نے ہمارا مقابلہ کیا اور ہم نے انہیں تاخت و تاراج کیا۔ دوسرا اگر وہ ان کے قائم مقام ہوا تو کیا اس پر بھی یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ اگر وہ بداعمالیاں کریں گے تو اپنے سے اگلوں کی طرح کھو دیئے جائیں گے؟ جیسے فرمان ہے اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ الخ یعنی کیا انہیں اب تک سمجھ نہیں آئی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی آباد بستیاں اجاڑ کر رکھ دیں جن کے مکانوں میں اب یہ رہتے سہتے ہیں' اگر یہ عقل مند ہوتے تو ان کے لئے بہت سی عبرتیں تھیں۔ اور اس بیان کے بعد کی آیت میں ہے کہ اس میں بہت سی نشانیاں ہیں' کیا یہ سن نہیں رہے؟ ایک آیت میں فرمایا' تم اس سے پہلے پورے یقین سے کہتے تھے کہ تمہیں زوال آنے کا ہی نہیں حالانکہ تم جن کے گھروں میں تھے' وہ خود بھی اپنے مظالم کے سبب تباہ کر دیئے گئے تھے' خالی گھر رہ گئے۔ ایک اور آیت میں ہے وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ الخ ان سے پہلے ہم نے بہت سی

بستیاں تباہ کر دیں' نہ ان میں سے اب کوئی نظر آئے' نہ کسی کی آواز سنائی دے۔ اور آیت میں ہے کہ وہ لوگ تو ان سے زیادہ مست تھے' مال دار تھے' عیش و عشرت میں تھے' راحت و آرام میں تھے' اوپر سے ابر برستا تھا' نیچے سے چشمے بہتے تھے' لیکن گناہوں میں ڈوبے رہے کہ آخر تہس نہس ہو گئے اور دوسرے لوگ ان کے قائم مقام آئے۔

عادیوں کی ہلاکت کا بیان فرما کر ارشاد ہوا کہ ایسے عذاب اچانک آ گئے کہ ان کے وجود کی دھجیاں اڑ گئیں' کھنڈر کھڑے رہ گئے اور کسی چیز کا نام و نشان نہ بچا' مجرموں کا یہی حال ہوتا ہے۔ حالانکہ دنیوی وجاہت بھی ان کے پاس تھی۔ آنکھ' کان' دل سب تھا لیکن اللہ جل شانہ کی باتوں کا تمسخر کرنے پر اور ان کے انکار پر جب عذاب آیا تو حیران و ششدر رہ گئے' نہ عقل آئی' نہ اسباب بچے۔ اپنے آس پاس کی ویران بستیاں دیکھ کر عبرت حاصل کرو' اگلوں نے جھٹلایا تو دیکھ لو کس طرح برباد ہوئے؟ تم تو ابھی تک ان کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے' تم سے پہلے کے منکروں پر میرے عذاب آئے' انہیں غور سے سنو' ظالموں کی بستیاں میں نے الٹ دیں اور ان کے محلات کھنڈر بنا دیئے۔ زمین میں چل پھر کر' آنکھیں کھول کر' کان لگا کر ذرا عبرت حاصل کرو' جس کی آنکھیں نہ ہوں' وہی اندھا نہیں بلکہ سچ مچ اندھا وہ ہے جس کی دلی آنکھیں بے کار ہوں۔ اگلے نبیوں کے ساتھ بھی مذاق اڑائے گئے لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ ایسے مذاق کرنے والوں کا نشان مٹ گیا' ایسے گھیرے گئے کہ ایک بھی نہ بچا۔ اللہ تعالیٰ کی باتیں سچی ہیں' اس کے وعدے اٹل ہیں' وہ ضرور اپنے دوستوں کی مدد کرتا ہے اور اپنے دشمنوں کو نیچا دکھاتا ہے۔

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

یہ ہیں وہ بستیاں جن کے کچھ حالات ہم تجھے سنا رہے ہیں' ان کے پاس ان کے پیغمبر نشانات لے کر پہنچ چکے' لیکن جسے وہ اس سے پہلے جھٹلا چکے تھے اسے مان کر ہی نہ دیا' منکروں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ اسی طرح مہر کر دیا کرتا ہے ○ ہم نے ان کے اکثر لوگوں میں عہد کا پاس پایا ہی نہیں' بلکہ ان میں سے اکثر لوگوں کو ہم نے بے حکم اور بدکار ہی پایا ○

عہد شکن لوگوں کی طے شدہ سزا: ☆☆ (آیت: ۱۰۱-۱۰۲) پہلے قوم نوح' ہود' صالح' لوط اور قوم شعیب کا بیان گزر چکا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ ان سب کے پاس ہمارے رسول حق لے کر پہنچے' معجزے دکھائے' سمجھایا' بجھایا' دلیلیں دیں لیکن وہ نہ مانے اور اپنی بدعادتوں سے باز نہ آئے' جس کی پاداش میں ہلاک ہو گئے' صرف ماننے والے بچ گئے۔ اللہ کا طریقہ اسی طرح جاری ہے کہ جب تک رسول نہ آ جائیں' خبردار نہ کر دیئے جائیں' عذاب نہیں دیئے جاتے' ہم ظالم نہیں لیکن جبکہ لوگ خود ظلم پر کمر کس لیں تو پھر ہمارے عذاب انہیں آ پکڑتے ہیں۔ ان سب نے جن چیزوں کا انکار کر دیا تھا' ان پر باوجود دلیلیں دیکھ لینے کے بھی ایمان نہ لائے۔ بِمَا كَذَّبُوْا میں "ب" سببیہ ہے جیسے وَاِذَا سَمِعُوْا کے پارے کے آخر میں فرمایا ہے کہ تم کیا جانو؟ یہ لوگ تو معجزے آنے پر بھی ایمان نہ لائیں گے' ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے' جیسے کہ یہ اس قرآن پر پہلی بار ایمان نہ لائے تھے اور ہم انہیں ان کی سرکشی کی حالت میں

بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیں گے۔

یہاں بھی فرمان ہے کہ کفار کے دلوں پر اسی طرح ہم مہریں لگا دیا کرتے ہیں' ان میں سے اکثر بدعہد ہیں بلکہ عموماً فاسق ہیں' یہ عہد وہ ہے جو روز ازل میں لیا گیا اور اسی پر پیدا کئے گئے' اسی فطرت اور جبلت میں رکھا گیا' اسی کی تاکید انبیاء علیہم السلام کرتے رہے' لیکن انہوں نے اس عہد کو پس پشت ڈال دیا' یا مطلق پرواہ نہ کی اور اس عہد کے خلاف غیر اللہ کی پرستش شروع کر دی' اللہ کو مالک' خالق اور لائق عبادت مان کر آئے تھے لیکن یہاں اس کے سراسر خلاف کرنے لگے اور بے دلیل' خلاف عقل و نقل' خلاف فطرت اور خلاف شرع' اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت میں لگ گئے۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' میں نے اپنے بندوں کو موحد اور یکطرفہ پیدا کیا لیکن شیطان نے آ کر انہیں بہکا دیا اور میری حلال کردہ چیزیں ان پر حرام کر دیں۔

بخاری و مسلم میں ہے ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے' پھر اسے اس کے ماں باپ یہودی نصرانی مجوسی بنا لیتے ہیں۔ خود قرآن کریم میں ہے' ہم نے تجھ سے پہلے جتنے رسول بھیجے تھے' سب کی طرف یہی وحی کی تھی کہ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں' اے دنیا کے لوگو' تم سب صرف میری ہی عبادت کرتے رہو۔ اور آیت میں ہے تم اپنے سے پہلے کے رسولوں سے دریافت کر لو' کیا ہم نے اپنے سوا اور معبود ان کے لئے مقرر کئے تھے؟ اور فرمان ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا' کہ لوگو صرف اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا ہر ایک کی عبادت سے الگ رہو۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔ اس جملے کے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ چونکہ پہلے ہی سے اللہ کے علم میں یہ بات مقرر ہو گئی تھی کہ انہیں ایمان نصیب نہیں ہوگا۔

یہی ہو کر رہا کہ باوجود دلائل سامنے آ جانے کے ایمان نہ لائے' میثاق والے دن گو یہ ایمان قبول کر بیٹھے لیکن ان کے دلوں کی حالت اللہ جل شانہ کو معلوم تھی کہ ان کا ایمان جبراً اور ناخوشی سے ہے' جیسے فرمان ہے کہ یہ اگر دوبارہ دنیا کی طرف لوٹائے جائیں تو پھر بھی وہی کام نئے سرے سے کرنے لگیں گے جن سے انہیں روکا گیا ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

ان کے بعد پھر ہم نے موسیٰ کو اپنی آیتیں دے کر فرعون اور فرعونیوں کے پاس بھیجا لیکن انہوں نے بھی ہماری نشانیوں کا انکار کر دیا' اب تو آپ دیکھ لے کہ ان مفسدوں کا انجام کیسا کچھ ہوا؟ ○ موسیٰ نے کہا کہ اے فرعون میں تمام جہانوں کے پالنے والے کا پیغمبر ہوں ○ میری شان اسی قابل ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف سچ ہی کہوں' میں تو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے معجزہ بھی لایا ہوں' تو تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ کر دے ○ اس نے کہا کہ اگر تو واقعی کوئی معجزہ لایا ہے تو اسے پیش کر اگر تو سچوں میں سے ہے ○

نابکار لوگوں کا تذکرہ -- انبیاء اور مومنین پر نظر کرم : ☆☆ (آیت:۱۰۳) جن رسولوں کا ذکر گذر چکا ہے یعنی نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب صلوات اللہ و سلامه علیهم و علی سائر الانبیاء اجمعین کے بعد ہم نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کو اپنی دلیلیں عطا فرما کر بادشاہ مصر، فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا، لیکن انہوں نے بھی جھٹلایا اور ظلم و زیادتی کی اور صاف انکار کر دیا، حالانکہ ان کے دلوں میں یقین گھر کر چکا تھا۔ اب خود دیکھ لو کہ اللہ کی راہ سے رکنے والوں اور اس کے رسولوں کا انکار کرنے والوں کا کیا انجام ہوا؟ وہ مع اپنی قوم کے ڈبو دیئے گئے اور پھر لطف یہ ہے کہ مومنوں کے سامنے بے کسی کی پکڑ میں پکڑ لئے گئے تاکہ ان کے دل ٹھنڈے ہوں اور عبرت ہو۔

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون : ☆☆ (آیت:۱۰۴-۱۰۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اور فرعون کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ اللہ کے کلیم نے فرمایا کہ اے فرعون میں رب العالمین کا رسول ہوں، جو تمام عالم کا خالق و مالک ہے، مجھے یہی لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہی باتیں کہوں جو سراسر حق ہوں۔ "ب" اور "علی" یہ متعاقب ہوا کرتے ہیں جیسے رَمَیْتَ بِالْقَوْسِ اور رمیت علی القوس وغیرہ۔ اور بعض مفسرین کہتے ہیں حقیق کے معنی حریص کے ہیں۔ یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ مجھ پر واجب اور حق ہے کہ اللہ ذوالمنن کا نام لے کر وہی خبر دوں جو حق و صداقت والی ہو کیونکہ میں اللہ عزوجل کی عظمت سے واقف ہوں۔ میں اپنی صداقت کی الٰہی دلیل بھی ساتھ ہی لایا ہوں، تو قوم بنی اسرائیل کو اپنے مظالم سے آزاد کر دے، انہیں اپنی زبردستی کی غلامی سے نکال دے، انہیں ان کے رب کی عبادت کرنے دے، یہ ایک زبردست بزرگ پیغمبر کی نسل سے ہیں یعنی حضرت یعقوب بن اسحاق بن حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہیں۔ فرعون نے کہا، میں تجھے سچا نہیں سمجھتا نہ تیری طلب پوری کروں گا اور اگر تو اپنے دعوے میں واقعہ ہی سچا ہے تو کوئی معجزہ پیش کر۔

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ
فَاِذَا هِىَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ
اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ
فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِى الْمَدَآئِنِ
حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾

اس پر آپ نے اپنی لکڑی ڈال دی جو اسی وقت کھلم کھلا اژدھا بن گئی ○ اور اپنا ہاتھ کھینچ نکالا تو وہ ہر دیکھنے والے کی نگاہ میں اسی وقت چمکیلا بن گیا ○ فرعون کی قوم کے درباریوں نے کہا بھئی یہ تو کوئی بہت بڑا دانا جادوگر ہے ○ یہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال دینا چاہتا ہے اب تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ ○ کہنے لگے اسے اور اس کے بھائی کو تو چھوڑ اور تمام شہروں میں جمع کرنے والے بھیج دے ○ کہ وہ تمام دانا جادوگروں کو تیرے پاس لے آئیں ○

عصائے موسیٰ اور فرعون : ☆☆ (آیت:۱۰۷-۱۰۸) آپ نے فرعون کی اس طلب پر اپنے ہاتھ کی لکڑی زمین پر ڈال دی جو بہت بڑا سانپ بن گئی اور منہ پھاڑے فرعون کی طرف لپکی، وہ مارے خوف کے تخت پر سے کود گیا اور فریاد کرنے لگا کہ موسیٰ اللہ کے لئے اسے روک،

اس نے اس قدر اپنا منہ کھولا تھا کہ نیچے کا جبڑا تو زمین پر تھا اور اوپر کا جبڑا محل کی بلندی پر خوف کے مارے فرعون کی ہوا نکل گئی اور چیخنے لگا کہ موسیٰ اسے روک لے میں ایمان لاتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ بنی اسرائیل کو تیرے ساتھ کر دوں گا۔ حضرت موسیٰ نے اسی وقت اس پر ہاتھ رکھا اور وہ اسی وقت لکڑی جیسی لکڑی بن گیا۔ حضرت وہب فرماتے ہیں' حضرت موسیٰ کو دیکھتے ہی فرعون کہنے لگا' میں تجھے پہچانتا ہوں' آپ نے فرمایا یقیناً' اس نے کہا تو نے بچپن ہمارے گھر کے ٹکڑوں پر ہی تو گذارا ہے' اس کا جواب حضرت موسیٰ دے ہی رہے تھے کہ اس نے کہا' اسے گرفتار کر لو آپ نے جھٹ سے اپنی لکڑی زمین پر ڈال دی جس نے سانپ بن کر ان پر حملہ کر دیا اور بدحواسی میں ایک دوسرے کو کچلتے اور قتل کرتے ہوئے وہ سب کے سب بھاگے' چنانچہ پچیس ہزار آدمی اس ہنگامے میں ایک دوسرے کے ہاتھوں مارے گئے اور فرعون سیدھا اپنے گھر میں گھس گیا لیکن اس واقعہ کے بیان کی سند میں غرابت ہے۔ واللہ اعلم۔ اسی طرح دوسرا معجزہ آپ نے یہ ظاہر کیا کہ اپنا ہاتھ اپنی چادر میں ڈال کر نکالا تو بغیر اس کے کہ کوئی روگ یا برص یا داغ ہو وہ سفید چمکتا ہوا بن کر نکل آیا جسے ہر ایک نے دیکھا' پھر ہاتھ اندر کیا تو جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا۔

درباریوں سے مشورے ہوئے! ☆☆ (آیت:۱۰۹-۱۱۰) جب ڈر خوف جاتا رہا' فرعون پھر سے اپنے تخت پر آ بیٹھا اور درباریوں کے اوسان درست ہو گئے تو فرعون نے کہا' بھئی مجھے تو یہ جادوگر لگتا ہے اور ہے بھی بڑا استاد' ان لوگوں نے اس کی تائید کی اور کہا حضور درست فرما رہے ہیں۔ اب مشورے کرنے لگے کہ اگر یہ معاملہ یونہی رہا تو لوگ اس کی طرف مائل ہو جائیں گے اور جب یہ قوت پکڑے گا تو ہم سے بادشاہت چھین لے گا' ہمیں جلاوطن کر دے گا' بتاؤ کیا کرنا چاہئے؟ اللہ کی شان ہے جس سے خوف کھایا' وہی سامنے آیا۔

درباریوں کا مشورہ: ☆☆ (آیت:۱۱۱-۱۱۲) درباریوں نے مشورہ دیا کہ ان دونوں بھائیوں کا معاملہ تو اس وقت رفع دفع کر دُ اسے ملتوی رکھو اور ملک کے ہر حصے میں ہر کارے بھیج دو جو جادوگروں کو جمع کر کے آپ کے دربار میں لائیں' تو جب تمام استاد فن جادوگر آ جائیں' ان سے مقابلہ کرایا جائے تو یہ ہار جائے گا اور منہ دکھانے کے قابل نہ رہے گا' یہ اگر جادو جانتا ہے تو ہماری رعایا میں جادوگروں کی کیا کمی ہے؟ بڑے بڑے ماہر جادوگر ہم میں موجود ہیں جو اپنے فن میں بے نظیر ہیں اور بہت چست و چالاک ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ سے کہا گیا کہ ہم سمجھ گئے کہ تو جادو کے زور سے ہمیں ہمارے ملک سے نکال دینے کے ارادے سے آیا ہے' تو اگر تجھ میں کوئی سکت ہے تو آ ہاتھ ملا' ہم تجھ سے مقابلے کا دن اور جگہ مقرر کرتے ہیں اور جگہ مقرر ہو جائے پھر جو بھاگے وہی ہارا' آپ نے فرمایا اچھا یہ ہوس بھی نکال لو' جاؤ تمہارا عید کا دن مجھے منظور ہے اور دن چڑھے اجالے کا وقت اور شرط یہ ہے کہ یہ مقابلہ مجمع عام میں ہو' چنانچہ فرعون اس تیاری میں مصروف ہو گیا۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ
الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا
يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾
قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْ
هُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾

جادوگر فرعون کے پاس آ کر کہنے لگے کہ اگر ہم غالب آ جائیں تو ہمیں کچھ انعام بھی ملے گا؟ ○ فرعون نے کہا ہاں ہاں بلکہ تم تو میرے خاص درباری بن جاؤ گے ○ کہنے لگے اے موسیٰ یا تو تم ہی ڈالو یا ہم آپ ہی ڈالنے والے بن جائیں ○ آپ نے کہا نہیں تم ہی ڈالو تو جب وہ ڈال چکے لوگوں کی آنکھوں پر انہوں نے جادو کر دیا اور ان سب کو ہیبت زدہ کر دیا اور بہت بڑا جادو لائے ○

(آیت:۱۱۳-۱۱۴) جادوگروں نے پہلے ہی سے فرعون سے قول وقرار لے لیا تاکہ محنت خالی نہ جائے اور اگر ہم جیت جائیں تو خالی ہاتھ نہ رہ جائیں' فرعون نے وعدہ کیا کہ منہ مانگا انعام اور ہمیشہ کے لئے خاص درباریوں میں داخلہ دوں گا' جادوگر یہ قول وقرار لے کر میدان میں اتر آئے۔

جادوگروں سے مقابلہ: ☆☆ (آیت:۱۱۵-۱۱۶) جادوگروں کو اپنی قوت پر بڑا گھمنڈ تھا' وہ سب فی الحقیقت اپنے اس فن کے لاجواب استاد تھے' اس لئے انہوں نے آتے ہی حضرت موسیٰ کو چیلنج دیا کہ لو ہوشیار ہو جاؤ' تمہیں اختیار ہے میدان میں اپنے کرتب پہلے دکھاؤ اور اگر کہو تو پہل ہم کر دیں' آپ نے فرمایا بہتر ہے کہ تمہارے حوصلے نکل جائیں اور لوگ تمہارا کمال فن دیکھ لیں اور پھر اللہ کی قدرت کو بھی دیکھ لیں اور حق و باطل میں دیکھ بھال کر فیصلہ کر سکیں' وہ تو یہ چاہتے ہی تھے۔ انہوں نے جھٹ سے اپنی رسیاں اور لکڑیاں نکال نکال کر میدان میں ڈالنی شروع کر دیں' ادھر وہ میدان میں پڑتے ہی چلتی پھرتی اور بنی بنائی سانپ معلوم ہونے لگیں' یہ صرف نظر بندی تھی' فی الواقع خارج میں اس کا وجود بدل نہیں گیا تھا بلکہ اس طرح لوگوں کو دکھائی دیتی تھیں کہ گویا زندہ ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں خطرہ محسوس کرنے لگے' اللہ کی طرف سے اسی وقت وحی آئی کہ خوف نہ کر' تو ہی غالب رہے گا' اپنے دائیں ہاتھ کی لکڑی ڈال تو سہی' ان کا کیا دھرا یہ تو سب ہڑپ کر جائے گی' یہ سب تو جادوگری کا کرشمہ ہے' بھلا جادو والے بھی کبھی کامیاب ہوئے ہیں؟ بڑی موٹی موٹی رسیاں اور لمبی لمبی لکڑیاں انہوں نے ڈالی تھیں جو سب چلتی پھرتی دوڑتی بھاگتی معلوم ہو رہی تھیں۔ یہ جادوگر پندرہ ہزار یا تیس ہزار سے اوپر اوپر تھے یا ستر ہزار کی تعداد میں تھے' ہر ایک اپنے ساتھ رسیاں اور لکڑیاں لایا تھا' صف بستہ کھڑے تھے اور لوگ چاروں طرف موجود تھے ہر ایک ہمہ تن شوق بنا ہوا تھا فرعون اپنے لاؤ لشکر اور درباریوں سمیت بڑے رعب سے اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تھا' ادھر وقت ہوا' ادھر سب کی نگاہوں نے دیکھا کہ ایک درویش صفت اللہ کا نبی اپنے ساتھ اپنے بھائی کو لئے ہوئے لکڑی ٹکاتے ہوئے آ رہے ہیں' یہ تھے جن کے مقابلے کی یہ دھوم دھام تھی' آپ کے آتے ہی جادوگروں نے صرف یہ دریافت کر کے کہ ابتدا کس کی طرف سے ہونی چاہئے خود ابتدا کر دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی' پھر فرعون کی' پھر تماشائیوں کی آنکھوں پر جادو کر کے سب کو ہیبت زدہ کر دیا' اس کے بعد انہوں نے اپنی اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینکیں تو ہزارہا کی تعداد میں پہاڑوں کے برابر سانپ نظر آنے لگے جو اوپر تلے ایک دوسرے سے لپٹ رہے تھے' ادھر ادھر دوڑ رہے ہیں' میدان بھر گیا ہے' انہوں نے اپنے فن کا پورا مظاہرہ کر دکھایا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی لکڑی ڈال دے وہ اسی وقت ان کے رچائے ہوئے تمام ڈھونگ کو نگلنے لگی ○ تو حق ثابت ہو گیا اور وہ جو کچھ کر رہے تھے محض باطل ہو گیا ○ قوم فرعون وہاں ہار گئی اور بڑی ذلیل وخوار ہوئی ○ اور سارے ہی جادوگر سجدے میں گر پڑے ○ اور صاف کہہ دیا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لائے ○ یعنی موسیٰؑ اور ہارونؑ کے رب پر ○

جادوگر سجدہ ریز ہو گئے: ☆☆ (آیت: ۱۱۷-۱۲۲) اسی میدان میں جادوگروں کے اس حملے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؑ کو بذریعہ وحی حکم فرمایا کہ اپنے دائیں ہاتھ سے لکڑی کو صرف زمین پر گرا' وہ اسی وقت ان کے سارے ہی لغویات ہضم کر جائے گی' چنانچہ یہی ہوا آپ کی لکڑی نے اژدھا بن کر سارے میدان کو صاف کر دیا' جو کچھ وہاں تھا' سب کو ہڑپ کر لیا ایک بھی چیز اب میدان میں نظر نہ آتی تھی' پھر حضرت موسیٰؑ نے جہاں اس پہ ہاتھ رکھا' وہ ویسی کی ویسی لکڑی بن گئی - یہ دیکھتے ہی جادوگر سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں' یہ تو سچ مچ اللہ کی طرف کا معجزہ ہے' حق ثابت ہو گیا' باطل دب گیا' تمیز ہو گئی' معاملہ صاف ہو گیا' فرعونی بری طرح ہارے اور بری طرح پسپا ہوئے۔

ادھر جادوگر اپنا ایمان چھپا نہ سکے' جان کے خوف کے باوجود اسی میدان میں سجدہ ریز ہو گئے اور کہنے لگے حضرت موسیٰ کے پاس جادو نہیں' یہ تو اللہ کی طرف سے معجزہ ہے جو خود اللہ نے اسے عطا فرما رکھا ہے' ہم تو اس اللہ پر ایمان لائے' حقیقتاً رب العالمین وہی ہے۔ پھر کسی کو کچھ اور شبہ نہ ہو' یا کوئی کسی طرح کی تاویل نہ کر سکے اور صفائی کر دی کہ ان دونوں بھائیوں اور اللہ کے سچے نبیوں' یعنی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے پروردگار کو ہم نے تو مان لیا۔ حضرت قاسم کا بیان ہے کہ جب یہ سجدے میں گرے تو اٹھنے سے پہلے ہی پروردگار عالم نے دوزخ دکھائی جس سے انہیں بچایا گیا تھا اور جنت دکھائی جو انہیں دی گئی۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا
لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ
تَعْلَمُوْنَ ۝١٢٣ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ
اَجْمَعِيْنَ ۝١٢٤ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝١٢٥ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ
اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا
وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ۝١٢٦ ع ۱۸

فرعون کہنے لگا کہ کیا تم میری اجازت سے پہلے ہی اس پر ایمان لا چکے؟ یقیناً یہ تمہاری ایک مکاری ہے جسے اس شہر میں ظاہر کر کے تم یہاں سے یہاں والوں کو نکال دینا چاہتے ہو' خیر تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا ○ میں تم سب کے ہاتھ پاؤں الٹی سیدھی طرف سے کٹوا کر پھر تمہیں سولی پر لٹکوا دوں گا ○ انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو اپنے رب کی طرف ضرور لوٹنے والے ہیں ○ تو ہم سے محض اسی بات کا انتقام لے رہا ہے کہ ہمارے رب کی نشانیاں جب ہمارے پاس آئیں تو ہم انہیں تسلیم کر لیں' اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر برسا دے اور ہمیں مسلمانی کی حالت میں اٹھا ○

فرعون سیخ پا ہو گیا: ☆☆ (آیت: ۱۲۳-۱۲۶) جادوگروں کے اس طرح مجمع عام میں ہار جانے' پھر اس طرح سب کے سامنے بے دھڑک اسلام قبول کر لینے سے فرعون آگ بگولا ہو گیا اور اس اثر کو روکنے کے لئے سب سے پہلے تو ان مسلمانوں سے کہنے لگا' تمہارا بھید مجھ

پر کھل گیا ہے' تم سب مع موسیٰ کے ایک ہی ہو' یہ تمہارا استاد ہے' تم اس کے شاگرد ہو' تم نے آپس میں پہلے یہ طے کیا کہ تو پہلے چلا جا' پھر ہم آ جائیں گے' اس طرح میدان قائم ہو' ہم مصنوعی لڑائی لڑ کر ہار جائیں گے اور اس طرح اس ملک کے اصلی باشندوں کو یہاں سے نکال باہر کریں گے۔ فرعون کے اس جھوٹ پر اللہ کی مار ہے' کوئی بیوقوف انسان بھی اس کے ایک جملہ کو بھی صحیح نہیں سمجھ سکتا۔ سب کو معلوم تھا موسیٰ علیہ السلام اپنا بچپن فرعون کے محل میں گزارتے ہیں' اس کے بعد مدین میں عمر کا ایک حصہ بسر کرتے ہیں' مدین سے سیدھے مصر کو پہنچ کر اپنی نبوت کا اعلان کرتے ہیں اور معجزے دکھاتے ہیں جن سے عاجز آ کر فرعون اپنے جادوگروں کو جمع کرتا ہے' وہ براہ راست اس کی سپاہ کے ساتھ اس کے دربار میں پیش ہوتے ہیں' انعام واکرام کے لالچ سے ان کے دل بڑھائے جاتے ہیں' وہ اپنی فتح مندی کا یقین دلاتے ہیں' فرعون انہیں اپنی رضامندی کا یقین دلاتا ہے اور خوب تیاریاں کر کے میدان جماتے ہیں۔

حضرت موسیٰ ان میں سے ایک سے بھی واقف نہیں' کبھی نہ کسی کو دیکھا ہے' نہ سنا ہے' نہ ملے ہیں' نہ جانتے ہیں' لیکن' وزیرے چنیں شہریارے چناں' وہاں تو ان لوگوں کا مجمع تھا کہ فرعون نے جب کہا کہ میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں' تو سب نے گردنیں جھکا کر کہا بے شک جناب آپ ہمارے رب ہیں' تو ایسے جہالت کے پلندوں سے کوئی بات منوا لینی کیا مشکل تھی؟ اس کے رعب میں آ کر ایمان لانے کا ارادہ بدلا اور سمجھ بیٹھے کہ واقعی فرعون ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کے امیر سے فرمایا کہ اگر میں غالب آ جاؤں تو کیا تو مجھ پر ایمان لائے گا؟ اس نے کہا آج میدان میں ہماری جانب جو جادو پیش کیا جائے گا' اس کا جواب ساری مخلوق کے پاس نہیں' تو اگر اس پر غالب آ گیا تو مجھے بے شک یقین ہو جائے گا کہ وہ جادو نہیں معجزہ ہے۔ یہ گفتگو فرعون کے کانوں تک پہنچی' اسے یہ دوہرا رہا ہے کہ تم نے ملی بھگت کر لی۔ اس طرح لوگوں کے دل حقانیت سے ہٹا کر انہیں بدظن کرنے کے لئے دوسری چال یہ چلتا اور کہتا ہے کہ تم اپنے اکٹھ' اتفاق اور پوشیدہ چال سے چاہتے یہ ہو کہ ہماری دولت وشوکت چھین لو' ہمیں یہاں سے نکال باہر کرو۔ اس طرح اپنی قوم کے دل ان کی طرف سے پھیر کر' پھر انہیں خوفزدہ کرنے کے لئے چوتھی چال چلتا ہے' کہ ان نومسلموں سے کہتا ہے کہ دیکھو تو تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ سو میں کتنے بیس ہوتے ہیں۔ مجھے بھی قسم ہے جو تمہارے ہاتھ پاؤں نہ کٹوائے اور وہ بھی الٹی طرح یعنی پہلے اگر سیدھا ہاتھ کاٹا جائے تو پھر بایاں پاؤں اور اگر پہلے سیدھا پاؤں کاٹا گیا تو پھر الٹا ہاتھ' اسی طرح بے دست وپا کر کے کھجوروں کی شاخوں پر لٹکا دوں گا۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اس ظالم بادشاہ سے پہلے ان دونوں سزاؤں کا رواج نہ تھا' یہ دھمکی دے کر وہ سمجھتا تھا کہ اب یہ نرم پڑ جائیں گے لیکن وہ تو ایمان میں اور پختہ ہو گئے' بالاتفاق جواب دیتے ہیں کہ اچھا ڈرایا؟ یہاں سے تو واپس اللہ کے پاس جانا ہی ہے اسی کے قبضہ و قدرت میں سب کچھ ہے' آج اگر تیری سزاؤں سے بچ گئے تو کیا اللہ کے ہاں کی سزائیں بھی معاف ہو جائیں گی؟ ہمارے نزدیک تو دنیا کی سزائیں بھگت لینا بہ نسبت آخرت کے عذاب کے بھگتنے کے بہت ہی آسان ہے' تو ہم سے اللہ کے نبی کا مقابلہ کرا چکا ہے' لیکن اب جبکہ ہم پر حق واضح ہو گیا' ہم اس پر ایمان لے آئے تو تو چڑ رہا ہے' کہنے کو تو یہ سب کچھ کہہ گئے لیکن پھر خیال آیا کہ کہیں ہمارا قدم پھسل نہ جائے۔ اس لئے دعا میں دل کھول دیا کہ اے اللہ ہمیں صبر عطا فرما' ثابت قدمی دے' ہمیں اسلام پر ہی موت دے' تیرے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کرتے ہوئے ہی دنیا سے رخصت ہوں' ایسا نہ ہو اس ظالم کے رعب میں یا اس کی دھمکیوں میں آ جائیں یا سزاؤں سے ڈر جائیں یا ان کے برداشت کی تاب نہ لائیں۔ ان دعاؤں کے بعد دل بڑھ جاتے ہیں' ہمتیں دوگنا ہو جاتی ہیں۔ فرعون کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتے ہیں' تجھے جو کرنا ہے اس میں کمی نہ کر' کوئی کسر اٹھا نہ رکھ' جو جی میں ہے کر گذر' تو تو دنیا ہی میں سزائیں دے سکتا ہے' ہم صبر کر لیں گے' کیا

عجب کہ ہمارے ایمان کی وجہ سے اللہ ہماری خطائیں معاف فرمائے خصوصاً اس وقت کی یہ خطا کہ ہم نے جھوٹ سے سچ کا مقابلہ کیا' بے شک اللہ بہتر ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ گناہگاروں کے لئے اس کے ہاں جہنم کی سزا ہے جہاں نہ موت آئے نہ کارآمد زندگی ہو اور مومنوں کے لئے اس کے پاس جنتیں ہیں جہاں بڑے بلند درجے ہیں۔ سبحان اللہ یہ لوگ دن کے ابتدائی حصے میں کافر اور جادوگر تھے اور اسی دن کے آخری حصے میں مومن بلکہ نیک شہید تھے۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ۭ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَاۗءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَاۗءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

فرعون کے قومی سرداروں نے کہا کہ کیا اے بادشاہ آپ موسیٰ کو اور اس کی قوم کو یوں ہی زمین میں فساد مچانے دیا کریں گے؟ کہ وہ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو بھی چھوڑ بیٹھیں؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں' ہم تو ان کے لڑکوں کو قتل کرا دیا کریں گے اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیں گے' ہم ان پر ہر طرح غالب ہیں ○

آخری حربہ' بغاوت کا الزام: ☆☆ (آیت: ۱۲۷) فرعون اور فرعونیت نے حضرت موسیٰ اور مسلمانوں کے خلاف جو منصوبے سوچے' ان کا بیان ہو رہا ہے کہ ایک دوسرے کو ان مسلمانوں کے خلاف ابھارتے رہے۔ کہنے لگے یہ تو آپ کی رعایا کو بہکاتے ہیں' بغاوت پھیلا دیں گے' ملک میں بدامنی پیدا کریں گے' ان کا ضرور اور جلد کوئی انتظام کرنا چاہئے۔ اللہ کی شان دیکھئے' یہ کیسے مصلح بنے ہوئے ہیں کہ اللہ کے رسول اور مومنوں کے فساد سے دنیا کو بچانا چاہتے ہیں' حالانکہ مفسد اور بدنفس خود ہیں۔ وَيَذَرَكَ میں بعض تو کہتے ہیں واؤ حالیہ ہے یعنی درآنحالیکہ موسیٰؑ اور قوم موسیٰ نے تیری پرستش چھوڑ رکھی ہے' پھر بھی تو انہیں زندہ رہنے دیتا ہے؟ حضرت ابی بن کعبؓ کی قرات میں ہے وَقَدْ تَرَكُوْكَ اَنْ يَّعْبُدُوْا اٰلِهَتَكَ اور قول ہے کہ واؤ عاطفہ ہے یعنی تو نے انہیں چھوڑ رکھا ہے' جس فساد کو یہ برپا کر رہے ہیں اور تیرے معبودوں کے چھوڑنے پر اکسا رہے ہیں۔ بعض کی قرأت اِلَاهَتَكَ ہے یعنی تیری عبادت سے۔ بعض کا بیان ہے کہ فرعون بھی کسی کی پوجا کرتا تھا۔

ایک قول ہے کہ اسے وہ پوشیدہ راز میں رکھتا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کا بت اس کی گردن میں ہی لٹکتا رہتا تھا جسے یہ سجدہ کرتا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کسی بہترین گائے پر فرعون کی نگاہ پڑ جاتی تو لوگوں سے کہہ دیتا کہ اس کی پرستش کرو' اسی لئے سامری نے بھی بنی اسرائیل کے لئے بچھڑا نکالا۔ الغرض اپنے سرداروں کی بات سن کر فرعون جواب دیتا ہے کہ اب ان کے لئے ہم احکام جاری کریں گے کہ ان کے ہاں جو اولاد ہو' دیکھ لی جائے' اگر لڑکا ہو تو قتل کر دیا جائے' لڑکی ہو تو زندہ چھوڑ دی جائے۔ پہلے سرکش فرعون ان مساکین کے ساتھ یہی کر چکا تھا جبکہ اسے یہ منظور تھا کہ حضرت موسیٰؑ پیدا ہی نہ ہوں' لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ غالب آیا اور حضرت موسیٰ باوجود اس کے حکم کے زندہ و سالم بچے رہے۔ اب دوبارہ اس نے یہی قانون جاری کر دیا تاکہ بنی اسرائیل کی جمعیت ٹوٹ جائے' یہ کمزور پڑ جائیں اور بالآخر ان کا نام مٹ جائے' لیکن قدرت نے اس کا بھی خلاف کر دکھایا' اس کو اور اس کی قوم کو غارت کر دیا اور بنی اسرائیل کو اوج و ترقی پر پہنچا دیا۔

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ڐ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۭ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ

يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ
تَعْمَلُونَ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۵

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد مانگو اور صبر سے کام لو زمین کا حقیقی مالک اللہ ہی ہے' اپنے بندوں میں سے جسے چاہے' اس کا وارث بنا دیتا ہے' انجام کار کی بہتری پرہیزگاروں ہی کا حصہ ہے ○ وہ کہنے لگے کہ آپ کے آنے سے پہلے بھی ہمیں تو تکلیفیں پہنچائی جاتی رہیں اور آپ ہمارے پاس آ چکے' اس کے بعد بھی فرمایا' بہت قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمنوں کو بالکل ہی تاخت و تاراج کر دے اور خود تمہیں ہی زمین کا خلیفہ بنا دے' پھر دیکھ لے کہ تم کیسے کچھ اعمال کرتے ہو؟ ○

(آیت: ۱۲۸۔۱۲۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس تکبر کے مقابلے میں تحمل اور اس کے ظلم کے مقابلے میں صبر سے کام لیا' اپنی قوم کو سمجھایا اور بتایا کہ اللہ فرما چکا ہے کہ ہر لحاظ سے تم ہی اچھے رہو گے' تم اللہ سے مدد چاہو اور صبر کرو۔ قوم کے لوگوں نے کہا' اے اللہ کے نبی آپ کی نبوت سے پہلے بھی ہم اس طرح ستائے جاتے رہے' اسی ذلت و اہانت میں مبتلا رہے اور اب پھر یہی نوبت آئی ہے' آپ نے مزید تسلی دی اور فرمایا کہ گھبراؤ نہیں' یقین مانو کہ تمہارا بدخواہ ہلاک ہوگا اور تم کو اللہ تعالیٰ اوج پر پہنچائے گا۔ اس وقت وہ دیکھے گا کہ کون کتنا شکر بجا لاتا ہے؟ تکلیف کا ہٹ جانا' راحت کا مل جانا انسان کو نہال نہال کر دیتا ہے' یہ پورے شکریے کا وقت ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقْصٍ مِنَ الثَّمَرَاتِ
لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿۱۳۰﴾ فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَٰذِهِ ۖ
وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ ۗ أَلَا إِنَّمَا
طَائِرُهُمْ عِنْدَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوا
مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۲﴾

ہم نے فرعونیوں کو قحط سالیوں اور پھلوں کی کمی میں گرفتار کیا کہ وہ نصیحت حاصل کر لیں ○ انہیں جب راحت ملتی' کہتے ہم اسی کے قابل ہیں اور جب کبھی کوئی تکلیف پہنچتی تو موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست سے بتاتے' آگاہ رہو کہ ان کی بدشگونی تو اللہ کے پاس ہے لیکن یہ محض بے خبر ہیں ○ کہنے لگے کہ موسیٰ تو ہمیں جادو کرنے کے لئے جو بھی چاہے نشان لے آ ہم تو تیری مان کر دیتے ہی نہیں ○

اعمال کا خمیازہ: ☆☆ (آیت: ۱۳۰-۱۳۱) اب آل فرعون پر بھی سختی کے مواقع آئے تاکہ ان کی آنکھیں کھلیں اور اللہ کے دین کی طرف جھکیں' کھیتیاں کم آئیں' قحط سالیاں پڑ گئیں' درختوں میں پھل کم لگے یہاں تک کہ ایک درخت میں ایک ہی کھجور لگی یہ صرف بطور آزمائش تھا کہ وہ اب بھی ٹھیک ٹھاک ہو جائیں' لیکن ان عقل کے اندھوں کو راستی سے دشمنی ہوگئی' شادابی اور فراخی دیکھ کر تو اکڑ کر کہتے کہ یہ ہماری وجہ سے ہے اور خشک سالی اور تنگی دیکھ کر آواز لگاتے کہ یہ موسیٰ اور مومنوں کی وجہ سے ہے' جبکہ مصیبتیں اور راحتیں اللہ کی جانب سے ہیں' لیکن بے عملی کی باتیں بناتے رہے' ان کی بدشگونی ان کے بداعمال تھے جو اللہ کی طرف سے ان پر مصیبتیں لاتے تھے۔

سیاہ دل لوگ اقرار کے بعد انکار کرتے رہے: ☆☆ (۱۳۲-۱۳۵) ان کی سرکشی اور ضد دیکھئے کہ حضرت موسیٰ سے صاف کہتے ہیں کہ

آپ خواہ کتنی ہی دلیلیں پیش کریں، کیسے ہی معجزے بتائیں، ہم ایمان لانے والے نہیں، ہم جانتے ہیں کہ یہ سب آپ کے جادو کے کرشمے ہیں۔ ان پر طوفان آیا، بکثرت بارشیں برسیں جس سے پھل اور اناج تباہ ہوگئے اور اسی سے وبا اور طاعون کی بیماری پھیل پڑی۔ اسی لئے بعض مفسرین نے کہا ہے، طوفان سے مراد موت ہے۔ بعض کہتے ہیں کوئی زبردست آسمانی آفت آئی تھی جس نے انہیں گھیر لیا تھا، ٹڈیوں کی مصیبت ان پر آئی یہ ایک حلال جانور ہے۔ عبداللہ بن ابی اوفیؓ سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا، سات غزوے میں نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ کئے ہیں، ہر ایک میں ہم تو ٹڈیاں کھاتے رہے۔

مسند احمد اور ابن ماجہ میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں، دو مردے اور دو خون ہمارے لئے حلال کئے گئے ہیں، مچھلی اور ٹڈی اور کلیجی اور تلی۔ ابوداؤد میں ہے، حضورؐ سے ٹڈی کی نسبت سوال ہوا تو آپؐ نے فرمایا، اللہ کے لشکر بہت سے ہیں جنہیں نہ میں کھاتا ہوں نہ حرام کہتا ہوں۔ حضورؐ نے طبیعت نہ چاہنے کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا جیسے گوہ کو آپ نے نہیں کھایا، حالانکہ دوسروں کو اس کے کھانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ حافظ ابن عساکر رحمتہ اللہ علیہ نے ایک مستقل رسالہ اس میں تصنیف فرمایا ہے، اس میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضورؐ ٹڈی نہیں کھاتے تھے اور نہ گردے کھاتے تھے اور نہ گوہ، لیکن انہیں آپ نے حرام نہیں کیا۔ ٹڈی اس وجہ سے کہ وہ عذاب ہے، گردے اس وجہ سے کہ یہ پیشاب کے قریب ہیں اور گوہ اس وجہ سے کہ آپ کو خوف تھا کہ کہیں یہ مسخ شدہ امت نہ ہو، پھر یہ روایت بھی غریب ہے، صرف یہی ایک سند ہے امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ٹڈی کو بڑی رغبت سے کھایا کرتے، تلاش کر کے منگوایا کرتے، چنانچہ کسی نے آپ سے مسئلہ پوچھا کہ ٹڈی کھائی جائے؟ آپ نے فرمایا کاش کہ ایک دو لپیں مل جاتیں تو کیسے مزے سے کھاتے۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ
وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾
وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا
عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ
وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ
اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیاں اور چچڑی، جوئیں اور مینڈک اور خون جدا جدا نشانات لیکن یہ اکڑتے ہی رہے، یہ تھے ہی بڑے ہی نافرمان لوگ ○ کوئی سزا جب ان پر آجاتی تو کہنے لگتے، اے موسیٰ اپنے رب سے ہمارے لئے بمطابق اس اقرار کے جو تجھ سے ہے، دعا کر، اگر تو نے ہم سے یہ عذاب ہٹا دیا تو ہم ضرور تجھ پر ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو ہم تیرے ساتھ بھیج دیں گے ○ پھر جب ہم ان سے اپنے عذاب ہٹا لیتے اس مدت تک جسے وہ پہنچنے والے ہی ہیں، اسی وقت فوراً ہی وہ عہد شکنی کر ڈالتے ○

ابن ماجہ میں ہے کہ امہات المومنین تو طباقوں میں لگا کر ٹڈیاں ہدیے اور تحفے کے طور پر بھیجتی تھیں۔ امام بغوی ایک روایت لائے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا حضرت مریم بنت عمران علیہا السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ایسا گوشت مجھے کھلا جس میں خون نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے انہیں ٹڈی کھلائی۔ آپ نے ان کے لئے دعا کی کہ اے اللہ اسے بغیر دودھ پینے کے زندگی دے اور اس کی اولاد کو بغیر آواز نکالے اس کے

پیچھے لگا دے- ایک بہت ہی غریب حدیث میں ہے کہ ٹڈیوں کو مارو نہیں یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا لشکر ہے- مجاہدؒ فرماتے ہیں' یہ ٹڈیاں ان کے دروازوں کی کیلیں کھا جاتی تھیں اور لکڑی چھوڑ دیتی تھیں- اوزاعی کہتے ہیں' میں ایک دن جنگل میں تھا' کیا دیکھتا ہوں کہ ٹڈیاں بہت سی آسمان کی طرف ہیں اور ان میں سے ایک ٹڈی پر ایک شخص سوار ہے جو ہتھیار بند ہے' جو جس طرف اشارہ کرتا ہے' ساری ٹڈیاں اس طرف کو جھک جاتی ہیں اور وہ زبان سے برابر کہہ رہا ہے کہ دنیا باطل ہے اور اس میں جو ہے وہ بھی باطل ہے-

شریح قاضی فرماتے ہیں' اس جانور میں سات مختلف جانوروں کی شان ہے' اس کا سر گھوڑے جیسا ہے' گردن بیل جیسی ہے' سینہ شیر جیسا ہے' پر گدھ جیسے ہیں' پیر اونٹ جیسے ہیں' دم سانپ کی طرح ہے' پیٹ بچھو جیسا ہے- آیت اُحِلَّ لَكُمۡ صَيۡدُ الۡبَحۡرِ کی تفسیر میں یہ روایت گزر چکی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج یا عمرے میں جا رہے تھے تو سامنے سے ہمیں ٹڈی دل ملا' ہم نے احرام کی حالت میں انہیں لکڑیوں سے مارنا شروع کیا' حضورؐ سے سوال کرنے پر آپؐ نے فرمایا' دریائی شکار میں محرم کو کوئی حرج نہیں حضور ﷺ جب ان ٹڈیوں کے لئے بددعا کرتے تو فرماتے اے اللہ جتنی ان میں سے بڑی ہیں' تو انہیں سب کو ہلاک کر ڈال اور جتنی چھوٹی ہیں' سب کو قتل کر ڈال' ان کے انڈے خراب کر دے' ان کی نسل کاٹ دے' ان کے منہ ہماری روزی سے روک لے' ہمیں روزیاں عطا فرما' بے شک تو دعاؤں کا سننے والا ہے- اس پر حضرت جابرؓ نے عرض کیا' یا رسول اللہؐ اللہ کے ایک لشکر کے غارت و برباد ہو جانے کی آپ دعا کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ تو سمندر کے اندر کی مچھلیوں کا ناک جھاڑن ہے' چنانچہ بعض لوگوں نے اسے مچھلی میں سے اسی طرح نکلتے دیکھا ہے- جب مچھلی سمندر کے کنارے انڈے دے جاتی ہے وہاں سے جب پانی ہٹ جاتا ہے اور دھوپ پڑنے لگتی ہے تو وہ سب انڈے پھوٹ جاتے ہیں اور ان میں سے ٹڈیاں نکلتی ہیں جو پرواز کر جاتی ہیں آیت قرآن اِلَّآ اُمَمٌ اَمۡثَالُكُمۡ کی تفسیر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ حدیث ہم نے بیان کر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار امتیں پیدا کی ہیں جن میں سے چھ سو تری میں ہیں اور چار سو خشکی میں' سب سے پہلے ہلاکت ٹڈیوں کی ہوگی- امام ابوبکر بن ابوداؤد ایک حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' لکڑی تلوار کے مقابلے پر کچھ نہیں اور درخت کی چھال ٹڈی کے مقابلے میں کچھ نہیں' یہ حدیث غریب ہے- قمل کے بارے میں ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ یہ وہ سیاہ رنگ کے چھوٹے چھوٹے جانور ہیں جو گیہوں میں سے نکلتے ہیں ایک قول ہے کہ یہ بھی ایک قسم کی بے پر کی ٹڈیاں ہیں-

سعید کہتے ہیں' سیاہ رنگ کے چھوٹے سے کیڑے ہیں اس کا واحد قملہ ہے' یہ جانور جب اونٹ کو چمٹ جاتے ہیں تو اسے ہلاک کر دیتے ہیں الغرض ایسے ہی موذی جانور بصورت عذاب فرعونیوں کے لئے بھیجے گئے تھے- فرعون کی سرکشی اور انکار پر طوفان آیا جس سے انہیں یقین ہو گیا کہ یہ اللہ کا عذاب ہے' گڑگڑا کر حضرت موسیٰ سے عرض کرنے لگے کہ اللہ سے دعا کیجئے' یہ موسلا دھار پانی رک جائے تو ہم آپ پر ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ کر دیں گے' آپ نے دعا کی' طوفان ہٹ گیا تو یہ اپنے وعدے سے پھر گئے' پھر اللہ کی شان ہے کہ کھیتیاں اور باغات اس قدر پھلے کہ اس سے پہلے کبھی ایسے نہیں پھلے تھے' جب تیار ہو گئے تو ٹڈیوں کا عذاب آیا' اسے دیکھ کر پھر گھبرائے اور موسیٰ علیہ السلام سے عرض کرنے لگے کہ اللہ سے دعا کیجئے کہ یہ عذاب ہٹا لے اب ہم پختہ وعدہ کرتے ہیں چنانچہ آپ کی دعا سے یہ عذاب بھی ہٹ گیا' لیکن انہوں نے پھر وعدہ شکنی کی' فصلیں کاٹ لائے' کھلیان اٹھا لئے' لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب پھر اور شکل میں آیا' تمام اناج وغیرہ میں کیڑا لگ گیا' اس قدر بکثرت یہ جانور پھیل گئے کہ دس پیمانے لے کر کوئی شخص پسوانے نکلتا تو پسوانے تک وہ جانور سات پیمانے کھا لیتے' گھبرا کر موسیٰ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے' پھر وعدے کئے آپ نے پھر دعا کی' اللہ تعالیٰ نے اس آفت کو بھی ہٹا لیا' لیکن انہوں نے پھر

بے ایمانی کی' نہ بنی اسرائیل کو رہا کیا نہ ایمان قبول کیا' اس پر مینڈکوں کا عذاب آیا' دربار میں فرعون بیٹھا ہوا ہے تو وہیں مینڈک ظاہر ہو کر ٹرانے لگا' سمجھ گئے کہ یہ نئی شکل کا عذاب الٰہی ہے اب یہ پھیلنے اور بڑھنے شروع ہوئے یہاں تک کہ آدمی بیٹھتا تو اس کی گردن تک آس پاس سے اسے مینڈک گھیر لیتے' جہاں بات کرنے کے لئے کوئی منہ کھولتا کہ مینڈک تڑپ کر اس کے منہ میں گھس جاتا' پھر تنگ آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس عذاب کے ہٹنے کی درخواست کی اور اقرار کیا کہ ہم خود ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی آزاد کر دیں گچنانچہ آپ نے دعا کی اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت کو بھی دفع کر دیا' لیکن پھر مکر گئے' چنانچہ ان پر خون کا عذاب آیا تمام برتنوں میں خون' کھانے پینے کی چیزوں میں خون' کنویں میں سے پانی نکالیں تو خون' تالاب سے پانی لائیں تو خون' پھر تڑپ اٹھے فرعون نے کہا' یہ بھی جادو ہے لیکن جب تنگ آ گئے تو آخر حضرت موسیٰ سے مع وعدہ درخواست کی کہ ہم تو پانی سے ترس گئے۔ چنانچہ آپ نے قول قرار لے کر پھر دعا کی اور اللہ نے اس عذاب کو بھی ہٹا لیا لیکن یہ پھر منکر ہو گئے۔ فرعون جب میدان سے ناکام واپس لوٹا تو اس نے ٹھان لی تھی کہ خواہ کچھ بھی ہو' میں ایمان نہ لاؤں گا۔

چنانچہ طوفان کی وجہ سے بھوکوں مرنے لگے' پھر ٹڈیوں کا عذاب آیا تو درخت تو کیا گھر کی چوکھٹیں اور دروازوں تک وہ کھا گئیں' مکانات گرنے لگے' پھر حضرت موسیٰ نے اللہ کے حکم سے ایک پتھر پر لکڑی ماری' جس میں سے بے شمار چچڑیاں نکل پڑیں اور پھیل گئیں کھانا' پینا' سونا' بیٹھنا' سب بند ہو گیا' پھر مینڈکوں کا عذاب آیا' جہاں دیکھو مینڈک ہی مینڈک نظر آنے لگے' پھر خون کا عذاب آیا نہریں' تالاب' کنویں' مٹکے' گھڑے وغیرہ غرض بجائے پانی کے خون ہی خون سب چیزیں ہو گئیں۔ عبیداللہ بن عمرو فرماتے ہیں' مینڈک کو نہ مارو' یہ جب بصورت عذاب فرعونیوں کے پاس آئے تو ایک نے اللہ کی رضاجوئی کے لئے تنور میں چھلانگ ماری' اللہ نے اس کے بدلے انہیں پانی کی ٹھنڈک عطا فرمائی اور ان کی آواز کو اپنی تسبیح بنایا۔ یہ بھی مروی ہے کہ خون سے مراد نکسیر پھوٹنا ہے الغرض ہر عذاب کو دیکھ کر اقرار کرتے' لیکن جب حضرت موسیٰ کی دعا سے وہ ہٹ جاتا تو پھر انکار کر جاتے۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

پھر ہم نے ان سے انتقام لیا اور سب کو دریا میں ڈبو دیا اس لئے کہ وہ ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے غافل تھے ○ اور قوم کو وارث کیا جو محض ناتواں گنی جاتی تھی اس زمین کی مشرقوں اور مغربوں کا جس میں ہم نے برکت دے رکھی تھی اور بنی اسرائیل سے تیرے رب کا بہترین وعدہ پورا ہوا' صرف ان کے صبر کی وجہ سے اور ہم نے درہم برہم کر دیا ہر اس چیز کو جسے قوم فرعون کر رہی تھی اور جو کچھ وہ بلند و بالا عمارتیں بنا رہے تھے سب کو ○

انجام سرکشی: ☆☆ (آیت:۱۳۶-۱۳۷) جب یہ لوگ اپنی سرکشی اور خود پسندی میں اتنے بڑھ گئے کہ باری تعالیٰ کی بار بار کی نشانیاں دیکھتے ہوئے بھی ایمان لانے سے برابر انکار کرتے رہے' تو قدرت نے اپنے زبردست انتقام میں انہیں پھانس لیا اور سب کو دریا برد کر دیا۔

بنو اسرائیل بحکم اللہ تعالیٰ ہجرت کر کے چلے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے دریا ان کے لئے خشک ہو گیا' پھر فرعون اور اس کے ساتھی اس میں اترے تو دریا میں پھر روانی آ گئی اور پانی کا ریلا آیا اور وہ سب ڈوب گئے' یہ تھا انجام اللہ کی باتوں کو جھوٹ سمجھنے اور ان سے غافل رہنے کا۔ پھر پروردگار نے بنو اسرائیل جیسے کمزور و ناتواں لوگوں کو اس زمین کا وارث بنا دیا' مشرق و مغرب ان کے قبضے میں آ گیا جیسے فرمان ہے کہ ہم نے ان بے بسوں پر احسان کرنا چاہا اور انہیں امام اور وارث بنانا چاہا' انہیں حکومت سونپ دی اور فرعون و ہامان اور ان کے لشکریوں کو وہ نتیجہ دکھایا جس سے وہ بھاگ رہے تھے۔ فرعونیوں سے ہرے بھرے باغات' چشمے' کھیتیاں' عمدہ مقامات' فراواں نعمتیں چھڑوا کر ہم نے دوسری قوم کے سپرد کر دیں' یہ ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے ہے' سرزمین شام برکت والی ہے' بنی اسرائیل کا صبر نیک نتیجہ لایا' فرعون اور اس کی قوم کی بنی بنائی چیزیں غارت ہوئیں۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّهُمْ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

بنی اسرائیل کو جب ہم نے دریا پار کر دیا تو وہ ایک ایسی قوم کے پاس سے گذرے جو اپنے بتوں کی مجاورت کئے بیٹھی تھی' کہنے لگے اے موسیٰ' ہمارے لئے بھی کوئی پوجنے کی چیز بنا دے جیسے کہ ان کے معبود ہیں' آپ نے فرمایا' تم بڑے جاہل لوگ ہو ○ یہ جس مذہب پر ہیں' وہ بھی باطل اور جس عمل پر ہیں وہ بھی باطل ○

شوق بت پرستی: ☆☆ (آیت: ۱۳۸-۱۳۹) اتنی ساری اللہ کی قدرت کی نشانیاں بنی اسرائیل دیکھ چکے لیکن دریا پار اترتے ہی بت پرستوں کے ایک گروہ کو اپنے بتوں کے آس پاس اعتکاف میں بیٹھے دیکھتے ہی موسیٰ سے کہنے لگے کہ "ہمارے لئے بھی کوئی چیز مقرر کر دیجئے تا کہ ہم بھی اس کی عبادت کریں جیسے کہ ان کے معبود ان کے سامنے ہیں' یہ کافر لوگ کنعانی تھے' ایک قول ہے کہ لخم قبیلہ کے تھے' یہ گائے کی شکل بنائے ہوئے اس کی پوجا کر رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا' تم اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال سے محض ناواقف ہو' تم نہیں جانتے کہ اللہ شریک و مثیل سے پاک اور بلند تر ہے یہ لوگ جس کام میں مبتلا ہیں' وہ تباہ کن ہے اور ان کا عمل باطل ہے۔ ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکے شریف سے حنین کو روانہ ہوئے تو راستے میں انہیں بیری کا وہ درخت ملا جہاں مشرکین مجاور بن کر بیٹھا کرتے تھے اور اپنے ہتھیار وہاں لٹکایا کرتے تھے' اس کا نام ذات انواط تھا تو صحابہؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ ایک ذات انواط ہمارے لئے بھی مقرر کر دیں' آپ نے فرمایا' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم نے قوم موسیٰ جیسی بات کہہ دی کہ ہمارے لئے بھی معبود مقرر کر دیجئے جیسا ان کا معبود ہے' جس کے جواب میں حضرت کلیم اللہ نے فرمایا' تم جاہل لوگ ہو' یہ لوگ جس شغل میں ہیں' وہ ہلاکت خیز ہے اور جس کام میں ہیں' وہ باطل ہے ابن جریر۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ یہ درخواست کرنے والے حضرت ابو واقد لیثی تھے' جواب سے پہلے یہ سوال سن کر آنحضرت ﷺ کا اللہ اکبر کہنا بھی مروی ہے اور یہ بھی کہ آپ نے فرمایا کہ تم بھی اپنے اگلوں کی سی چال چلنے لگے۔

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾
وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ
الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ
ع ۱۶ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً
وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ
مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ
سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

کہا کہ کیا میں تمہارے لئے اللہ کے سوا اور معبود تلاش کر دوں؟ اس نے تمہیں تمام جہان پر بزرگی دے رکھی ہے ○ یاد کرو جبکہ ہم نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی جو تمہیں بدترین سزائیں دے رہے تھے' تمہارے لڑکوں کو ذبح کر ڈالتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے' دراصل اس میں تمہارے رب کی جانب سے تمہاری زبردست آزمائش تھی ○ ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور اس وعدہ کو دس روز سے پورا فرمایا اور یوں اس کے رب کا چالیس راتوں کا وعدہ پورا ہو گیا' موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ تو میری قوم میں میرا جانشین رہ' میل جول قائم رکھ اور مفسدوں کی راہ نہ چل ○

ماضی کی یاددہانی: ☆☆ (آیت: ۱۴۰-۱۴۱) انہیں اس گمراہ خیالی سے روکنے کے لئے آپ اللہ تعالیٰ کے احسانات یاد دلا رہے ہیں کہ فرعونیوں کی غلامی سے اللہ نے تمہیں آزادی دلوائی' ذلت و رسوائی سے چھٹکارا دیا' پھر اوج و عزت عطا فرمائی' تمہارے دیکھتے ہوئے تمہارے دشمنوں کو غارت کر دیا' ایسے رب کے سوا اور کوئی لائق عبادت کیسے ہو سکتا ہے؟ فرعون کے وقت کی اپنی ابتری کو بھول گئے جس سے اللہ نے نجات دی۔ اس کی پوری تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

احسانات پہ احسانات: ☆☆ (آیت: ۱۴۲) اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو اپنا وہ احسان یاد دلاتا ہے جس کی وجہ سے موسیٰ کو شرف ہم کلامی حاصل ہوا اور تورات ملی جو ان سب کے لئے باعث ہدایت و نور تھی' جس میں ان کی شریعت کی تفصیل تھی اور اللہ کے تمام احکام موجود تھے۔ تیس راتوں کا وعدہ ہوا' آپ نے یہ دن روزوں سے گذارے' وقت پورا کر کے ایک درخت کی چھال کو چبا کر مسواک کی' حکم ہوا کہ دس اور پورے کر کے پورے چالیس کرو۔ کہتے ہیں کہ ایک مہینہ تو ذوالقعدہ کا تھا اور دس دن ذوالحجہ کے' تو عید والے دن وہ وعدہ پورا ہوا اور اسی دن اللہ کے کلام سے آپ کو شرف ملا اسی دن دین محمدی بھی کامل ہوا ہے۔ جیسے اللہ کا فرمان ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ الخ وعدہ پورا کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور کا قصد کیا جیسے اور آیت میں ہے کہ اے گروہ بنی اسرائیل' ہم نے تمہیں دشمن سے نجات دی اور طور ایمن کا وعدہ کیا' آپ نے جاتے ہوئے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنایا اور انہیں اصلاح کی اور فساد سے بچنے کی ہدایت کی' یہ صرف بطور وعظ کے تھا ورنہ حضرت ہارون علیہ السلام بھی اللہ کے شریف و کریم اور ذی عزت پیغمبر تھے۔ صلوات اللہ و سلام علیہ و علی سائر۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَن تَرَانِي وَلٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۴۳﴾

جب موسیٰ ہمارے وعدے پر حاضر ہوا اور اس کے رب نے اس سے باتیں کیں' کہنے لگا کہ میرے رب مجھے اپنا دیدار دکھا کہ میں تجھے دیکھوں' ارشاد ہوا کہ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا' اچھا اس پہاڑ کی طرف نظریں اٹھا اگر یہ اپنی جگہ ٹھہرا رہے تو تو مجھے دیکھ سکے گا' پھر جب اس کے رب نے اپنی تجلی پہاڑ پر ڈالی تو اسے ریزہ ریزہ کر کے زمین دوز کر دیا اور موسیٰ بھی غش کھا کر گر پڑا' ہوش آتے ہی کہنے لگا کہ تیری ذات پاک ہے' تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں اور تجھ پر ایمان لانے والوں میں اول ہوں ○

طلب زیارت اور موت: ☆☆ (آیت:۱۴۳) وعدے کے مطابق حضرت موسیٰؑ طور پہاڑ پر پہنچے' اللہ کا کلام سنا تو دیدار کی آرزو کی' جواب ملا کہ یہ تیرے لئے ناممکن ہے- اس سے معتزلہ نے استدلال کیا ہے کہ دنیا اور آخرت میں اللہ کا دیدار نہ ہوگا کیونکہ لن ابدی نفی کے لئے آتا ہے لیکن یہ قول بالکل ہی بودا ہے کیونکہ متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ مومنوں کو قیامت کے دن اللہ کا دیدار ہوگا- وہ احادیث آیت وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ إِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ اور آیت كَلَّا إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ کی تفسیر میں آئیں گی ان شاء اللہ- ایک قول اس آیت کی تفسیر میں یہ ہے کہ یہ نفی ابدی ہے لیکن دنیاوی زندگی کے لئے ہے نہ کہ آخرت کے لئے بھی' کیونکہ آخرت میں دیدار باری تعالیٰ مومنوں کو قطعاً ہوگا جیسے کہ آیات و احادیث سے ثابت ہے' اس طرح کوئی معارضہ بھی باقی نہیں رہتا- یہ آیت مثل لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ کے ہے جس کی تفسیر سورۂ انعام میں گزر چکی ہے- سابقہ کتابوں میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس درخواست پر ان سے کہا گیا تھا کہ اے موسیٰ مجھے جو زندہ شخص دیکھ لے' وہ مر جائے' میرے دیدار کی تاب کوئی زندہ لا نہیں سکتا' خشک چیزیں بھی میری تجلی سے تھرا اٹھتی ہیں' چنانچہ پہاڑ کا حال خود کلیم اللہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور خود بھی بے ہوش ہو گئے امام ابو جعفر طبریؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضورؐ فرماتے ہیں کہ جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی ڈالی' اپنی انگلی سے اشارہ کیا تو وہ چکنا چور ہو گیا' راوی حدیث ابو اسماعیل نے اپنے شاگردوں کو اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کر کے بتایا' لیکن اس حدیث کی سند میں ایک راوی مبہم ہے جس کا نام واضح نہیں کیا گیا- ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اپنے انگوٹھے کو اپنی چھنگلیا کی اوپر کی پور پر رکھ کر بتایا کہ اتنے سے جمال سے پہاڑ زمین کے ساتھ ہموار ہو گیا- مسند کی روایت میں ہے کہ حمید نے اپنے استاد سے کہا' اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟ تو استاد نے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا بلکہ حضرت انس بن مالکؓ سے میں نے یہ سنا اور انہوں نے آنحضرت رسول مقبول ﷺ سے-

ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اور امام صاحبؒ نے اسے حسن صحیح غریب فرمایا ہے- مستدرک میں اسے وارد کر کے کہا ہے کہ یہ شرط مسلم پر ہے اور صحیح ہے- خلال کہتے ہیں' اس کی سند صحیح ہے' اس میں کوئی علت نہیں- ابن مردویہ میں بھی مرفوعاً مروی ہے لیکن اسکی بھی سند صحیح نہیں- ابن عباسؓ فرماتے ہیں صرف بقدر چھنگلی انگلی کے تجلی ہوئی تھی جس سے وہ مٹی کی طرح چور چور ہو گیا اور کلیم اللہ بھی بے ہوش ہو گئے

کہتے ہیں وہ پہاڑ دھنس گیا۔ سمندر میں چلا گیا اور حضرت موسیٰؑ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں' وہ پہاڑ اب قیامت تک ظاہر نہ ہو گا بلکہ زمین میں اترتا چلا جاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے' اس تجلی سے چھ پہاڑ اپنی جگہ سے اڑ گئے جن میں سے تین مکے میں ہیں اور تین مدینے میں' احد' ورقان اور رضوی مدینے میں' حرا' ثبیر اور ثور مکے میں۔ لیکن یہ حدیث بالکل غریب ہے بلکہ منکر ہے۔ کہتے ہیں کہ طور پر تجلی کے ظہور سے پہلے پہاڑ بالکل صاف تھے' اس کے بعد ان میں گار اور کھڈ اور شاخیں قائم ہو گئیں' جناب کلیم اللہؑ کی آرزو کے جواب میں انکار ہوا اور پھر مزید تشفی کے لئے فرمایا گیا کہ میری ادنیٰ سی تجلی کی برداشت تجھ سے تو کیا بہت زیادہ قوی مخلوق میں بھی نہیں' دیکھ پہاڑ کی جانب خیال رکھ' پھر اس پر اپنی تجلی ڈالی جس سے پہاڑ جھک گیا اور موسیٰ بے ہوش ہو گئے' صرف اللہ کی نظر نے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیا' وہ بالکل مٹی ہو کر ریت کا میدان ہو گیا۔ بعض قراتوں میں اسی طرح ہے اور ابن مردویہ میں ایک مرفوع حدیث بھی ہے۔ حضرت موسیٰ کو غشی آ گئی۔ یہ ٹھیک نہیں کہ موت آ گئی گو لغتاً یہ بھی ہو سکتا ہے جیسے فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ میں موت کے معنی ہیں' لیکن وہاں قرینہ میں موجود ہے جو اس لفظ سے اسی معنی کے ہونے کی تائید کرتا ہے اور یہاں قرینہ بے ہوشی کی تائید کرتا ہے کیونکہ آگے فرمان ہے۔ فَلَمَّآ اَفَاقَ ظاہر ہے کہ افاقہ بے ہوشی سے ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ ہوش میں آتے ہی اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اور تعظیم وجلال بیان فرمانے لگے کہ واقعی وہ ایسا ہی ہے کہ کوئی زندہ اس کے جمال کی تاب نہیں لا سکتا' پھر اپنے سوال سے توبہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سب بنی اسرائیل سے پہلے میں ایمان لانے والا بنتا ہوں' میں اس پر سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں کہ واقعی کوئی زندہ آنکھ تجھے دیکھ نہیں سکتی۔ یہ مطلب نہیں کہ آپ سے پہلے کوئی مومن ہی نہ تھا بلکہ مراد یہ ہے کہ اللہ کا دیدار زندوں کے لئے ناممکن ہے۔ ابن جریر میں اس آیت کی تفسیر میں محمد بن اسحاق بن یسار کی روایت سے ایک عجیب وغریب مطول اثر نقل کیا گیا ہے عجب نہیں کہ یہ اسرائیلی روایات میں سے ہو' واللہ اعلم۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایک یہودی کو کسی نے ایک تھپڑ مارا تھا' وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس شکایت لایا کہ آپ کے فلاں انصاری صحابی نے مجھے تھپڑ مارا ہے' آپ نے اسے بلوایا اور اس سے پوچھا' اس نے کہا سچ ہے' وجہ یہ ہوئی کہ یہ کہہ رہا تھا' اس اللہ کی قسم ہے جس نے موسیٰؑ کو تمام جہان پر فضیلت دی تو میں نے کہا' کیا حضرت محمد ﷺ پر بھی؟ اور غصے میں آ کر میں نے اسے تھپڑ مار دیا' آپ نے فرمایا' سنو نبیوں کے درمیان تم مجھے فضیلت نہ دیا کرو' قیامت میں سب بے ہوش ہوں گے' سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا تو میں دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش الٰہی کا پایا تھامے ہوئے ہیں' میں نہیں کہہ سکتا کہ انہیں مجھ سے پہلے افاقہ ہوا یا طور کی بے ہوشی کے بدلے یہاں بے ہوش ہی نہیں ہوئے؟ یہ حدیث بخاری شریف میں کئی جگہ ہے اور مسلم شریف میں بھی ہے اور ابوداؤد میں بھی ہے۔

بخاری ومسلم کی ایک اور روایت میں ہے کہ ایک مسلمان اور یہودی کا جھگڑا ہو گیا اس پر مسلمان نے کہا' اس کی قسم جس نے حضرت محمد ﷺ کو تمام جہان پر فضیلت دی اور یہودی نے کہا' اس کی قسم جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام جہان پر فضیلت دی' اس پر مسلمان نے اسے تھپڑ مارا۔ اس روایت میں ہے کہ شاید موسیٰؑ ان میں سے ہوں جن کا اللہ تعالیٰ نے بے ہوشی سے استثنا کر لیا۔ حافظ ابوبکر ابن ابی الدنیا رحمتہ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ یہ تھپڑ مارنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے' لیکن بخاری ومسلم کی حدیث میں یہ فرمان کہ تم نبیوں کے درمیان مجھے فضیلت نہ دو' ایسا ہی ہے جیسے اور حدیث میں بھی فرمان ہے کہ نبیوں میں مجھے فضیلت نہ دو' نہ حضرت یونس بن متی علیہ السلام پر فضیلت دو یہ فرمان بطور تواضع کے ہے' یا یہ فرمان اس سے پہلے ہے کہ آپ کو اپنی فضیلت کا علم اللہ کی طرف سے ہوا ہو' یا یہ مطلب ہے کہ غصے میں آ کر یا تعصب کی بنا پر مجھے فضیلت نہ دو' یا یہ کہ صرف اپنی رائے سے میری فضیلت قائم نہ کرو۔ واللہ اعلم لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہوں گے' یہ بے ہوشی میدان قیامت کی بعض ہولناکیوں کی وجہ سے ہو گی۔ واللہ اعلم۔ بہت ممکن ہے یہ اس وقت کا حال ہو

جب الہ الملك و دیان تبارک وتعالیٰ لوگوں کے درمیان حق فیصلے کرنے کے لئے تشریف لائے گا تو اس کی تجلی سے لوگ بے ہوش ہو جائیں گے' جیسے حضرت موسیٰ اللہ کے جمال کی برداشت کوہ طور پر نہ لا سکے۔ اسی لئے آپ کا فرمان ہے کہ نہ معلوم مجھ سے پہلے انہیں افاقہ ہوا یا طور کی بے ہوشی کے بدلے یہاں بے ہوش نہ ہوئے۔ قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب الشفا کے شروع میں لکھتے ہیں کہ دیدار الٰہی کی اس تجلی کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اس چیونٹی کو بھی دیکھ لیا کرتے تھے جو دس فرسخ دور رات کے اندھیرے میں کسی پتھر پر چل رہی ہو اور بہت ممکن ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں سے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے' معراج کے واقعہ کے بعد مخصوص ہوئے ہوں اور آپ نے رب کی بڑی بڑی نشانیاں ملاحظہ فرمائیں' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا قاضی صاحب کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے حالانکہ اس کی سند غور طلب ہے' اس میں مجہول راوی ہیں اور ایسی باتیں جب تک ثقہ راویوں کے سلسلے سے نہ ثابت ہوں قابل قبول نہیں ہوتیں۔ واللہ اعلم۔

قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۗ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ میں نے تجھے اور لوگوں سے ممتاز کیا اپنی رسالت کے ساتھ بھی اور اپنے کلام سے بھی پس جو بھی میں نے تجھے عطا فرمایا ہے' لے لے اور شکر گذاروں میں شامل رہ ○ اور ہم نے موسیٰ کے لئے توراۃ کی تختیوں میں ہر طرح کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی' اب تو اسے مضبوطی سے پکڑے رہ اور اپنی قوم کو بھی حکم دے کہ اس کی عمدہ باتیں مضبوطی سے لئے رہیں' میں عنقریب تمہیں نافرمانوں کے گھر بھی دکھا دوں گا ○

انبیاء کی فضیلت پر ایک تبصرہ: ☆☆ (آیت: ۱۴۴-۱۴۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جناب باری تعالیٰ فرماتا ہے کہ دوہری نعمت آپ کو عطا ہوئی یعنی رسالت اور ہم کلامی۔ مگر چونکہ ہمارے حضرت محمد ﷺ تمام اول و آخر تمام نبیوں کے سردار ہیں' اس لئے اللہ تعالیٰ نے رسالت ختم کرنے والا آپ کو بنایا کہ قیامت تک آپ ہی کی شریعت جاری رہے گی اور تمام انبیاء اور رسولوں سے آپ کے تابعدار تعداد میں زیادہ ہوں گے۔ فضیلت کے اعتبار سے آپ کے بعد سب سے افضل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جو خلیل اللہ ہیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں جو کلیم اللہ تھے۔ اے موسیٰ جو مناجات اور کلام تجھے میں نے دیا ہے' وہ لے لے اور مضبوطی سے اس پر استقامت رکھ اور اس پر جتنا تجھ سے ہو سکے' شکر بجا لایا کر۔ کہا گیا ہے کہ تورات کی تختیاں جواہر کی تھیں اور ان میں اللہ تعالیٰ نے تمام احکام حلال حرام کے تفصیل کے ساتھ لکھ دیئے تھے' ان ہی تختیوں میں تورات تھی جس کے متعلق فرمان ہے کہ اگلے لوگوں کی ہلاکت کے بعد ہم نے موسیٰ کو لوگوں کی ہدایت کے لئے کتاب عطا فرمائی۔ یہ بھی مروی ہے کہ تورات سے پہلے یہ تختیاں ملی تھیں واللہ اعلم۔ الغرض دیدار الٰہی جس کی تمنا آپ نے کی تھی' اس کے عوض یہ چیز آپ کو ملی۔ کہا گیا' اسے ماننے کے ارادے سے لے لو اور اپنی قوم کو ان اچھائیوں پر عمل کرنے کی ہدایت کرو' آپ کو زیادہ تاکید ہوئی اور قوم کو ان سے کم' تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری حکم عدولی کرنے والے کا کیا انجام ہوتا ہے؟ جیسے کوئی کسی کو دھمکاتے ہوئے

کہے کہ تم میری مخالفت کا انجام بھی دیکھ لو گے۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ میں تمہیں شام کے بدکاروں کے گھروں کا مالک بنا دوں گا' یا مراد اس سے فرعونیوں کا ترکہ ہو' لیکن پہلی بات ہی زیادہ ٹھیک معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ فرمان تیہہ کے میدان سے پہلے اور فرعون سے نجات پا لینے کے بعد کا ہے۔ واللہ اعلم۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ
وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ
لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ
سَبِيْلًا ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾
وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ
هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع ۱۷/۶

میں اپنی آیتوں کی سوچ سمجھ سے ان لوگوں کو برگشتہ کئے رہوں گا جو ناحق زمین میں اکڑتے پھرتے ہیں' وہ اگرچہ تمام نشانات دیکھ لیں' انہیں ماننے کے نہیں' راہ راست دیکھ کر اسے راہ نہیں بنانے کے' اور اگر گمراہی کی راہ دیکھ لیں تو اسے فوراً اپنا مسلک بنا لیتے ہیں' یہ وبال ہے اس بات کا کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے بے پرواہ رہے ○ جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلائیں اور آخرت کے پیش آنے کو نہ مانیں' ان کے اعمال غارت ہیں' انہیں بدلہ صرف ان اعمال کا ہی ملے گا جو وہ کرتے رہے ○

تکبر کا پھل محرومی: ☆☆ (آیت: ۱۴۶-۱۴۷) تکبر کا نتیجہ ہمیشہ جہالت ہوتا ہے' ایسے لوگوں کو حق کو سمجھنے' اسے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب نہیں ہوتی' ان کی بے ایمانی کی وجہ سے ان کے دل الٹ جاتے ہیں' آنکھ کان بے کار ہو جاتے ہیں' ان کی کجی ان کے دلوں کو بھی کج کر دیتی ہے۔ علماء کا مقولہ ہے کہ متکبر اور پوچھنے سے جی چرانے والا کبھی عالم نہیں ہو سکتا۔ جو شخص تھوڑی دیر کے لئے علم کے حاصل کرنے میں اپنے آپ کو دوسرے کے سامنے نہ جھکائے وہ عمر بھر ذلت و رسوائی میں رہتا ہے' متکبر لوگوں کو قرآن کی سمجھ کہاں؟ وہ تو رب کی آیتوں سے بھاگتے رہتے ہیں' اس امت کے لوگ ہوں یا دوسری امتوں کے' سب کے ساتھ اللہ کا طریقہ یہی رہا ہے کہ تکبر کی وجہ سے حق کی پیروی نصیب نہیں ہوتی۔ چونکہ یہ لوگ اللہ کے عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں اگرچہ یہ بڑے بڑے معجزے بھی دیکھ لیں انہیں ایمان نصیب نہیں ہوگا' گو نجات کے راستے ان پر کھل جائیں لیکن اس راہ پر چلنا ان کے لئے دشوار ہے' ہاں بری راہ سامنے آتے ہی یہ بے طرح اس پر لپکے اس لئے کہ ان کے دلوں میں جھٹلانا ہے اور اپنے اعمال کے نتیجوں سے بے خبر ہیں۔ جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلائیں' آخرت کا یقین نہ رکھیں' اسی عقیدے پر مریں ان کے اعمال اکارت ہیں' ہم کسی پر ظلم نہیں کرتے' بدلہ صرف کئے ہوئے اعمال کا ہی ملتا ہے' بھلے کا بھلا اور برے کا برا' جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰي مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا
لَّهٗ خُوَارٌ ۭ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ

اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ
وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا
وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

موسیٰ کے جانے کے بعد قوم نے قبطیوں کے زیوروں سے بچھڑے کا بے روح ڈھانچہ بنالیا کہ اس کی گائے جیسی آواز تھی‘ کیا انہوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ نہ تو وہ ان سے بولتا ہے اور نہ انہیں راہ دکھا سکتا ہے‘ اسے لے بیٹھے تھے اور تھے ہی وہ پورے ظالم ○ اور جب اپنے کئے پر پشیمان ہوئے اور دیکھ لیا کہ وہ بہک گئے ہیں تو کہنے لگے کہ اب اگر ہم پر ہمارے پروردگار نے رحم نہ کیا اور ہمیں نہ بخشا تو بیشک ہم نقصان پانے والوں میں ہو جائیں گے ○

بنی اسرائیل کا بچھڑے کو پوجنا: ☆☆ (آیت: ۱۴۸-۱۴۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام تو اللہ کے وعدے کے مطابق تورات لینے گئے ادھر فرعونیوں کے جو زیور بنی اسرائیل کے پاس رہ گئے تھے سامری نے انہیں جمع کیا اور اپنے پاس سے اس میں خاک کی مٹھی ڈال دی جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کی ٹاپ تلے سے اس نے اٹھالی تھی‘ اللہ کی قدرت سے وہ سونا گل کر مثل ایک گائے کے جسم کے ہو گیا اور چونکہ کھوکھلا تھا اس میں سے آواز بھی آنے لگی اور وہ بالکل ہو بہو گائے کی سی آواز تھی۔ سامری نے بنی اسرائیل کو بہکا کر اس کی عبادت کرانی شروع کر دی بہت سے لوگ اسے پوجنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے طور پر حضرت موسیٰؑ کو اس فتنے کی خبر دی۔ یہ بچھڑا یا تو سچ مچ خون‘ گوشت کا بن گیا تھا یا سونے کا ہی تھا مگر شکل گائے کی تھی یہ اللہ ہی جانے‘ بنی اسرائیل تو آواز سنتے ہی ناچنے لگے اور اس پر ریجھ گئے سامری نے کہہ دیا کہ اللہ تو یہی ہے موسیٰ بھول گئے ہیں‘ انہیں اتنی بھی تمیز نہ آئی کہ وہ اللہ تو کسی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور کسی نفع نقصان کا اختیار بھی نہیں رکھتا‘ اس بچھڑے کو اس اللہ کو چھوڑ کر پوجو جو سب کا مالک اور سب کا خالق ہے۔ اس کی وجہ سوائے اندھے پن اور بے عقلی کے اور کیا ہو سکتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا بہرا کر دیتی ہے پھر جب اس محبت میں کمی آئی‘ آنکھیں کھلیں تو اپنے اس فعل پر نادم ہونے لگے اور یقین کر لیا کہ واقعی ہم گمراہ ہو گئے تو اللہ سے بخشش مانگنے لگے۔ ایک قرات میں تغفر ''ت'' سے بھی ہے۔ جان گئے کہ اگر معافی نہ ملی تو بڑے نقصان سے دوچار ہو جائیں گے‘ غرض اللہ تعالیٰ کی طرف سے توجہ سے جھکے اور التجا کرنے لگے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا
خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ
بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۭ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ
اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۡ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَاۗءَ
وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ
وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ڮ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ ع ۱۸

جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف غصے اور رنج میں بھرا ہوا لوٹا‘ کہنے لگا کہ تم نے میرے بعد میری بڑی ہی بری نیابت کی‘ کیا تم لوگوں نے اپنے رب کے امر میں جلد بازی

کی' اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹنے لگا' اس نے کہا اے میرے ماں جائے بھائی' یہ لوگ مجھے تو کمزور سمجھ کر میرے قتل کے درپے ہو گئے تھے پس آپ میرے دشمنوں کو مجھ پر نہ ہنسائیں اور میرا شمار بھی ان ظالم لوگوں میں نہ کیجئے ○ موسیٰ کہنے لگا کہ اے میرے رب تو مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما اور ہمیں اپنی رحمت میں لے لے تو تو تمام رحمت کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے ○

موسیٰ علیہ السلام کی کوہ طور سے واپسی: ☆☆ (آیت: ۱۵۰-۱۵۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چونکہ طور پر ہی اپنی قوم کا یہ کفر معلوم ہو چکا تھا اس لئے سخت غضبناک ہو کر واپس آئے اور فرمانے لگے کہ تم نے تو میرے بعد سخت نالائقی کی' تم نے میرا انتظار بھی نہ کیا' میری ذرا سی تاخیر میں یہ ظلم ڈھایا' غصے کے مارے تختیاں ہاتھ سے پھینک دیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ زمرد یا یاقوت یا کسی اور چیز کی تھیں۔ سچ ہے جو حدیث میں ہے کہ دیکھنا سننا برابر نہیں اپنی قوم پر غصے ہو کر الواح ہاتھ سے گرا دیں' ٹھیک بات یہی ہے۔ جمہور سلف وخلف کا قول بھی یہی ہے' لیکن ابن جریر نے قتادہ سے ایک عجیب قول نقل کیا ہے جس کی سند بھی صحیح نہیں۔ ابن عطیہ وغیرہ نے اس کی بہت تردید کی ہے اور واقعی وہ تردید کے قابل بھی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ قتادہ نے یہ اہل کتاب سے لیا ہو اور ان کا کیا اعتبار ہے؟ ان میں جھوٹے' بناوٹ کرنے والے' گھڑ لینے والے' بددین' بےدین ہر طرح کے لوگ ہیں۔ اس خوف سے کہ کہیں حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں باز رکھنے کی پوری کوشش نہ کی ہو' آپ نے ان کے سر کے بالوں کے بل انہیں گھسیٹ لیا اور فرمانے لگے' انہیں گمراہ ہوتے ہوئے دیکھ کر بھی تو نے میری ماتحتی میں انہیں کیوں نہ روکا؟ کیا تو بھی میرے فرمان کا منکر بن گیا؟ اس پر حضرت ہارون علیہ السلام نے جواب دیا کہ بھائی جان میرے سر کے اور داڑھی کے بال نہ پکڑیں' میں نے تو ہر ممکن طریقے سے انہیں روکا' زیادہ اس لئے نہ الجھا کہ کہیں آپ یہ نہ فرما دیں کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفریق ڈال دی؟ تو نے میرا انتظار کیوں نہ کیا؟ ورنہ میں تو ان گمراہوں سے اب تک زمین کو پاک کر چکا ہوتا' انہوں نے تو مجھے کچھ بھی نہ سمجھا بلکہ میرے قتل کے درپے ہو گئے' آپ مجھے ان ہی کی طرح نہ سمجھیں' نہ ان میں ملائیں۔

حضرت ہارونؑ کا یہ فرمانا کہ اے میرے ماں جائے بھائی' یہ صرف اس لئے تھا کہ حضرت موسیٰؑ کو رحم آ جائے' ماں باپ دونوں کے ایک ہی تھے' جب آپ کو اپنے بھائی ہارون کی برأت کی تحقیق ہو گئی' اللہ کی طرف سے بھی ان کی پاک دامنی اور بےقصوری معلوم ہو گئی کہ انہوں نے اپنی قوم سے پہلے ہی یہ فرما دیا تھا کہ افسوس تم فتنے میں پڑ گئے' اب بھی کچھ نہیں بگڑا' پروردگار بڑا ہی رحیم و کریم ہے' تم میری مان لو اور پھر سے میرے تابع دار بن جاؤ تو آپ اللہ سے دعائیں کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم کرے' واقعی دیکھنے والے میں اور خبر سننے والے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ قوم کی گمراہی کی خبر سنی تو تختیاں ہاتھ سے نہ گرائیں لیکن اس منظر کو دیکھ کر قابو میں نہ رہے' تختیاں پھینک دیں۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ﴿۱۵۲﴾ وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِهَا وَآمَنُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۵۳﴾

یقیناً جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا' ان پر ان کے رب کا غضب نازل ہو گا ہی اور دنیا کی زندگی کی رسوائی بھی' ہم اسی طرح جھوٹ افترا باندھنے

والوں کو سزا دیتے ہیں ○ ہاں جو لوگ برائیاں کرنے کے بعد توبہ کرلیں اور ایمان لائیں تو بیشک تیرا رب اس کے بعد بھی بڑا ہی معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے ○

باہم قتل کی سزا : ☆☆ (آیت:۱۵۲-۱۵۳) ان گئوسالہ پرستوں پر اللہ کا غضب نازل ہوا' جب تک ان لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرلیا' ان کی توبہ قبول نہ ہوئی جیسے کہ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں تفصیل وار بیان ہو چکا ہے کہ انہیں حکم ہوا تھا کہ اپنے خالق سے توبہ کرو اور آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو' یہی تمہارے حق میں ٹھیک ہے' پھر وہ تمہاری توبہ قبول فرمائے گا' وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم وکرم والا ہے' اسی طرح دنیا میں بھی ان یہودیوں پر ذلت نازل ہوئی - ہر بدعتی کی جو اللہ کے دین میں جھوٹا طوفان اٹھائے' یہی سزا ہے' رسول کی مخالفت اور بدعت کا بوجھ اس کے دل سے نکل کر ان کے کندھوں پر آ پڑتا ہے-حسن بصریؒ فرماتے ہیں' گو وہ دنیوی ٹھاٹھ رکھتا ہو لیکن ذلت اس کے چہرے پر برستی ہے' قیامت تک یہی سزا ہر جھوٹے' افترا باز کی اللہ کی طرف سے مقرر ہے-حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ ہر بدعتی ذلیل ہے-

پھر فرماتا ہے کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے خواہ کیسا ہی گناہ ہو لیکن توبہ کے بعد وہ معاف فرما دیتا ہے گو کفر و شرک اور نفاق و شقاق ہی کیوں نہ ہو-فرمان ہے کہ جو لوگ برائیوں کے بعد توبہ کرلیں اور ایمان لائیں تو اے رسول رحمت اور اے نبی نور (یعنی قرآن) تیرا رب اس فعل کے بعد بھی غفور و رحیم ہے-حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا کاری کرے' پھر اس سے نکاح کرلے تو؟ آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی' کوئی دس دس مرتبہ اسے تلاوت کیا اور کوئی حکم یا منع نہیں کیا-

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہوا' اس نے تختیاں اٹھالیں' ان میں جو لکھا ہوا تھا' وہ ہدایت و رحمت تھی ان کے لئے جو اپنے پروردگار سے خوف کھاتے رہے ہیں ○

امت محمدیہ کے چند خصائل : ☆☆ (آیت:۱۵۴) حضرت موسیٰ کو اپنی قوم پر جو غصہ تھا' جب وہ جاتا رہا تو سخت غصے کی حالت میں جن تختیوں کو انہوں نے زمین پر ڈال دیا تھا' اب اٹھالیں' یہ غصہ صرف اللہ کی راہ میں تھا کیونکہ آپ کی قوم نے بچھڑے کی پوجا کی تھی' ان تختیوں میں ہدایت و رحمت تھی- کہتے ہیں کہ جب کلیم اللہ نے تختیاں زمین پر ڈال دیں تو وہ ٹوٹ گئیں' پھر انہیں جمع کیا' تو ان میں رہبری اور رحم پایا اور تفصیل اٹھالی گئی تھی- کہتے ہیں کہ ان تختیوں کے ٹکڑے شاہی خزانوں میں بنی اسرائیل کے پاس دولت اسلامیہ کے ابتدائی زمانے تک محفوظ رہے (واللہ اعلم) اس کی صحت کا کوئی پتہ نہیں حالانکہ یہ بات مشہور ہے کہ وہ تختیاں جنتی جوہر کی تھیں-

اور اس آیت میں ہے کہ پھر حضرت موسیٰ نے خود ہی انہیں اٹھالیا اور ان میں رحمت و ہدایت پائی چونکہ رہبت متضمن ہے خشوع و خضوع کو' اس لئے اسے لام سے متعدی کیا قتادہؒ کہتے ہیں' ان میں آپ نے لکھا دیکھا کہ ایک امت تمام امتوں سے بہتر ہوگی جو لوگوں کے لئے قائم کی جائے گی' جو بھلی باتوں کا حکم کرے گی اور برائیوں سے روکے گی' تو حضرت موسیٰ نے دعا کی کہ اے اللہ میری امت کو یہی امت بنا دے' جواب ملا کہ یہ امت امت احمد ہے (علیہ السلام) پھر پڑھا کہ ایک امت ہوگی جو دنیا میں سب سے آخر آئے گی اور جنت میں سب سے پہلے جائے گی' تو بھی آپ نے یہی درخواست کی اور یہی جواب پایا' پھر پڑھا کہ ایک امت ہوگی جن کی کتاب ان کے سینوں میں ہوگی جس کی وہ تلاوت کریں گے یعنی حفظ کریں گے اور دوسرے لوگ دیکھ کر پڑھتے ہیں- اگر ان کی کتابیں اٹھ جائیں تو علم جاتا

رہے کیونکہ انہیں حفظ نہیں' اس طرح کا حافظہ اسی امت کے لئے مخصوص ہے کسی اور امت کو نہیں ملا' اس پر بھی آپ نے یہی درخواست کی اور یہی جواب پایا۔

پھر دیکھا کہ اس میں لکھا ہوا ہے کہ ایک امت ہوگی جو اگلی پچھلی تمام کتابوں پر ایمان لائے گی اور گمراہوں سے جہاد کرے گی یہاں تک کہ کانے دجال سے جہاد کرے گی۔ اس پر بھی آپ نے یہی دعا کی اور یہی جواب پایا۔ پھر دیکھا کہ ایک امت ہوگی جو اپنے صدقے آپ کھائے گی اور اجر بھی پائے گی حالانکہ اور امتیں جو صدقہ کرتی رہیں' اگر قبول ہوا تو آگ آ کر اسے کھا گئی اور اگر نامقبول ہوا تو اسے درندوں پرندوں نے کھا لیا۔ اللہ نے تمہارے صدقے تمہارے مالداروں سے تمہارے مفلسوں کے لئے لئے ہیں۔ اس پر بھی کلیم اللہ علیہ السلام نے یہی دعا کی اور یہی جواب ملا۔ پھر پڑھا کہ ایک امت ہوگی جس کا رکن اگر نیکی کا ارادہ کر لے پھر نہ کرے تو بھی نیکی لکھ لی جائے گی اور اگر کر بھی لی تو دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ سات سو تک اسی طرح بڑھتی چلی جائیں گی۔ اس پر بھی آپ نے یہی دعا کی اور یہی جواب پایا۔ پھر ان تختیوں میں آپ نے پڑھا کہ ایک امت ہوگی جو خود بھی شفاعت کرے گی اور ان کی شفاعت دوسرے بھی کریں گے۔ آپ نے پھر یہی دعا کی کہ اے اللہ یہ مرتبہ میری امت کو دے۔ جواب ملا یہ امت امت احمد ہے (ﷺ) ہے' اس پر آپ نے تختیاں لے لیں اور کہنے لگے اے اللہ مجھے امت احمد میں کر دے۔

وَاخْتَارَ مُوسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ۭ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾

موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ہمارے وعدے کی حاضری کے لئے ستر شخص چھانٹ لئے' پھر جب انہیں زلزلے نے پکڑ لیا تو کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار اگر تیری یہی چاہت تھی تو انہیں اور مجھے اس سے پہلے ہی ہلاک کر دیتا' ہم میں سے بعض احمق لوگوں کے کئے ہوئے کاموں پر کیا تو ہمیں ہلاک کر دے گا؟ یہ حادثہ تو صرف تیری طرف کا ایک امتحان ہے' اس سے جسے تو چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے ہدایت پر لے آئے' تو ہی ہمارا کارساز ہے' پس ہمارے قصور معاف فرما' اور ہم پر مہربانی فرما تو تمام بخشنے والوں سے بہتر بخشنے والا ہے ○

موسیٰ علیہ السلام کی طور پر واپسی: ☆☆ (آیت:۱۵۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حسب فرمان الٰہی اپنی قوم سے ستر شخصوں کو منتخب کیا اور جناب باری سے دعائیں مانگنا شروع کیں' لیکن یہ لوگ اپنی دعا میں حد سے تجاوز کر گئے کہنے لگے' اللہ تو ہمیں وہ دے جو نہ ہم سے پہلے کسی کو دیا ہو نہ ہمارے بعد کسی کو دے' یہ دعا اللہ تعالیٰ کو ناپسند آئی اور ان پر بھونچال آ گیا' جس سے گھبرا کر حضرت موسیٰؑ اللہ سے دعائیں کرنے لگے۔ سدیؒ کہتے ہیں' انہیں لے کر آپ اللہ تعالیٰ سے بنی اسرائیل کی گئوسالہ پرستی کی معذرت کرنے کے لئے گئے تھے' یہاں جب وہ پہنچے تو کہنے لگے' ہم تو جب تک خود اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں' ایمان نہ لائیں گے' ہم کلام سن رہے ہیں لیکن دیکھنا چاہتے ہیں' اس پر کڑاکے کی آواز ہوئی اور یہ سب مر کھپ گئے' حضرت موسیٰؑ نے رونا شروع کیا کہ اللہ میں بنی اسرائیل کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ ان کے یہ بہترین

لوگ تھے اگر تیری یہی منشا تھی تو اس سے پہلے ہی ہمیں ہلاک کر دیا ہوتا۔

امام محمد بن اسحاقؒ کا قول ہے کہ انہیں اس بت پرستی سے توبہ کرنے کے لئے بطور وفد کے آپ لے چلے تھے ان سے فرما دیا تھا کہ پاک صاف ہو جاؤ' پاک کپڑے پہن لو اور روزے سے چلو یہ اللہ کے بتائے ہوئے وقت پر طور سینا پہنچے' مناجات میں مشغول ہوئے تو انہوں نے خواہش کی کہ اللہ سے دعا کیجئے کہ ہم بھی اللہ کا کلام سنیں' آپ نے دعا کی' جب حسب عادت بادل آیا اور موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھ گئے اور بادل میں چھپ گئے' قوم سے فرمایا تم بھی قریب آ جاؤ' یہ بھی اندر چلے گئے اور حسب معمول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشانی پر ایک نور چمکنے لگا جو اللہ کے کلام کے وقت برابر چمکتا رہتا تھا' اس وقت کوئی انسان آپ کے چہرے پر نگاہ نہیں ڈال سکتا تھا' آپ نے حجاب کر لیا' لوگ سب سجدے میں گر پڑے اور اللہ کا کلام شروع ہوا جو یہ لوگ بھی سن رہے تھے کہ فرمان ہو رہا ہے کہ یہ کرو یہ نہ کرو وغیرہ' جب باتیں ہو چکیں اور ابر اٹھ گیا تو ان لوگوں نے کہا' ہم تو جب تک اللہ کو خود خوب ظاہر نہ دیکھ لیں' ایمان نہیں لائیں گے تو ان پر کڑا کا نازل ہوا اور سب کے سب ایک ساتھ مر گئے' موسیٰ علیہ السلام بہت گھبرائے اور مناجات شروع کر دیں' اس میں یہاں تک کہا کہ اگر ہلاک ہی کرنا تھا تو اس سے پہلے ہلاک کیا ہوتا ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کو اور شبر اور شبیر کو لے کر پہاڑ کی گھاٹی میں گئے' ہارون ایک بلند جگہ کھڑے تھے کہ ان کی روح قبض کر لی گئی' جب آپ واپس بنی اسرائیل کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ چونکہ آپ کے بھائی بڑے ملنسار اور نرم آدمی تھے' آپ نے ہی انہیں الگ لے جا کر قتل کر دیا' اس پر آپ نے فرمایا' اچھا تم اپنے میں سے ستر آدمی چھانٹ کر میرے ساتھ کر دو' انہوں نے کر دیئے جنہیں لے کر آپ گئے اور حضرت ہارونؑ کی لاش سے پوچھا کہ آپ کو کس نے قتل کیا؟ اللہ کی قدرت سے وہ بولے کسی نے نہیں بلکہ میں اپنی موت مرا ہوں' انہوں نے کہا' بس موسیٰؑ اب سے آپ کی نافرمانی ہرگز نہ کی جائے گی' اسی وقت زلزلہ آیا جس سے وہ سب مر گئے' اب تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت گھبرائے دائیں بائیں گھومنے لگے اور وہ عرض کرنے لگے جو قرآن میں مذکور ہے' پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی التجا قبول کر لی' ان سب کو زندہ کر دیا اور بعد میں وہ سب انبیاء بنے لیکن یہ اثر بہت ہی غریب ہے' اس کا ایک راوی عمارہ بن عبد غیر معروف ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ ان پر اس زلزلے کے آنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ بچھڑے کی پرستش کے وقت خاموش تھے' ان پجاریوں کو روکتے نہ تھے' اس قول کی دلیل میں حضرت موسیٰ کا یہ فرمان بالکل ٹھیک اترتا ہے کہ اے اللہ ہم میں سے چند بیوقوفوں کے فعل کی وجہ سے تو ہمیں ہلاک کر رہا ہے؟ پھر فرماتے ہیں' یہ تو تیری طرف کی آزمائش ہی ہے' تیرا ہی حکم چلتا ہے اور تیری ہی چاہت کامیاب ہے' ہدایت وضلالت تیرے ہی ہاتھ ہے' جس کو تو ہدایت دے' اسے کوئی بہکا نہیں سکتا اور جسے تو بہکائے' اس کی کوئی رہبری نہیں کر سکتا' تو جس سے روک لے' اسے کوئی دے نہیں سکتا اور جسے دے دے' اس سے کوئی چھین نہیں سکتا' ملک کا مالک تو اکیلا' حکم کا حاکم صرف تو ہی' خلق وامر تیرا ہی ہے' تو ہمارا ولی ہے' ہمیں بخش' ہم پر رحم فرما' تو سب سے اچھا معاف فرمانے والا ہے۔

غفر کے معنی ہیں چھپا دینا اور پکڑ نہ کرنا۔ جب رحمت بھی اس کے ساتھ مل جائے تو یہ مطلب ہوتا ہے کہ آئندہ اس گناہ سے بچاؤ ہو جائے۔ گناہوں کا بخش دینے والا صرف تو ہی ہے' پس جس چیز سے ڈر تھا' اس کا بچاؤ طلب کرنے کے بعد اب مقصود حاصل کرنے کے لئے دعا کی جاتی ہے کہ ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما' اسے ہمارے نام لکھ دے' واجب وثابت کر دے۔ حسنہ کی تفسیر سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے۔ ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں' رغبت ہماری تیری ہی جانب ہے' ہماری توبہ اور عاجزی تیری طرف ہے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ چونکہ انہوں نے ھدنا کہا تھا' اس لئے انہیں یہودی کہا گیا ہے' لیکن اس روایت کی سند میں جابر بن یزید جعفی ہیں جو ضعیف ہیں۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَا اِلَيْكَ ۭ قَالَ عَذَابِىْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَاۗءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٥٦﴾

تو ہمارے لئے اس دنیا کی بہتری لکھ دے اور آخرت کی بھی ہم سب تیری طرف رجوع ہو رہے ہیں۔ جناب باری کا ارشاد ہوا کہ میں اپنے عذاب تو صرف انہیں ہی پہنچاتا ہوں جنہیں چاہوں ہاں میری رحمت نے تمام چیزوں کو سما لیا ہے پس میں اسے خصوصیت کے ساتھ ان کے نام لکھ دوں گا جو پرہیزگاری کریں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر یقین اور ایمان رکھیں ○

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور انسان: ☆☆ (آیت:۱۵۶) چونکہ کلیم اللہ علیہ السلام نے اپنی دعا میں کہا تھا کہ یہ محض تیری طرف سے آزمائش ہے اس کے جواب میں فرمایا جا رہا ہے کہ عذاب تو صرف گنہگاروں کو ہی ہوتا ہے اور گنہگاروں میں سے بھی انہی کو جو میری نگاہ میں گنہگار ہیں نہ کہ ہر گنہگار کو میں اپنی حکمت عدل اور پورے علم کے ذریعے سے جانتا ہوں کہ مستحق عذاب کون ہے؟ صرف اسی کو عذاب پہنچاتا ہے۔ ہاں البتہ میری رحمت بڑی وسیع چیز ہے جو سب پر شامل سب پر حاوی اور سب پر محیط ہے۔

چنانچہ عرش کے اٹھانے والے اور اس کے اردگرد رہنے والے فرشتے فرماتے رہا کرتے ہیں کہ اے رب تو نے اپنی رحمت اور اپنے علم سے تمام چیزوں کو گھیر رکھا ہے۔ مسند امام احمد میں ہے کہ ایک اعرابی آیا اونٹ بٹھا کر اسے باندھ کر نماز میں حضور ﷺ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ نماز سے فارغ ہو کر اونٹ کو کھول کر اس پر سوار ہو کر اونچی آواز سے دعا کرنے لگا کہ اے اللہ مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحم کر اور اپنی رحمت میں کسی اور کو ہم دونوں کا شریک نہ کر آپ یہ سن کر فرمانے لگے بتاؤ یہ خود راہ گم کردہ ہونے میں بڑھا ہوا ہے یا اس کا اونٹ؟ تم نے سنا بھی اس نے کیا کہا؟ صحابہؓ نے عرض کیا ہاں حضور سن لیا آپ نے فرمایا اے شخص تو نے اللہ کی بہت ہی کشادہ رحمت کو بہت تنگ چیز سمجھ لیا سن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے کئے جن میں سے صرف ایک حصہ مخلوق میں اتارا جو تمام مخلوق میں تقسیم ہوا یعنی انسان حیوان جنات سب میں اور ننانوے حصے اپنے لئے باقی رکھے۔ لوگو بتاؤ یہ زیادہ راہ بہکا ہوا ہے یا اس کا اونٹ؟ مسند کی اور حدیث میں ہے اللہ عزوجل نے اپنی رحمت کے سو حصے کئے جن میں سے صرف ایک ہی حصہ دنیا میں اتارا اسی سے مخلوق ایک دوسرے پر ترس کھاتی ہے اور رحم کرتی ہے اسی سے حیوان بھی اپنی اولاد کے ساتھ نرمی اور رحم کا برتاؤ کرتے ہیں باقی ننانوے حصے تو اس کے پاس ہی ہیں جن کا اظہار قیامت کے دن ہوگا۔ اور روایت میں ہے کہ روز قیامت اسی (ایک) حصے کے ساتھ اور (بقایا) ننانوے حصے جو موخر ہیں ملا دیئے جائیں گے۔

ایک اور روایت میں ہے اسی نازل کردہ ایک حصے میں پرند بھی شریک ہیں۔ طبری میں ہے قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ جو اپنے دین میں فاجر ہے جو اپنی معاش میں احمق ہے وہ بھی اس میں داخل ہے اس کی قسم جو میری جان اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے وہ بھی جنت میں جائے گا جو مستحق جہنم ہوگا اس کی قسم جس کے قبضے میں میری روح ہے قیامت کے دن اللہ کی رحمت کے کرشمے دیکھ کر ابلیس بھی امیدوار ہو کر ہاتھ پھیلا دے گا۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اس کا راوی سعد غیر معروف ہے۔ پس میں اپنی اس رحمت کو ان کے لئے واجب کر دوں گا اور یہ بھی محض اپنے فضل و کرم سے۔ جیسے فرمان ہے تمہارے رب نے اپنی ذات پر رحمت کو واجب کر لیا ہے پس جن پر

رحمت واجب ہو جائے گی ان کے اوصاف بیان فرمائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد اس سے امت محمد (ﷺ) ہے جو تقویٰ کریں یعنی شرک سے اور کبیرہ گناہوں سے بچیں' زکوۃ دیں یعنی اپنے ضمیر کو پاک رکھیں اور مال کی زکوۃ بھی ادا کریں (کیونکہ یہ آیت مکی ہے) اور ہماری آیات کو مان لیں' ان پر ایمان لائیں اور انہیں سچ سمجھیں۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا
عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ
وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۵۷ ع ۱۹ ۶

جو اس پیغمبر نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جس کے اوصاف اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھے ہوئے پاتے ہیں' جو انہیں اچھائیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے اور پاک چیزیں ان پر حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے اور ان سے ان کے بوجھ اتارتا ہے اور وہ طوق بھی جو ان کی گردنوں میں پڑے ہوئے تھے' پس جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی عزت اور مدد کریں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اتارا گیا' وہی کامیاب نجات یافتہ ہیں ○

اہل کتاب کی خاتم النبینؐ کی تصدیق : ☆☆ (آیت:۱۵۷) سابقہ کتابوں میں آخری پیغمبر خاتم الانبیاء ﷺ کے جو اوصاف بیان ہوئے تھے' جس سے ان نبیوں کی امت آپ کو پہچان جائے' وہ بیان ہو رہے ہیں' سب کو حکم تھا کہ ان صفات کا پیغمبر اگر تمہارے زمانے میں ظاہر ہو تو تم سب ان کی تابعداری میں لگ جانا۔ مسند احمد میں ہے' ایک صاحب فرماتے ہیں' میں کچھ خرید و فروخت کا سامان لے کر مدینے آیا' جب اپنی تجارت سے فارغ ہوا تو میں نے کہا اس شخص سے بھی مل لوں میں چلا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ابوبکرؓ وعمرؓ کے ساتھ کہیں جا رہے ہیں' میں بھی پیچھے پیچھے چلنے لگا' آپ ایک یہودی عالم کے گھر گئے' اس کا نوجوان' خوبصورت' تنومند بیٹا نزع کی حالت میں تھا اور وہ اپنے دل کو تسکین دینے کے لئے تورات کھولے ہوئے اس کے پاس بیٹھا ہوا تلاوت کر رہا تھا' آنحضرت ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تجھے اس کی قسم جس نے یہ تورات نازل فرمائی ہے' کیا میری صفت اور میرے مبعوث ہونے کی خبر اس میں تمہارے پاس ہے یا نہیں؟ اس نے اپنے سر کے اشارے سے انکار کیا' اسی وقت اس کا وہ بچہ بول اٹھا کہ اس کی قسم جس نے تورات نازل فرمائی ہے' ہم آپ کی صفات اور آپ کے آنے کا پورا حال اس تورات میں موجود پاتے ہیں اور میری تہ دل سے گواہی ہے کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور آپ اس کے سچے رسول ہیں' آپ نے فرمایا' اس یہودی کو اپنے بھائی کے پاس سے ہٹاؤ' پھر آپ ہی اس کے کفن دفن کے والی بنے اور اس کے جنازے کی نماز پڑھائی مستدرک حاکم میں ہے حضرت ہشام بن عاص اموی فرماتے ہیں کہ میں اور ایک صاحب روم کے بادشاہ ہرقل کو دعوت اسلام دینے کے لئے روانہ ہوئے' غوطہ دمشق میں پہنچ کر ہم جبلہ بن ایہم غسانی کے ہاں گئے' اس نے اپنا قاصد بھیجا کہ ہم اس سے باتیں کر لیں' ہم نے کہا' واللہ ہم تم سے کوئی بات نہ کریں گے' ہم بادشاہ کے پاس بھیجے گئے ہیں' اگر وہ چاہیں تو ہم سے خود سنیں اور خود جواب دیں' ورنہ ہم قاصدوں

سے گفتگو کرنا نہیں چاہتے' قاصدوں نے یہ خبر بادشاہ کو پہنچائی' اس نے اجازت دی اور ہمیں اپنے پاس بلالیا۔

چنانچہ میں نے اس سے باتیں کیں اور اسلام کی دعوت دی' وہ اس وقت سیاہ لباس پہنے ہوئے تھا' کہنے لگا کہ دیکھ میں نے یہ لباس پہن رکھا ہے اور حلف اٹھایا ہے کہ جب تک تم لوگوں کو شام سے نہ نکال دوں گا' اس سیاہ لبادے کو نہ اتاروں گا' قاصد اسلام نے یہ سن کر پھر کہا' بادشاہ ہوش سنبھالو اللہ کی قسم یہ آپ کے تخت کی جگہ اور آپ کے بڑے بادشاہ کا پائے تخت بھی ان شاء اللہ عنقریب ہم اپنے قبضے میں کر لیں گے' یہ کوئی ہماری ہوس نہیں بلکہ ہمارے نبی ﷺ سے ہمیں یہ پختہ خبر مل چکی ہے' اس نے کہا تم وہ لوگ نہیں' ہاں ہم سے ہمارا یہ تخت و تاج وہ قوم چھینے گی جو دنوں کو روزے سے رہتے ہوں اور راتوں کو تہجد پڑھتے ہوں' اچھا تم بتاؤ تمہارے روزے کے احکام کیا ہیں؟ اب جو ہم نے بتائے تو اس کا منہ کالا ہو گیا' اس نے اسی وقت ہمارے ساتھ اپنا ایک آدمی کر دیا اور کہا انہیں شاہ روم کے پاس لے جاؤ۔ جب ہم اس کے پائے تخت کے پاس پہنچے تو وہ کہنے لگا تم اس حال میں تو اس شہر میں نہیں جا سکتے' اگر تم کہو تو میں تمہارے لئے عمدہ سواریاں لا دوں' ان پر سوار ہو کر تم شہر میں چلو' ہم نے کہا نا ممکن ہے' ہم تو اسی حالت میں انہی سواریوں پر چلیں گے۔ اس نے بادشاہ سے کہلوا بھیجا' وہاں سے اجازت آئی کہ اچھا انہیں اونٹوں پر ہی لے آؤ۔ ہم اپنے اونٹوں پر سوار گلے میں تلواریں لٹکائے شاہی محل کے پاس پہنچے' وہاں ہم نے اپنی سواریاں بٹھائیں' بادشاہ دریچے میں سے ہمیں دیکھ رہا تھا' ہمارے منہ سے بے ساختہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کا نعرہ نکل گیا۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ اسی وقت شام اور روم کا محل تھرا اٹھا اس طرح جس طرح کسی خوشے کو تیز ہوا کا جھونکا ہلا رہا ہو' اسی وقت محل سے شاہی قاصد دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا آپ کو یہ نہیں چاہئے کہ اپنے دین کو اس طرح ہمارے سامنے اعلان کرو' چلو تم کو بادشاہ سلامت یاد کر رہے ہیں چنانچہ ہم اس کے ساتھ دربار میں گئے' دیکھا کہ چاروں طرف سرخ مخمل اور سرخ ریشم ہے' خود بھی سرخ لباس پہنے ہوئے ہے' تمام دربار پادریوں اور ارکان سلطنت سے بھرا ہوا ہے' جب ہم پاس پہنچ گئے تو مسکرا کر کہنے لگا' جو سلام تم میں آپس میں مروج ہے' تم نے مجھے وہ سلام کیوں نہ کیا؟ ترجمان کی معرفت ہمیں بادشاہ کا یہ سوال پہنچا تو ہم نے جواب دیا کہ جو سلام ہم میں ہے' اس کے لائق تم نہیں اور جو آداب کا دستور تم میں ہے' وہ ہمیں پسند نہیں' اس نے کہا' اچھا تمہارا سلام آپس میں کیا ہے؟ ہم نے کہا السلام 'علیکم اس نے کہا' اپنے بادشاہ کو تم کس طرح سلام کرتے ہو؟ ہم نے کہا صرف ان ہی الفاظ سے۔ پوچھا اچھا وہ بھی تمہیں کوئی جواب دیتے ہیں' ہم نے کہا یہی الفاظ وہ کہتے ہیں' بادشاہ نے دریافت کیا کہ تمہارے ہاں سب سے بڑا کلمہ کون سا ہے؟ ہم نے کہا لا الہ الا اللہ واللہ اکبر' اللہ عزوجل کی قسم ادھر ہم نے یہ کلمہ کہا' ادھر پھر سے محل میں زلزلہ پڑا یہاں تک کہ سارا دربار چھت کی طرف نظریں کر کے سہم گیا۔ بادشاہ ہیبت زدہ ہو کر پوچھنے لگا کیوں جی اپنے گھروں میں بھی جب کبھی تم یہ کلمہ پڑھتے ہو' تمہارے گھر بھی اسی طرح زلزلے میں آ جاتے ہیں؟ ہم نے کہا کبھی نہیں' ہم نے تو یہ بات یہیں آپ کے ہاں ہی دیکھی ہے' بادشاہ کہنے لگا کہ کاش کہ تم جب کبھی اس کلمے کو کہتے تمام چیزیں اسی طرح ہل جاتیں اور میرا آدھا ملک ہی رہ جاتا' ہم نے پوچھا یہ کیوں؟ اس نے جواب دیا اس لئے کہ یہ آسان تھا بہ نسبت اس بات کے کہ یہ امر نبوت ہو پھر اس نے ہم سے ہمارا ارادہ دریافت کیا' ہم نے صاف بتایا' اس نے کہا' اچھا یہ بتاؤ کہ تم نماز کس طرح پڑھتے ہو اور روزہ کس طرح رکھتے ہو؟ ہم نے دونوں باتیں بتا دیں' اس نے اب ہمیں رخصت کیا اور بڑے اکرام و احترام سے ہمیں شاہی معزز مہمانوں میں رکھا۔ تین دن جب گذرے تو رات کے وقت ہمیں قاصد بلانے آیا' ہم پھر دربار میں گئے تو اس نے ہم سے پھر ہمارا مطلب پوچھا ہم نے اسے دوہرایا' پھر اس نے ایک حویلی کی شکل کی سونا منڈھی ہوئی ایک چیز منگوائی جس میں بہت سارے مکانات تھے اور ان کے دروازے تھے اس نے اسے کنجی سے کھول کر ایک سیاہ رنگ کا ریشمی جامہ نکالا' ہم نے دیکھا کہ اس میں ایک شخص ہے جس کی بڑی بڑی آنکھیں ہیں بڑی رانیں ہیں بڑی لمبی اور گھنی داڑھی ہے اور سر کے بال دو حصوں میں نہایت خوبصورت لمبے لمبے ہیں ہم سے پوچھا

انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں کہا یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں ان کے جسم پر بال بہت ہی تھے۔

پھر دوسرا دروازہ کھول کر اس میں سے سیاہ رنگ ریشم کا پارچہ نکالا جس میں ایک سفید صورت تھی جس کے گھونگریالے بال تھے' سرخ رنگ آنکھیں تھیں' بڑے کلے کے آدمی تھے اور بڑی خوش وضع داڑھی تھی' ہم سے پوچھا' انہیں پہچانا؟ ہم نے انکار کیا تو کہا یہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے سیاہ ریشمی کپڑا نکالا اس میں ایک شخص تھا' نہایت ہی گوار چٹا رنگ' بہت خوبصورت آنکھیں' کشادہ پیشانی' لمبے رخسار' سفید داڑھی' یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ مسکرا رہے ہیں' ہم سے پوچھا انہیں پہچانا؟ ہم نے انکار کیا تو کہا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں' پھر ایک دروازہ کھولا' اس میں سے ایک خوبصورت سفید شکل دکھائی دی جو ہو بہو رسول اللہ ﷺ کی تھی' ہم سے پوچھا انہیں پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا یہ حضرت محمد ہیں صلی اللہ علیہ وسلم' یہ کہا اور ہمارے آنسو نکل آئے' بادشاہ اب تک کھڑا ہوا تھا' اب وہ بیٹھ گیا اور ہم سے دوبارہ پوچھا کہ یہی شکل حضور کی ہے' ہم نے کہا واللہ یہی ہے اس طرح کہ گویا تو آپ کو آپ کی زندگی میں دیکھ رہا ہے' پس وہ تھوڑی دیر تک غور سے اسے دیکھتا رہا' پھر ہم سے کہنے لگا کہ یہ آخری گھر تھا لیکن میں نے اور گھروں کو چھوڑ کر اسے بیچ میں ہی اس لئے کھول دیا کہ تمہیں آزمالوں کہ تم پہچان جاتے ہو یا نہیں۔ پھر ایک اور دروازہ کھول کر اس میں سے بھی سیاہ رنگ ریشمی کپڑا نکالا جس میں ایک گندم گوں نرمی والی صورت تھی' بال گھنگھریالے آنکھیں گہری' نظریں تیز' تیور تیکھے' دانت پر دانت' ہونٹ موٹے ہو رہے تھے جیسے کہ غصے میں بھرے ہوئے ہیں' ہم سے پوچھا' انہیں پہچانا؟ ہم نے انکار کیا' بادشاہ نے کہا' یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں' اسی کے متصل ایک اور صورت تھی جو قریب قریب اسی کی سی تھی' مگر ان کے سر کے بال گویا تیل لگے ہوئے تھے' ماتھا کشادہ تھا' آنکھوں میں کچھ فراخی تھی' ہم سے پوچھا' انہیں جانتے ہو؟ ہمارے انکار پر کہا' یہ حضرت ہارون بن عمران علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے ایک سفید رنگ ریشم کا ٹکڑا نکالا جس میں ایک گندم گوں رنگ' میانہ قد' سیدھے بالوں والا ایک شخص تھا گویا وہ غضبناک تھے پوچھا انہیں پہنچانا' ہم نے کہا' نہیں کہا یہ حضرت لوط علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے ایک سفید ریشمی کپڑا نکال کر دکھایا جس میں سنہرے رنگ کے ایک آدمی تھے جن کا قد طویل نہ تھا رخسار ہلکے تھے' چہرہ خوبصورت تھا ہم سے پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں' کہا یہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں پھر ایک اور دروازہ کھول کر اس میں سے سفید ریشمی کپڑا نکال کر ہمیں دکھایا' اس میں جو صورت تھی وہ پہلی صورت کے بالکل مشابہ تھی مگر ان کے ہونٹ پر تل تھا' ہم سے پوچھا اسے پہچان لیا؟ ہم نے کہا نہیں' کہا یہ حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے سیاہ رنگ کا ریشمی کپڑا نکالا جس میں ایک شکل تھی' سفید رنگ' خوبصورت اونچی ناک والے' اچھے قامت والے' نورانی چہرے والے جس میں خوف اللہ ظاہر تھا' رنگ سرخی مائل سفید تھا' پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں' کہا یہ تمہارے نبی ﷺ کے دادا حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں پھر اور دروازہ کھول کر سفید ریشمی کپڑے کا ٹکڑا نکال کر دکھایا جس میں ایک صورت تھی جو حضرت آدم علیہ السلام کی صورت سے بہت ہی ملتی جلتی تھی اور چہرہ تو سورج کی طرح روشن تھا' پوچھا انہیں پہچانا؟ ہم نے لاعلمی ظاہر کی تو کہا یہ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے سفید ریشم کا پارچہ نکال کر ہمیں دکھایا جس میں ایک صورت تھی سرخ رنگ' بھری پنڈلیاں' کشادہ آنکھیں' اونچا پیٹ قدرے چھوٹا قد تلوار لٹکائے ہوئے پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں' کہا یہ حضرت داؤد علیہ السلام ہیں۔

پھر اور دروازہ کھول کر سفید ریشم نکالا جس میں ایک صورت تھی موٹی رانوں والی لمبے پیروں والی گھڑ سوار' پوچھا انہیں پہچانا؟ ہم نے کہا نہیں' کہا یہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک اور دروازہ کھولا اور اس میں سے سیاہ رنگ حریری پارچہ نکالا جس میں ایک صورت تھی'

سفید رنگ نوجوان' سخت سیاہ داڑھی' بہت زیادہ بال' خوشنما آنکھیں' خوبصورت چہرہ' پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں' کہا یہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہیں۔ ہم نے پوچھا آپ کے پاس یہ صورتیں کہاں سے آئیں؟ یہ تو ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ یہ تمام انبیاء کی اصلی صورت کے بالکل ٹھیک نمونے ہیں' کیونکہ ہم نے اپنے پیغمبر ﷺ کی صورت کو بالکل ٹھیک اور درست پایا' بادشاہ نے جواب دیا' بات یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے رب العزت سے دعا کی کہ آپ کی اولاد میں سے جو انبیاء علیہم السلام ہیں' ان سب کو آپ کو دکھایا جائے پس ان کی صورتیں آپ پر نازل ہوئیں جو حضرت آدم علیہ السلام کے خزانے میں جو سورج کے غروب ہونے کی جگہ پر تھا' محفوظ تھیں ذوالقرنین نے انہیں وہاں سے لے لیا اور حضرت دانیال کو دیں پھر بادشاہ کہنے لگا کہ میں تو اس پر خوش ہوں کہ اپنی بادشاہت چھوڑ دوں' میں اگر غلام ہوتا تو تمہارے ہاتھوں بک جاتا اور تمہاری غلامی میں اپنی پوری زندگی بسر کرتا۔ پھر اس نے ہمیں بہت کچھ تحفے تحائف دے کر اچھی طرح رخصت کیا جب ہم خلیفۃ المسلمین امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دربار میں پہنچے اور یہ سارا واقعہ بیان کیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روئے اور فرمانے لگے' اس مسکین کے ساتھ اللہ کی توفیق رفیق ہوتی تو یہ ایسا کر گذرتا' ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بتلایا ہے کہ نصرانی اور یہودی حضرت محمد ﷺ کے اوصاف اپنی کتابوں میں برابر پاتے ہیں۔

یہ روایت امام بیہقیؒ کی کتاب دلائل النبوۃ میں بھی ہے' اس کی اسناد بھی خوف وخطر سے خالی ہے۔ حضرت عطاء بن یسارؒ فرماتے ہیں' میں نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کی جو صفتیں تورات میں ہوں' وہ مجھے بتاؤ تو انہوں نے فرمایا' ہاں واللہ آپ کی صفتیں تورات میں ہیں جو قرآن میں بھی ہیں کہ اے نبی ہم نے آپ کو گواہ اور خوشخبری سنانے والا اور آگاہ کرنے والا اور ان پڑھوں کو گمراہی سے بچانے والا بنا کر بھیجا ہے' آپ میرے بندے اور رسول ہیں' آپ کا نام متوکل ہے' آپ بدگو اور بدخلق نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو قبض نہ کرے گا جب تک کہ آپ کی وجہ سے لوگوں کی زبان سے لا الہ الا اللہ کہلوا کر ٹیڑھے دین کو درست نہ کر دے' بند دلوں کو کھول دے گا' بہرے کانوں کو سننے والا بنا دے گا' اندھی آنکھوں کو دیکھتی کر دے گا' یہ روایت صحیح بخاری شریف میں بھی ہے۔ حضرت عطاؒ فرماتے ہیں' پھر میں حضرت کعبؒ سے ملا اور ان سے بھی یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا' ایک حرف کی بھی کمی بیشی دونوں صاحبوں کے بیان میں نہ تھی' یہ اور بات ہے کہ آپ نے اپنی لغت میں دونوں کے الفاظ بولے۔ بخاری شریف کی اس روایت میں اس ذکر کے بعد کہ آپ بدخلق نہیں' یہ بھی ہے کہ آپ بازاروں میں شور وغل کرنے والے نہیں' آپ برائی کے بدلے برائی کرنے والے نہیں بلکہ معافی اور درگذر کرنے والے ہیں۔ عبداللہ بن عمرو کی حدیث کے ذکر کے بعد ہے کہ سلف کے کلام میں عموماً تورات کا لفظ اہل کتاب کی کتابوں پر بولا جاتا ہے' اس کے مشابہ اور بھی روایات ہیں۔ واللہ اعلم طبرانی میں حضرت جبیر بن مطعم سے مروی ہے کہ میں تجارت کی غرض سے شام میں گیا' وہاں میری ملاقات اہل کتاب کے ایک عالم سے ہوئی' اس نے مجھ سے پوچھا کہ نبی تم میں ہوئے ہیں؟ میں نے کہا ہاں' اس نے کہا اگر تمہیں ان کی صورت دکھائیں تو تم پہچان لوگے؟ میں نے کہا ضرور' چنانچہ وہ مجھے ایک گھر میں لے گیا جہاں بہت سی صورتیں تھیں لیکن ان میں میری نگاہ میں حضورؐ کی کوئی شبیہ نہ آئی' اسی وقت ایک اور عالم آیا' ہم سے پوچھا کیا بات ہے؟ جب اسے ساری بات معلوم ہوئی تو وہ ہمیں اپنے مکان لے گیا' وہاں جاتے ہی میری نگاہ آپ کی شبیہ پر پڑی اور میں نے دیکھا کہ گویا کوئی آپ کے پیچھے ہی آپ کو تھامے ہوئے ہے' میں نے یہ دیکھ کر اس سے پوچھا یہ دوسرے صاحب کیسے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ جو نبی آیا' اس کے بعد بھی نبی آیا' لیکن اس نبی کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اس کے پیچھے کا یہ شخص اس کا خلیفہ ہے اب جو میں نے غور سے دیکھا تو وہ بالکل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل تھی۔

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے موذن اقرع کو ایک پادری کے پاس بھیجا' آپ اسے بلا لائے'

امیر المومنین نے اس سے پوچھا کہ بتاؤ تم میری صفت اپنی کتابوں میں پاتے ہو؟ اس نے کہا ہاں' کہا کیا؟ اس نے جواب دیا کہ قرن' آپ نے کوڑا اٹھا کر فرمایا قرن کیا ہے؟ اس نے کہا گویا کہ وہ لوہے کا سینگ ہے' وہ امیر ہے' دین میں بہت سخت' فرمایا' اچھا میرے بعد والے کی صفت کیا ہے؟ اس نے کہا کہ خلیفہ تو وہ نیک صالح ہے لیکن اپنے قرابت داروں کو وہ دوسروں پر ترجیح دے گا' آپ نے فرمایا' اللہ عثمان پر رحم کرے' تین بار یہ فرمایا' پھر فرمایا' اچھا ان کے بعد؟ اس نے کہا لوہے کے ٹکڑے جیسا' حضرت عمر نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیا اور افسوس کرنے لگے' اس نے کہا اے امیر المومنین ہوں گے تو وہ نیک خلیفہ' لیکن بنائے ہی اس وقت جائیں گے جب تلوار کھچی ہوئی ہو اور خون بہہ رہا ہو (ابوداؤد) ان کتابوں میں آنحضرت ﷺ کی ایک صفت یہ بھی تھی کہ آپ نیکیوں کا حکم دیں گے - برائیوں سے روکیں گے - فی الواقع آپ ایسے ہی تھے - کونسی بھلائی ہے جس کا آپ نے حکم نہ دیا ہو؟ کونسی برائی ہے جس سے آپ نے نہ روکا ہو؟ جیسے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں' تم جب قرآن کے یہ لفظ سنو کہ اے ایمان والو' تو اسی وقت ہمہ تن گوش ہو جاؤ کیونکہ یا تو کسی خیر کا تمہیں حکم کیا جائے گا یا کسی شر سے تمہیں بچایا جائے گا - ان میں سب سے زیادہ تاکید اللہ کی وحدانیت کی تھی جس کا حکم برابر ہر نبی کو ہوتا رہا - قرآن شاہد ہے کہ ہر امت کے رسول کو پہلا حکم یہی ملا کہ وہ لوگوں سے کہہ دیں کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ماسوا کسی کی عبادت نہ کرو مسند احمد میں فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ جب تم میری کسی حدیث کو سنو جسے تمہارے دل پہچان لیں' تمہارے جسم اس کی قبولیت کے لئے تیار ہو جائیں اور تمہیں یہ معلوم ہو کہ وہ میرے لائق ہے' تو میں اس سے بہ نسبت تمہارے زیادہ لائق ہوں اور جب تم میرے نام سے کوئی ایسی بات سنو جس سے تمہارے دل انکار کریں اور تمہارے جسم نفرت کریں اور تم دیکھو کہ وہ تم سے بہت دور ہے' پس میں بہ نسبت تمہارے بھی اس سے بہت دور ہوں اس کی سند بہت پکی ہے -

اس کی ایک اور روایت میں حضرت علیؓ کا قول ہے کہ جب تم رسول اللہ ﷺ سے منقول کوئی حدیث سنو تو اس کے ساتھ وہ خیال کرو جو خوب راہ والا' بہت مبارک اور بہت پرہیزگاری والا ہو - پھر حضورؐ کی ایک صفت بیان ہو رہی ہے کہ آپ کل پاک صاف اور طیب چیزوں کو حلال کرتے ہیں' بہت سی چیزیں ان میں ایسی تھیں جنہیں لوگوں نے ازخود حرام قرار دے لیا تھا' جیسے جانوروں کو بتوں کے نام کر کے نشان ڈال کر انہیں حرام سمجھنا وغیرہ اور خبیث اور گندی چیزیں آپ لوگوں پر حرام کرتے ہیں' جیسے سور کا گوشت سود وغیرہ اور جو حرام چیزیں لوگوں نے ازخود حلال کر لی تھیں بعض علماء کا فرمان ہے کہ اللہ کی حلال چیزیں کھاؤ' وہ دین میں بھی ترقی کرتی ہیں اور بدن میں بھی فائدہ پہنچاتی ہیں اور جو چیزیں حرام کر دی ہیں' ان سے بچو کیونکہ ان سے دین کے نقصان کے علاوہ صحت میں بھی نقصان ہوتا ہے - اس آیت کریمہ سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ چیزوں کی اچھائی برائی دراصل عقلی ہے' اس کے بہت سے جواب دیئے گئے ہیں لیکن یہ جگہ اس کے بیان کی نہیں - اسی آیت کو زیر نظر رکھ کر بعض اور علماء نے کہا ہے کہ جن چیزوں کا حلال حرام ہونا کسی کو نہ پہنچا ہو اور کوئی آیت یا حدیث اس کے بارے میں نہ ملی ہو تو دیکھنا چاہئے کہ عرب اسے اچھی چیز سمجھتے ہیں یا اس سے کراہت کرتے ہیں' اگر اسے اچھی چیز جان کر استعمال میں لاتے ہیں تو حلال ہے اور اگر بری چیز سمجھ کر نفرت کر کے اسے نہ کھاتے ہوں تو وہ حرام ہے اس اصول میں بھی بہت کچھ گفتگو ہے -

پھر فرماتا ہے کہ آپ بہت صاف' آسان اور سہل دین لے کر آئیں گے' چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ میں ایک طرف آسان دین دے کر مبعوث کیا گیا ہوں - حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب حضور ﷺ یمن کا امیر بنا کر بھیجتے ہیں تو فرماتے ہیں' تم دونوں خوش خبری دینا' نفرت نہ دلانا' آسانی کرنا' سختی نہ کرنا' مل کر رہنا' اختلاف نہ کرنا - آپ کے صحابی ابوبرزہ اسلمیؓ فرماتے ہیں' میں حضورؐ کے ساتھ رہا ہوں اور آپ کی آسانیوں کا خوب مشاہدہ کیا ہے پہلی امتوں میں بہت سختیاں تھیں' لیکن پروردگار عالم نے اس امت سے

وہ تمام تنگیاں دور فرما دیں' آسان دین اور سہولت والی شریعت انہیں عطا فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' میری امت کے دلوں میں جو وسوسے گذریں' ان پر انہیں پکڑ نہیں جب تک کہ زبان سے نہ نکالیں یا عمل نہ لائیں فرماتے ہیں' میری امت کی بھول چوک اور غلطی سے اور جو کام ان سے جبراً کئے کرائے جائیں' ان سے اللہ تعالیٰ نے قلم اٹھا لیا ہے' یہی وجہ ہے کہ اس امت کو خود اللہ تعالیٰ نے یہ تعلیم فرمائی کہ کہو کہ اے ہمارے پروردگار' تو ہماری بھول چوک پر ہماری پکڑ نہ کر' اے ہمارے رب' ہم پر وہ بوجھ نہ لاؤ جو ہم سے پہلوں پر تھا' اے ہمارے رب ہمیں ہماری طاقت سے زیادہ بوجھل نہ کر' ہمیں معاف فرما' ہمیں بخش' ہم پر رحم فرما' تو ہی ہمارا کارساز مولیٰ ہے' پس ہمیں کافروں پر مدد عطا فرما۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ جب مسلمانوں نے یہ دعائیں کیں تو ہر جملے پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا' میں نے یہ قبول فرمایا پس جو لوگ اس نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لائیں اور آپ کا ادب عزت کریں اور جو وحی آپ پر اتری ہے' اس نور کی پیروی کریں وہی دنیا و آخرت میں فلاح پانے والے ہیں۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

اعلان کر دے کہ اے لوگو میں تم سب کی جانب اس اللہ کا رسول ہوں' جس کے قبضے میں آسمان و زمین کی بادشاہت ہے' جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں' وہی جلاتا اور مارتا ہے' پس تم سب اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ جو اس پر اور اس کی باتوں پر ایمان رکھتا ہے اور تم اسی کی پیروی کرو تاکہ راہ راست پاؤ ○

النبی العالم اور النبی الخاتم ﷺ: ☆☆ (آیت: ۱۵۸) اللہ تعالیٰ اپنے نبی و رسول حضرت محمد ﷺ کو حکم فرماتا ہے کہ تمام عرب و عجم کے گوروں کالوں سے کہہ دو کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں۔ آپ کی شرافت و عظمت ہے کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں اور تمام دنیا کے لئے صرف آپ ہی نبی ہیں۔ جیسے فرمان قرآن ہے قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ یعنی اعلان کر دے کہ مجھ میں اور تم میں اللہ گواہ ہے' اس پاک قرآن کی وحی میری جانب اس لئے اتاری گئی ہے کہ میں اس سے تمہیں اور جن لوگوں تک یہ پہنچے' سب کو ہوشیار کر دوں۔ اور آیت میں ہے وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ یعنی مخلوق کے مختلف گروہ میں سے جو بھی آپ کا انکار کرے' اس کی وعدہ گاہ جہنم ہے۔

اور آیت میں ہے وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ یعنی اہل کتاب اور غیر اہل کتاب سے کہہ دو کہ کیا تم مانتے ہو؟ اگر تسلیم کر لیں مسلمان ہو جائیں تو راہ پر ہیں ورنہ تیرے ذمے تو صرف پہنچا دینا ہی ہے۔ اس مضمون کی اور بھی قرآنی آیات بکثرت ہیں اور احادیث تو اس بارے میں بے شمار ہیں۔ دین اسلام کی ذرا سی بھی سمجھ جسے ہے' وہ بالیقین جانتا اور مانتا ہے کہ آپ تمام جہان کے لوگوں کی طرف رسول اللہ ہیں (ﷺ) اس آیت کی تفسیر میں صحیح بخاری شریف میں ہے کہ اتفاق سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ میں کچھ چشمک ہو گئی' حضرت صدیقؓ نے حضرت فاروقؓ کو ناراض کر دیا حضرت فاروقؓ اسی حالت میں چلے گئے حضرت صدیقؓ نے درخواست کی کہ آپ معاف فرمائیں اور اللہ سے میرے لئے بخشش چاہیں' لیکن حضرت

عمرؓ راضی نہ ہوئے بلکہ کواڑ بند کر لئے' آپ لوٹ کر دربار محمدی میں آئے' اس وقت اور صحابی بھی حضورؐ کی مجلس میں موجود تھے' آپ نے فرمایا' تمہارے اس ساتھی نے انہیں ناراض اور غضبناک کر دیا' حضرت عمرؓ حضرت صدیقؓ کی واپسی کے بعد بہت ہی نادم ہوئے اور اسی وقت دربار رسالت مآب میں حاضر ہو کر تمام بات کہہ سنائی' حضورؐ ناراض ہوئے' ابوبکر صدیقؓ بار بار کہتے جاتے تھے کہ یارسول اللہ! زیادہ ظلم تو مجھ سے سرزد ہوا ہے' حضورؐ نے فرمایا' کیا تم میرے ساتھی کو میری وجہ سے چھوڑتے نہیں؟ سنو جب میں نے اس آواز حق کو اٹھایا کہ لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں' تو تم نے کہا تو جھوٹا ہے' لیکن اس ابوبکرؓ نے کہا' آپ سچے ہیں مسند امام احمد میں ہیں ابن عباسؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں' یاد رہے کہ میں اسے فخراً نہیں کہتا' میں تمام سرخ وسیاہ لوگوں کی جانب بھیجا گیا ہوں اور میری مدد مہینے بھر کے فاصلے سے صرف رعب کے ساتھ کی گئی ہے اور میرے لئے غنیمت کے مال حلال کئے گئے ہیں' حالانکہ مجھ سے پہلے کے لوگ ان کی بہت عظمت کرتے تھے' وہ اس مال کو جلا دیا کرتے تھے اور میرے لئے ساری زمین مسجد اور وضو کی پاک چیز بنا دی گئی ہے اور مجھے اپنی امت کی شفاعت عطا فرمائی گئی ہے' جسے میں نے ان لوگوں کے لئے مخصوص کر رکھا ہے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ عمرو بن شعیب اپنے باپ' دادا سے روایت کرتے ہیں۔ کہ غزوہ تبوک والے سال رسول اللہ ﷺ رات کو تہجد کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے' پس بہت سے صحابہ آپ کے پیچھے جمع ہو گئے کہ آپ کی چوکیداری کریں' نماز کے بعد آپؐ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا' اس رات مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے اور کسی کو نہیں دی گئیں (۱) میں تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں' مجھ سے پہلے کے تمام رسول صرف اپنی اپنی قوم کی طرف ہی نبی بنا کر بھیجے جاتے رہے (۲) مجھے اپنے دشمنوں پر رعب کے ساتھ مدد دی گئی ہے' گو وہ مجھ سے مہینے بھر کے فاصلے پر ہوں وہیں وہ مرعوب ہو جاتے ہیں (۳) میرے لئے مال غنیمت حلال کئے گئے ہیں' حالانکہ مجھ سے پہلے کے لوگ ان کی بہت عظمت کرتے تھے' وہ اس مال کو جلا دیا کرتے تھے (۴) اور میرے لئے ساری زمین مسجد اور وضو کی پاک چیزیں بنا دی گئی ہیں' جہاں کہیں میرے امتی کو نماز کا وقت آ جائے' وہ تیمم کر لے اور نماز ادا کر لے' مجھ سے پہلے کے لوگ اس کی عظمت کرتے تھے' سوائے ان جگہوں کے جو نماز کے لئے مخصوص تھیں اور جگہ نماز نہیں پڑھ سکتے تھے اور پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ مجھ سے فرمایا گیا' آپ دعا کیجئے' مانگئے کیا مانگتے ہیں؟ ہر نبی مانگ چکا ہے تو میں نے اپنے اس سوال کو قیامت پر اٹھا رکھا ہے' پس وہ تم سب کے لئے ہے اور ہر اس شخص کے لئے جو لا الہ الا اللہ کی گواہی دے اس کی اسناد بہت پختہ ہے اور مسند احمد میں یہ حدیث موجود ہے۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ میری اس امت میں سے جس یہودی یا نصرانی کے کان میں میرا ذکر پڑے اور وہ مجھ پر ایمان نہ لائے' وہ جنت میں نہیں جا سکتا۔ یہ حدیث دوسری سند سے صحیح مسلم شریف میں بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' میرا ذکر اس امت کے جس یہودی نصرانی کے پاس پہنچے اور وہ مجھ پر اور میری وحی پر ایمان نہ لائے اور مر جائے وہ جہنمی ہے۔ مسند کی ایک اور حدیث میں آپ نے ان پانچوں چیزوں کا ذکر فرمایا جو صرف آپ کو ہی ملی ہیں' پھر فرمایا' ہر نبی نے شفاعت کا سوال کر لیا ہے اور میں نے اپنے سوال کو چھپا رکھا ہے اور ان کے لئے اٹھا رکھا ہے جو میری امت میں سے توحید پر مرے یہ حدیث جابر بن عبداللہؓ کی روایت سے بخاری ومسلم میں بھی موجود ہے کہ مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کے انبیاء کو نہیں دی گئیں' مہینے بھر کی مسافت تک رعب سے' امداد ونصرت' ساری زمین کا مسجد وطہور ہونا کہ میری امت کو جہاں وقت نماز آ جائے' ادا کر لے' غنیموں کا حلال کیا جانا جو پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھیں' شفاعت کا دیا جانا' تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا جانا' حالانکہ پہلے کے انبیاء صرف اپنی قوم کی طرف ہی بھیجے جاتے تھے۔

پھر فرماتا ہے کہ کہو مجھے اس اللہ نے بھیجا ہے جو زمین و آسمان کا بادشاہ ہے' سب چیزوں کا خالق مالک ہے' جسکے ہاتھ میں ملک ہے' جو مارنے جلانے پر قادر ہے' جس کا حکم چلتا ہے' پس اے لوگو تم اللہ پر اور اس کے رسول و نبی پر ایمان لاؤ جو ان پڑھ ہونے کے باوجود دنیا کو پڑھا رہے ہیں' انہی کا تم سے وعدہ تھا اور ان ہی کی بشارت تمہاری کتابوں میں بھی ہے' انہی کی صفتیں اگلی کتابوں میں ہیں' یہ خود اللہ کی ذات پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں' قول و فعل سب میں اللہ کے کلام کے مطیع ہیں' تم سب ان کے ماتحت اور فرمانبردار ہو جاؤ' انہی کے طریقے پر چلو اور انہی کی فرمانبرداری کرو' تم راہ راست پر آ جاؤ گے۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿١٥٩﴾

قوم موسیٰ میں سے ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کی رہبری کرتی ہے اور حق کے ساتھ انصاف و عدل کرتی ہے ○

انبیاء کا قاتل گروہ: ☆☆ (آیت:۱۵۹) اللہ تعالیٰ خبر دیتے ہیں کہ امت موسیٰ میں بھی ایک گروہ حق کا ماننے والا ہے۔ جیسے فرمان ہے مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ الخ اہل کتاب میں سے ایک جماعت حق پر قائم ہے' راتوں کو اللہ کے کلام کی تلاوت کرتی رہتی ہے اور برابر سجدے کیا کرتی ہے۔ اور آیت میں ہے وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ الخ یعنی اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ پر اور اس پر جو تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اور اس پر جو ان کی طرف اتارا گیا ہے' ایمان لاتے ہیں' اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں' اللہ کی باتوں کو دینوی نفع کی خاطر فروخت نہیں کرتے' ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے' اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ اور آیت میں ہے اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ الخ جنہیں ہم نے اس قرآن سے پہلے اپنی کتاب دی ہے' وہ اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں' اس کی آیات سن کر اپنے ایمان کا اور اس کی حقانیت کا اعلان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اس سے پہلے ہی مسلمان تھے' انہیں ان کے صبر کا دوہرا اجر ہے۔

اور آیت میں ہے اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ الخ جو لوگ ہماری کتاب ہوئے ہیں اور اسے حق تلاوت کی ادائیگی کے ساتھ پڑھتے ہیں' وہ اس قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور فرمان ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖ الخ جو لوگ پہلے علم دیئے گئے ہیں وہ ہمارے پاک قرآن کی آیات سن کر سجدوں میں گر پڑتے ہیں' ہماری پاکیزگی کا اظہار کر کے ہمارے وعدوں کی سچائی بیان کرتے ہیں' اپنی ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے سجدے کرتے ہیں اور عاجزی اور اللہ سے خوف کھانے میں سبقت لے جاتے ہیں۔

امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اس جگہ ایک عجیب خبر لکھی ہے کہ ابن جریج فرماتے ہیں' جب بنی اسرائیل نے کفر کیا اور اپنے نبیوں کو قتل کیا' ان کے بارہ گروہ تھے' ان میں سے ایک گروہ اس نالائق گروہ سے الگ رہا' اللہ تعالیٰ سے معذرت کی اور دعا کی کہ ان میں اور ان گیارہ گروہ میں وہ تفریق کر دے' چنانچہ زمین میں ایک سرنگ ہو گئی' یہ اس میں چلے گئے اور چین کے پرلے پار نکل گئے' وہاں پر سچے سیدھے مسلمان انہیں ملے جو ہمارے قبلہ کی طرف نمازیں پڑھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ آیت وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ الخ کا یہی مطلب ہے۔ اس آیت میں جس دوسرے وعدے کا ذکر ہے یہ آخرت کا وعدہ ہے۔ کہتے ہیں اس سرنگ میں ڈیڑھ سال تک وہ چلتے رہے۔ کہتے ہیں اس قوم کے اور تمہارے درمیان ایک نہر ہے۔

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى
اِذِ اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ
مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ
وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا
مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا
حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ
خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ۭ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾

ہم نے انہیں بارہ قبیلوں اور گروہ میں بانٹ دیا اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی جبکہ اس کی قوم نے اس سے پانی طلب کیا کہ اپنی لکڑی پتھر پر مار دے پس اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر لیا' اور ہم نے ان پر ابر کا سایہ کیا اور ان پر من وسلویٰ اتارا' جو ستھری روزی ہم نے تم کو دے رکھی ہے' کھاؤ' انہوں نے ہمارا تو کوئی بگاڑ نہیں کیا' ہاں بیشک اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ○ اس وقت کو یاد کرو جبکہ ہم نے ان سے فرمایا کہ تم اس بستی میں رہو اور جہاں جی چاہے یہاں کھاؤ پیو اور زبان سے حطۃ کہو یعنی ہمارے گناہ اتار دے اور اس دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے جاؤ تو ہم تمہارے گناہ معاف فرما دیں گے' نیکی کرنے والوں کو ہم زیادتی دیا کرتے ہیں ○

(آیت: ۱۶۰-۱۶۲) یہ سب آیات سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہیں اور وہیں ان کی پوری تفسیر بھی بحمد اللہ ہم نے بیان کر دی ہے' وہ سورت مدنیہ ہے اور یہ مکیہ ہے۔ ان آیات اور ان احادیث کا فرق بھی مع لطافت کے ہم نے وہیں ذکر کر دیا ہے۔ یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا
عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ وَسْــَٔـلْهُمْ عَنِ ع ۵
الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ
اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا
يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ڔ كَذٰلِكَ ڔ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

پھر بھی ان میں سے جو ظالم تھے انہیں جو بات کہی گئی تھی اس کے سوا انہوں نے اور بدل ڈالی' پھر تو ہم نے بھی ان پر آسمان سے عذاب نازل فرمایا' اس لئے کہ وہ ظلم پر کمربستہ تھے ○ ان سے اس گاؤں کا حال تو دریافت کر جو دریا کے کنارے تھا' جبکہ وہاں کے لوگ ہفتے کے دن احکام میں حد سے گذرنے لگے' جبکہ ان کی مچھلیاں ان کے پاس ان کے ہفتے والے دن تو کھلم کھلا چڑھی چلی آتی تھیں اور جس دن وہ ہفتہ نہ مناتے' مچھلیاں بھی ان کے پاس نہ آتیں' ہم انہیں یوں ہی آزمانے لگے'

کیونکہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے ○

تصدیق رسالت سے گریزاں یہودی علماء: ☆☆ (آیت:۱۶۳) اس واقعہ کی آیت وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ گزر چکی ہے اسی واقعہ کا تفصیلی بیان اس آیت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلوات اللہ وسلامہ علیہ کو حکم دیتا ہے کہ آپ اپنے زمانے کے یہودیوں سے ان کے پہلے باپ دادوں کی بابت سوال کیجئے' جنہوں نے اللہ کے فرمان کی مخالفت کی تھی' پس ان کی سرکشی اور حیلہ جوئی کی وجہ سے ہماری اچانک پکڑ ان پر مسلط ہوئی' اس واقعہ کو یاد دلا کہ یہ بھی میری ناگہانی سزا سے ڈر کر اپنی اس ملعون صفت کو بدل دیں اور آپ کے جو اوصاف ان کی کتابوں میں ہیں' انہیں نہ چھپائیں' ایسا نہ ہو کہ اُن کی طرح اِن پر بھی ہمارے عذاب اِن کی بے خبری میں برس پڑیں' ان لوگوں کی یہ بستی بحر قلزم کے کنارے واقع تھی' جس کا نام آئلہ تھا' مدین اور طور کے درمیان یہ شہر تھا' یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس بستی کا نام مدین تھا ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام متنا تھا' یہ مدین اور عینوں کے درمیان تھا۔ انہیں حکم ملا کہ یہ ہفتہ کے دن کی حرمت کریں اور اس دن شکار نہ کھیلیں' مچھلی نہ پکڑیں' ادھر مچھلیوں کی بحکم الٰہی یہ حالت ہوئی کہ ہفتے والے دن تو چڑھی چلی آتیں' کھلم کھلا ہاتھ لگتیں' تیرتی پھرتیں' سب طرف سے سمٹ کر آ جاتیں اور جب ہفتہ نہ ہوتا تو ایک مچھلی بھی نظر نہ آتی بلکہ تلاش پر بھی ہاتھ نہ لگتی' یہ ہماری آزمائش تھی کہ مچھلیاں ہیں تو شکار منع اور شکار جائز ہے تو مچھلیاں ندارد' چونکہ یہ لوگ فاسق اور بے حکم تھے' اس لئے ہم نے بھی ان کو اس طرح آزمایا' آخر ان لوگوں نے حیلہ جوئی شروع کی' ایسے اسباب جمع کرنے شروع کئے جو باطن میں اس حرام کام کا ذریعہ بن جائیں۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ یہودیوں کی طرح حیلے کر کے ذرا سی دیر کے لئے اللہ کے حرام کو حلال نہ کر لینا۔ اس حدیث کو امام عبداللہ ابن بطہ لائے ہیں اور اس کی سند نہایت عمدہ ہے' اس کے راوی احمد بن محمد بن سلم کا ذکر امام خطیب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں کیا ہے اور انہیں ثقہ کہا ہے باقی تمام راوی بہت مشہور ہیں اور سب کے سب ثقہ ہیں' ایسی بہت سی سندوں کو امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے۔

وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا ۙ اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٦٤﴾ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٥﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَن مَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿١٦٦﴾

جبکہ ان کے ایک گروہ نے کہا کہ تم ان لوگوں کو کیوں نصیحت کر رہے ہو جنہیں اللہ غارت کرنے والا ہے' یا جنہیں سخت تر عذاب کرنے والا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کے ہاں کا اپنے اوپر کا الزام اتارنے کے لئے اور اس خیال سے بھی کہ شاید یہ باز آ جائیں ○ آخر ان لوگوں نے جب وہ تمام باتیں بھلا دیں جو انہیں بطور نصیحت کی گئیں تھیں' تو ہم نے برائی سے روکنے والوں کو بچا کر ان ظالموں کو ان کی نافرمانیوں کی پاداش میں سخت بدترین عذابوں میں پھانس لیا ○ پھر جس کام سے وہ

روکے گئے تھے جب اس میں حد سے تجاوز کر گئے' تو آخرش ہم نے حکم دے دیا کہ تم سب ذلیل بندر بن جاؤ ○

اصحاب سبت: ☆☆ (آیت: ۱۶۴-۱۶۶) جس بستی کے لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے ان کے تین گروہ ہو گئے تھے' ایک تو حرام شکار کھیلنے والا اور حیلے حوالوں سے مچھلی پکڑنے والا' دوسرا گروہ انہیں روکنے والا اور ان سے بیزاری ظاہر کر کے ان سے الگ ہو جانے والا اور تیسرا گروہ چپ چاپ رہ کر نہ اس کام کو کرنے والا نہ اس سے روکنے والا جیسے کہ سورہ بقرہ کی تفسیر میں ہم خلاصہ وار بیان کر آئے ہیں- جو لوگ خاموش تھے نہ برائی کرتے تھے نہ بروں کو برائی سے روکتے تھے' انہوں نے روکنے والوں کو سمجھانا شروع کیا کہ میاں ان لوگوں کو کہنے سننے سے کیا فائدہ؟ انہوں نے تو اللہ کے عذاب مول لے لئے ہیں' رب کے غضب کے لئے تیار ہو گئے ہیں' اب تم ان کے پیچھے کیوں پڑے ہو؟ تو اس پاک گروہ نے جواب دیا کہ اس میں دو فائدے ہیں' ایک تو یہ کہ اللہ کے پاس ہم معذرت خواہ ہو جائیں کہ ہم اپنا فرض برابر ادا کرتے رہے' انہیں ہر وقت سمجھاتے بجھاتے رہے- ''معذرۃ'' پیش سے بھی ایک قرأت' ہے تو گویا ھذا کا لفظ یہاں مقدر مانا یعنی انہوں نے کہا' یہ ہماری معذرت ہے اور زبر کی قرأت پر یہ مطلب ہے کہ ہم جو انہیں روک رہے ہیں' یہ کام بطور اس کے کر رہے ہیں کہ اللہ کے ہاں ہم پر الزام نہ آئے' کیونکہ اللہ کا حکم ہے کہ ہمیشہ نیکی کا حکم کرتے رہو اور برائی سے روکتے رہو- دوسرا فائدہ اس میں یہ ہے کہ بہت ممکن ہے کسی وقت کی نصیحت ان پر اثر کر جائے' یہ لوگ اپنی اس حرام کاری سے باز آ جائیں' اللہ سے توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی ان پر مہربانی کرے اور ان کے گناہ معاف فرما دے' آخر کار ان کی نصیحت خیر خواہی بھی بے نتیجہ ثابت ہوئی' ان بدکاروں نے ایک نہ مانی تو ہم نے اس مسلم گروہ کو تو جو برابر ان سے نالاں رہا' ان سے الگ رہا اور انہیں سمجھاتا بجھاتا رہا' نجات دے دی اور باقی کے ظالموں کو جو ہماری نافرمانیوں کے مرتکب تھے' اپنے بدترین عذابوں سے پکڑ لیا عبارت کی عمدگی ملاحظہ ہو کہ روکنے والوں کی نجات کا کھلے لفظوں میں اعلان کیا' ظالموں کی ہلاکت کا بھی غیر مشتبہ الفاظ میں بیان کیا اور چپ رہنے والوں کے حالات سے سکوت کیا گیا' اس لئے کہ ہر عمل کی جزا اسی کی ہم جنس ہے' یہ لوگ نہ تو اس ظلم عظیم میں شریک تھے کہ ان کی مذمت علانیہ کی جائے' نہ دلیری سے روکتے تھے کہ صاف طور پر قابل تعریف ٹھہریں-

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' جو گروہ ممانعت کرنے کے بعد تھک کر بیٹھ گیا تھا اور پھر روکنا چھوڑ دیا تھا' اللہ کا عذاب جب آیا تو یہ گروہ بھی اس عذاب سے بچ گیا' صرف وہی ہلاک ہوئے جو گناہ میں مبتلا تھے آپ کے شاگرد حضرت عکرمہؒ کا بیان ہے کہ پہلے حضرت ابن عباسؓ کو اس میں بڑا تردد تھا کہ آیا یہ لوگ ہلاک ہوئے یا بچ گئے' یہاں تک کہ ایک روز میں آیا تو دیکھا کہ قرآن گود میں رکھے ہوئے رو رہے ہیں' پہلے تو میرا حوصلہ نہ پڑا کہ سامنے آؤں' لیکن دیر تک جب یہی حالت رہی تو میں نے قریب آ کر سلام کیا' بیٹھ گیا اور رونے کی وجہ دریافت کی' تو آپ نے فرمایا' دیکھو یہ سورہ اعراف ہے' اس میں ایلہ کے یہودیوں کا ذکر ہے کہ انہیں ہفتے کے روز مچھلی کے شکار کی ممانعت کر دی گئی اور ان کی آزمائش کے لئے مچھلیوں کو حکم ہوا کہ وہ صرف ہفتے کے دن ہی نکلیں' ہفتے کے دن دریا مچھلیوں سے بھرے رہتے تھے' تر و تازہ موٹی اور عمدہ بکثرت مچھلیاں پانی کے اوپر اچھلتی کودتی رہتی تھیں' باقی دنوں میں سخت کوشش کے باوجود بھی نہ ملتی تھیں' کچھ دنوں تک تو ان کے دلوں کے اندر حکم الٰہی کی عظمت رہی اور یہ ان کے پکڑنے سے رکے رہے' لیکن پھر شیطان نے ان کے دل میں یہ قیاس ڈال دیا کہ اس دن منع کھانے سے ہے' تم نے آج کھانا نہیں' پکڑ لو اور جائز دن کھا لینا' سچے مسلمانوں نے انہیں اس حیلہ جوئی سے ہر چند روکا اور سمجھایا کہ دیکھو شکار کھیلنا شروع نہ کرو شکار کرنا اور کھانا دونوں ممنوع ہیں اگلے جمعہ کے دن جو جماعت شیطانی پھندے میں پھنس چکی تھی' وہ اپنے بال بچوں سمیت شکار کو نکل کھڑی ہوئی' باقی کے لوگوں کی دو جماعتیں بن گئیں' ایک ان کے دائیں ایک بائیں' دائیں جانب والی تو برابر انہیں روکتی رہی'

کہ اللہ سے ڈرو اور اللہ کے عذابوں کے لئے تیاری نہ کرو' بائیں والوں نے کہا' میاں تمہیں کیا پڑی؟ یہ تو خراب ہونے والے ہیں' اب تم انہیں نصیحت کر کے کیا لو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ خیر اللہ کے ہاں ہم تو چھوٹ جائیں گے اور ہمیں تو اب تک مایوسی بھی نہیں' کیا عجب کہ یہ لوگ سنور جائیں تو ہلاکت اور عذاب سے محفوظ رہیں' ہماری تو عین منشا یہ ہے' لیکن یہ بدکار اپنی بے ایمانی سے باز نہ آئے اور نصیحت انہیں کارگر نہ ہوئی تو دائیں طرف کے لوگوں نے کہا تم نے ہمارا کہا نہ مانا' اللہ کی نافرمانی کی' ارتکاب حرمت کیا' عجب نہیں راتوں رات تم پر کوئی عذاب رب آئے اور اللہ تمہیں زمین میں دھنسا دے یا تم پر پتھر برسا دے یا کسی اور طرح تمہیں سزا دے رات ہم تو یہیں گذاریں گے اور تمہارے ساتھ شہر میں نہیں رہیں گے۔ جب صبح ہوگئی اور شہر کے دروازے نہ کھلے تو انہوں نے کواڑ کھٹ کھٹائے' آوازیں دیں' لیکن کوئی جواب نہ آیا' آخر سیڑھی لگا کر ایک شخص کو قلعہ کی دیوار پر چڑھایا' اس نے دیکھا تو حیران ہو گیا کہ سب لوگ بندر بنا دیئے گئے' اس نے ان سب مسلمانوں کو خبر دی' یہ دروازے توڑ کر اندر گئے تو دیکھا کہ سب دم دار بندر بن گئے ہیں' یہ تو کسی کو پہچان نہ سکے لیکن وہ پہچان گئے ہر بندر اپنے اپنے رشتے دار کے قدموں میں لوٹنے لگا' ان کے کپڑے پکڑ پکڑ کر رونے لگا' تو انہوں نے کہا دیکھو ہم تو تمہیں منع کر رہے تھے' لیکن تم نے مانا ہی نہیں' وہ اپنا سر ہلاتے تھے کہ ہاں ٹھیک ہے ہمارے اعمال کی شامت نے ہی ہمیں برباد کیا ہے ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ تو قرآن میں ہے کہ روکنے والے نجات یافتہ ہوئے' لیکن یہ بیان نہیں کہ جو روکنے والوں کو منع کرتے تھے' ان کا کیا حشر ہوا؟ اب ہم بھی بہت سی خلاف باتیں دیکھتے ہیں اور کچھ نہیں کر سکتے۔

حضرت عکرمہ کہتے ہیں میں نے آپ سے یہ سن کر کہا' اللہ مجھے آپ پر نثار کر دے' آپ یہ تو دیکھئے کہ وہ لوگ ان کے اس فعل کو برا سمجھتے رہے تھے' ان کی مخالفت کرتے تھے' جانتے تھے کہ یہ ہلاک ہونے والے ہیں' ظاہر ہے کہ یہ بچ گئے' آپ کی سمجھ میں آگیا اور اسی وقت حکم دیا کہ مجھے دو چادریں انعام میں دی جائیں۔

الغرض اس بیچ کی جماعت کی نسبت ایک قول تو یہ ہے کہ عذاب سے بچ گئی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عذاب ان پر بھی آیا۔ ابن رومان فرماتے ہیں کہ ہفتے والے دن خوب مچھلیاں آتیں' پانی ان سے بھر جاتا پھر بیچ کے کسی دن نظر نہ آتیں' دوسرے ہفتے کو پھر یہی حال ہوتا سب سے پہلے ایک شخص نے یہ حیلہ نکالا کہ ڈور اور کانٹا تیار کیا' مچھلی کو اس میں ہفتے کے دن پھنسا لیا اور پانی میں ہی چھوڑ دیا' اتوار کی رات کو جا کر نکال لیا' بھونا' لوگوں کو مچھلی کی خوشبو پہنچی تو سب نے گھیر لیا' ہر چند پوچھا' لیکن اول تو یہ سختی سے انکار کرتا رہا' آخر بات بنا دی کہ دراصل ایک مچھلی کا چھلکا مجھے مل گیا تھا' میں نے اسے بھونا تھا۔ دوسرے ہفتے کے دن اس نے اسی طرح دو مچھلیاں پھانس لیں' اتوار کی رات کو نکال کر بھوننے لگا لوگ آ گئے تو اس نے کہا' میں نے ایک ترکیب نکال لی ہے جس سے نافرمانی بھی نہ ہو اور کام بھی نہ رکے' اب جو حیلہ بیان کیا تو ان سب نے اسے پسند کیا اور بکثرت لوگ یونہی کرنے لگے' یہ لوگ رات کو شہر پناہ کے پھاٹک بند کر کے سوتے تھے۔ جس رات عذاب آیا' حسب دستور یہ شہر پناہ کے پھاٹک لگا کر سوئے تھے' صبح کو جب باہر والے شہر میں داخل ہونے کیلئے آئے تو خلاف معمول اب تک دروازے بند پائے' آوازیں دیں' کوئی جواب نہ ملا تو قلعہ پر چڑھ گئے' دیکھا تو بندر بنا دیئے گئے ہیں' کھول کر اندر گئے تو بندر اپنے اپنے رشتہ داروں کے قدموں میں لوٹنے لگے۔ اس سے پہلے سورہ بقرہ کی ایسی ہی آیت کی تفسیر کے موقعہ پر بالتفصیل ان واقعات کو اچھی طرح بیان کر چکے ہیں' وہیں دیکھ لیجئے' فالحمد للہ۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جو چپ رہے تھے' وہ بھی ان گنہگاروں کے ساتھ ہلاک ہوئے ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ پہلے ہفتہ کے دن کی تعظیم بطور بدعت خود ان لوگوں نے نکالی' اب اللہ کی طرف سے بطور آزمائش وہ تعظیم ان پر ضروری قرار دے دی گئی اور حکم ہو گیا

کہ اس دن مچھلی کا شکار نہ کرو۔ پھر مچھلیوں کا اس دن نمایاں ہونا' اور دنوں میں نہ نکلنا وغیرہ بیان فرما کر فرمایا کہ پھر ان میں سے ایک شخص نے ایک مچھلی ہفتے کے دن پکڑی' اس کی ناک میں سوراخ کر کے ڈور باندھ کر ایک کیل کنارے گاڑ کر اس میں ڈور اٹکا کر مچھلی کو دریا میں ڈال دیا' دوسرے دن جا کر پانی میں سے نکال لایا اور بھون کر کھالی۔ سوائے اس پاک باز حق گو جماعت کے لوگوں کے کسی نے' نہ اسے روکا' نہ منع کیا' نہ سمجھایا' لیکن ان کی نصیحت کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا' اس ایک کی دیکھا دیکھی اور بھی یہی کام کرنے لگے' یہاں تک کہ بازاروں میں مچھلی آنے لگی اور علانیہ یہ کام ہونے لگا۔ ایک اور جماعت کے لوگوں نے اس حق والی جماعت سے کہا کہ تم ان لوگوں کو کیوں وعظ کرتے ہو' اللہ تو انہیں ہلاک کرنے والا یا سخت عذاب کرنے والا ہے' تو انہوں نے وہ جواب دیا یعنی اللہ کا فرمان دہرایا' لیکن لوگ فرمان ربانی کو بھول بیٹھے اور عذاب رب کے خود شکار ہو گئے' یہ تین گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک تو شکار کھیلنے والا' ایک منع کرنے والا اور ایک ان منع کرنے والوں سے کہنے والا کہ اب نصیحت بیکار ہے۔ پس وہ تو بچ گئے جو برابر روکتے رہے تھے۔ اور باقی دونوں جماعتیں ہلاک کر دی گئیں۔ سند اس کی نہایت عمدہ ہے' لیکن حضرت ابن عباسؓ کا حضرت عکرمہؒ کے قول کی طرف رجوع کرنا اس قول کے کہنے سے اولیٰ ہے' اس لئے اس قول کے بعد ان پر ان کے حال کی حقیقت کھل گئی۔ واللہ اعلم۔

پھر فرمان ہے کہ ہم نے ظالموں کو سخت عذابوں سے دبوچ لیا۔ مفہوم کی دلالت تو اس بات پر ہے کہ جو باقی رہے' بچ گئے۔ ''بئیس'' کی کئی ایک قراتیں ہیں اس کے معنی سخت' دردناک' تکلیف دہ کے ہیں اور سب کا مطلب قریب قریب یکساں ہے۔ ان کی سرکشی اور ان کے حد سے گزر جانے کے باعث ہم نے ان سے کہہ دیا کہ تم ذلیل' حقیر اور ناقدرے بندر بن جاؤ چنانچہ وہ ایسے ہی ہو گئے۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ښ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۶۷ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۡ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝۱۶۸

یاد کرو جبکہ تیرے رب نے صاف صاف خبر کر دی کہ وہ ان پر قیامت تک ایسے لوگوں کو کھڑا کرتا رہے گا جو انہیں بدترین سزائیں دیتے رہیں گے' بیشک تیرا رب بہت جلد سزاؤں کا کرنے والا ہے اور بیشک وہ بڑا ہی بخشنے اور مہربانی کرنے والا ہے ○ ہم نے بنی اسرائیل کے گروہ گروہ کر کے انہیں ملک میں پھیلا دیا' ان میں سے بعض تو نیک کار ہیں اور بعض اور طرح کے' ہم نے انہیں سکھ دکھ سے دونوں طرح آزما لیا کہ وہ لوٹ آئیں ○

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا انجام ذلت و رسوائی: ☆☆ (آیت: ۱۶۷) اللہ تعالیٰ نے یہود کو اطلاع کر دی کہ ان کی اس سخت نافرمانی' بار بار کی بغاوت اور ہر موقعہ پہ نافرمانی' رب سے سرکشی اور اللہ کے حرام کو اپنے کام میں لانے کے لئے حیلہ جوئی کر کے اسے حلال کی جامہ پوشی کا بدلہ یہ ہے' کہ قیامت تک تم دبے رہو ذلت میں رہو' لوگ تمہیں پست کرتے چلے جائیں۔ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ان پر تاوان مقرر کر دیا تھا' سات سال' یا تیرہ سال تک یہ اسے ادا کرتے رہے' سب سے پہلے خراج کا طریقہ آپ نے ہی ایجاد کیا' پھر ان پر یونانیوں کی حکومت ہوئی' پھر کسرانیوں' کلدانیوں اور نصرانیوں کی' سب کے زمانے میں ذلیل اور حقیر رہے' ان سے جزیہ لیا جاتا رہا اور انہیں پستی سے ابھرنے کا کوئی موقعہ نہ ملا' پھر اسلام آیا اور اس نے بھی انہیں پست کیا' جزیہ اور خراج برابر ان سے وصول ہوتا رہا' غرض یہ ذلیل رہے اور اس

امت کے ہاتھوں بھی حقارت کے گڑھے میں گرے رہے۔ بالآخر یہ دجال کے ساتھ مل جائیں گے لیکن مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جا کر ان کی تخم ریزی کر دیں گے۔ جو بھی اللہ کی شریعت مخالفت کرتا ہے اللہ کے فرمان کی تحقیر کرتا ہے اللہ اسے جلدی ہی سزا دے دیتا ہے ہاں جو اس کی طرف رغبت و رجوع کرے توبہ کرے جھکے تو وہ بھی اس کے ساتھ بخشش و رحمت سے پیش آتا ہے چونکہ ایمان نام ہے خوف اور امید کا اسی لئے یہاں اور اکثر جگہ عذاب ثواب پکڑ دکڑ اور بخشش اور لالچ دونوں کا ایک ساتھ بیان ہوا ہے۔

رشوت خوری کا انجام ذلت ورسوائی ہے: ☆☆ (آیت:۱۶۸) بنی اسرائیل مختلف فرقے اور گروہ کر کے زمین میں پھیلا دیئے گئے جیسے فرمان ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل سے کہا تم زمین میں رہو سہو جب آخرت کا وعدہ آئے گا ہم تمہیں جمع کر کے لائیں گے ان میں کچھ تو نیک تھے کچھ بد تھے جنات میں بھی یہی حال ہے جیسے سورہ جن میں ان کا قول ہے کہ ہم میں کچھ تو نیک ہیں اور کچھ اور طرح کے ہیں ہمارے بھی مختلف فرقے ہوتے آئے ہیں۔ پھر فرمان ہے کہ ہم نے انہیں سختی نرمی سے لالچ اور خوف سے عافیت اور بلا سے غرض ہر طرح پرکھ لیا تاکہ وہ اپنے کرتوت سے ہٹ جائیں جب یہ زمانہ بھی گذرا جس میں نیک و بد ہر طرح کے لوگ تھے ان کے بعد تو ایسے ناخلف اور نالائق آئے جن میں کوئی بھلائی اور خیریت تھی ہی نہیں یہ اب تورات کی تلاوت والے رہ گئے۔ ممکن ہے اس سے مراد صرف نصرانی ہوں اور ممکن ہے کہ یہ خبر عام نصرانی غیر نصرانی سب پر مشتمل ہو وہ حق بات کو بدلنے اور منانے کی فکر میں لگ گئے جیب بھر دو جو چاہو کہلوا لو پس ہوس یہ ہے کہ ہے کیا؟ توبہ کر لیں گے معاف ہو جائے گا پھر موقعہ آیا پھر دنیا لے کر اللہ کی باتیں بدل دیں گناہ کیا توبہ کی پھر موقعہ ملتے ہی لپک کر گناہ کر لیا مقصود ان کا دنیا طلبی ہے حلال سے ملے چاہے حرام سے پھر بھی مغفرت کی تمنا ہے یہ ہیں جو وارث رسول کہلواتے ہیں اور جن سے اللہ نے عہد لیا ہے۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

پھر ان کے بعد ان کے جانشین ایسے ناخلف ہوئے کہ کتاب کے وارث بن کر اس خسیس دنیا کا اسباب اختیار کرتے ہیں اس پر بھی دعویٰ یہ ہے کہ ہمیں تو ضرور بخش دیا جائے گا حالانکہ اگر پھر بھی ان کے پاس اسی طرح کا اسباب آ جائے تو یہ اسے بھی لے لیں کیا ان سے کتاب کا یہ مضبوط عہد نہیں لیا گیا کہ وہ سوائے حق بات کے کوئی بات اللہ کی طرف منسوب کر کے نہ کہیں گے انہوں نے تو جو کچھ اس کتاب میں ہے خود پڑھا ہے آخرت کا گھر پرہیزگار لوگوں کے لئے بہت ہی بہتر ہے کیا تم نہیں سمجھتے ○ جو کتاب اللہ کو مضبوطی سے لئے رہیں اور نماز کی پابندی کریں یقیناً ہم نیکی اور اصلاح کرنے والوں کا ثواب برباد نہیں کرتے ○

(آیت:۱۶۹-۱۷۰) جیسے دوسری آیت میں ہے کہ ان کے بعد ایسے ناخلف آئے جنہوں نے نماز تک ضائع کر دیا۔ بنی اسرائیل

کا آوے کا آوا بگڑ گیا' آج ایک کو قاضی بناتے ہیں' وہ رشوتیں کھانے اور احکام بدلنے لگتا ہے' وہ اسے ہٹا کر دوسرے کو قائم مقام کرتے ہیں' اس کا بھی یہی حال ہوتا ہے' پوچھتے ہیں بھئی ایسا کیوں کرتے ہو؟ جواب ملتا ہے اللہ غفور و رحیم ہے' پھر وہ ان لوگوں میں سے کسی کو اس عہدے پر لاتے ہیں جو اگلے قاضیوں' حاکموں اور ججوں کا شاکی تھا لیکن وہ بھی رشوتیں لینے لگتا ہے اور ناحق فیصلے کرنے لگتا ہے' پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ حالانکہ تم سے مضبوط عہد و پیمان ہم نے لے لیا ہے کہ تم حق کو ظاہر کیا کرو' اسے نہ چھپاؤ' لیکن یہ ذلیل دنیا کے لالچ میں آ کر عذاب رب مول لے رہے ہو۔ اسی وعدے کا بیان وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ الخ میں ہوا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ سے عہد لیا تھا کہ وہ کتاب اللہ لوگوں کے سامنے بیان کرتے رہیں گے اور اس کی کوئی بات نہ چھپائیں گے۔ یہ بھی اس کے خلاف تھا کہ گناہ کرتے چلے جائیں' توبہ نہ کریں اور بخشش کی امید رکھیں۔

پھر اللہ تعالیٰ انہیں اپنے پاس کے اس اجر و ثواب کی لالچ دکھاتا ہے کہ اگر تقویٰ کیا' حرام سے بچے' خواہش نفسانی کے پیچھے نہ لگے' رب کی اطاعت کی تو آخرت کا بھلا تمہیں ملے گا' جو اس فانی دنیا کے ٹھاٹھ سے بہت ہی بہتر ہے' کیا تم میں اتنی بھی سمجھ نہیں کہ گراں بہا چیز کو چھوڑ کر ردی چیز کے پیچھے پڑے ہو؟ پھر جناب باری عز و جل ان مومنوں کی تعریف کرتا ہے' جو کتاب اللہ پر قائم ہیں اور اس کتاب کی راہنمائی کے مطابق اس پیغمبر آخر الزمان ﷺ کی اتباع کرتے ہیں' کلام رب پر جم کر عمل کرتے ہیں' احکام الٰہی کو دل سے مانتے ہیں اور بجا لاتے ہیں' اس کے منع کردہ کاموں سے رک گئے ہیں' نماز کو پابندی' دلچسپی' خشوع اور خضوع سے ادا کرتے ہیں' حقیقتاً یہی لوگ اصلاح پر ہیں' ناممکن ہے کہ ان نیک اور پاکباز لوگوں کا بدلہ ضائع کر دے۔

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ
خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ ع ۹
وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ
وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ
تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾

اور جبکہ ہم نے ان کے سروں پر پہاڑ کو مثل سائبان کے لٹکا دیا' اس طرح کہ سمجھنے لگے کہ وہ ان پر گر پڑنے والا ہی ہے' جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے مضبوطی سے لئے رہو اور جو کچھ اس میں ہے' اسے یاد رکھو تاکہ تمہارا بچاؤ ہو جائے ○ جب تیرے پروردگار نے بنی آدم کی پیٹھ سے ان کی اولادیں نکالیں اور خود ان ہی کو ان کا گواہ بنا دیا کہ کیا میں تمہارا پرورش کرنے والا نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کہ بیشک ہو ہم گواہ ہیں' یہ اس لئے کہ کہیں قیامت کے دن تم یہ نہ کہدو کہ ہم تو اس سے بالکل بے خبر تھے ○

(آیت:۱۷۱) اسی طرح کی آیت وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ الخ ہے یعنی ہم نے ان کے سروں پر طور پہاڑ لا کھڑا کیا' اسے فرشتے اٹھا لائے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام انہیں ارض مقدس کی طرف لے چلے اور غصہ اتر جانے کے بعد تختیاں اٹھا لیں اور ان میں جو حکم احکام تھے' وہ انہیں سنائے تو انہیں وہ سخت معلوم ہوئے اور تسلیم و تعمیل سے صاف انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتوں نے پہاڑ اٹھا کر ان کے سروں پر لا کھڑا کر دیا (نسائی) مروی ہے کہ جب کلیم اللہ علیہ صلوات اللہ نے ان سے فرمایا کہ لو اللہ کی

کتاب کے احکام قبول کرو تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں سناؤ اس میں کیا احکام ہیں؟ اگر آسان ہوئے تو ہم منظور کر لیں گے ورنہ نہیں مانیں گے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بار بار کے اصرار پر بھی یہ لوگ یہی کہتے رہے آخر اسی وقت اللہ کے حکم سے پہاڑ اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے سروں پر معلق کھڑا ہو گیا اور اللہ کے پیغمبرؑ نے فرمایا' بولو اب مانتے ہو یا اللہ تعالیٰ تم پر پہاڑ گرا کر تمہیں فنا کر دے؟ اسی وقت یہ سب کے سب مارے ڈر کے سجدے میں گر پڑے' لیکن بائیں آنکھ سجدے میں تھی اور دائیں سے اوپر دیکھ رہے تھے کہ کہیں پہاڑ گر نہ پڑے' چنانچہ یہودیوں میں اب تک سجدے کا طریقہ یہی ہے' وہ سمجھتے ہیں کہ اسی طرح کے سجدے نے ہم پر سے عذاب الٰہی دور کر دیا ہے۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان تختیوں کو کھولا تو ان میں کتاب تھی جسے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا' اسی وقت تمام پہاڑ درخت پتھر سب کانپ اٹھے' آج بھی یہودی تلاوت تورات کے وقت کانپ اٹھتے ہیں اور ان کے سر جھک جاتے ہیں۔

ہر روح نے اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق مانا: ☆☆ (آیت: ۱۷۲) اولاد آدمؑ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی نسلیں ان کی پیٹھوں سے روز اول میں نکالیں' پھر ان سب سے اس بات کا اقرار کر لیا کہ رب' خالق' مالک' معبود صرف وہی ہے' اسی فطرت پر پھر دنیا میں ان سب کو ان کے وقت پر اس نے پیدا کیا' یہی وہ فطرت ہے جس کی تبدیلی ناممکن ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس دین پر پیدا ہوتا ہے' پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی' نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں' جیسے کہ بکری کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے لیکن پھر لوگ اس کے کان کاٹ دیتے ہیں۔ حدیث قدسی میں ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو موحد و مخلص پیدا کیا۔ پھر شیطان نے آ کر انہیں ان کے سچے دین سے بہکا کر میری حلال کردہ چیزیں ان پر حرام کر دیں۔

اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾

یا کہنے لگو کہ شرک تو پہلے ہی سے ہمارے بڑے کرتے رہے اور ہم تو ان کی نسلوں میں سے تھے' تو کیا تو ہمیں ان خطا کاروں کے جرم کی سزا میں ہلاک کر رہا ہے؟ ہم اسی طرح تفصیل وار آیتوں کو بیان فرما دیتے ہیں تا کہ لوگ باز آ جائیں ○

(آیت: ۱۷۳-۱۷۴) قبیلہ بنو سعد کے ایک صحابی حضرت اسود بن سریعؓ فرماتے ہیں' میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چار غزوے کئے' لوگوں نے لڑنے والے کفار کے قتل کے بعد ان کے بچوں کو بھی پکڑ لیا' جب آپ کو اس کا علم ہوا تو بہت ناراض ہوئے اور فرمایا' لوگ ان بچوں کو کیوں پکڑ رہے ہیں؟ کسی نے کہا حضورؐ وہ بھی تو مشرکوں کے ہی بچے ہیں؟ فرمایا' سنو تم میں سے بہتر لوگ مشرکین کی اولاد میں ہیں' یاد رکھو ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے' پھر زبان چلنے پر اس کے ماں باپ یہودیت یا نصرانیت کی تعلیم دینے لگتے ہیں' اس کے راوی حضرت حسن فرماتے ہیں' اسی کا ذکر اس آیت میں ہے کہ اللہ نے اولاد آدمؑ سے اپنی توحید کا اقرار لیا ہے (ابن جریر) اس اقرار کے بارے میں کئی ایک احادیث مروی ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ قیامت کے دن دوزخی سے کہا جائے گا' اگر تمام دنیا تیری ہو تو کیا تو خوش ہے کہ اسے اپنے فدیئے میں دے کر میرے عذابوں سے آج بچ جائے؟ وہ کہے گا ہاں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا' میں نے تو اس سے بہت ہی ہلکے درجے کی چیز تجھ سے طلب کی تھی اور اس کا وعدہ بھی تجھ سے لے لیا تھا کہ میرے سوا تو کسی اور کی عبادت نہ کرے' لیکن تو اسے توڑے بغیر نہ رہا اور دوسرے

کو میرا شریک عبادت ٹھہرایا۔

مسند میں ہے' نعمان نامی میدان میں اللہ تعالیٰ نے پشت آدم میں سے عرفے کے دن ان کی تمام اولاد ظاہر فرمائی' سب کو اس کے سامنے پھیلا دیا اور فرمایا کہ میں تم سب کا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا' ہاں ہم گواہ ہیں' پھر آپ نے مبطلون تک آیت تلاوت فرمائی یہ روایت موقوف ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ واللہ اعلم اس وقت لوگ چیونٹیوں کی طرح تھے اور تر زمین پر تھے۔ حضرت ضحاک بن مزاحم کے چھ دن کی عمر کے صاحبزادے کا انتقال ہو گیا تو آپ نے فرمایا' جابر اسے دفن کر کے اس کا منہ کفن سے کھول دینا اور گرہ بھی کھول دینا کیونکہ میرا یہ بچہ بٹھا دیا جائے گا اور اس سے سوال کیا جائے گا۔ جابر نے حکم کی بجا آوری کی' پھر میں نے پوچھا کہ آپ کے بچے سے کیا سوال ہو گا اور کون سوال کرے گا؟ فرمایا' اس میثاق کے بارے میں جو صلب آدم میں لیا گیا ہے' سوال کیا جائے گا' میں نے پوچھا' وہ میثاق کیا ہے؟ فرمایا میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو جتنے انسان قیامت تک پیدا ہونے والے ہیں' سب کی روحیں آ گئیں' اللہ نے ان سے عہد و پیمان لیا کہ وہ اسی کی عبادت کریں گے' اس کے سوا کسی اور کو معبود نہیں مانیں گے' خود ان کے رزق کا کفیل بنا' پھر انہیں صلب آدم میں لوٹا دیا' پس یہ سب قیامت سے پہلے ہی پہلے پیدا ہوں گے۔ جس نے اس وعدے کو پورا کیا اور اپنی زندگی میں اس پر قائم رہا' اسے وہ وعدہ نفع دے گا اور جس نے اپنی زندگی میں اس کی خلاف ورزی کی' اسے پہلے کا وعدہ کچھ فائدہ نہ دے گا۔ اور جو بچپن میں ہی مر گیا' وہ میثاق اول پر اور فطرت پر مرا' ان آثار سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اوپر والی حدیث کا موقوف ہونا ہی اکثر اور زیادہ ثبوت والا ہے ابن جریر کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' بنی آدمؑ کی پیٹھ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی نسلیں ایسی نکالیں جیسے کنگھی بالوں میں سے نکلتی ہے' ان سے اپنی ربوبیت کا سوال کیا' انہوں نے اقرار کیا' فرشتوں نے شہادت دی اس لیے کہ یہ لوگ قیامت کے دن اس سے غفلت کا بہانہ نہ کریں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا' یہی سوال رسول اللہ ﷺ سے ہوا تھا' تو آپ نے میرے سنتے ہوئے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے حضرت آدم کو پیدا کیا' اپنے داہنے ہاتھ سے ان کی پیٹھ کو چھوا' اس سے اولاد نکلی' فرمایا' میں نے انہیں جہنم کے لیے پیدا کیا ہے' یہ جہنمیوں کے اعمال کریں گے' تو آپ سے سوال ہوا کہ پھر عمل کس گنتی میں ہیں؟ آپ نے فرمایا جو جنتی ہیں' ان سے مرتے دم تک جنتیوں کے اعمال ہی سرزد ہوں گے اور جنت میں جائیں گے' ہاں جو جہنم کے لیے پیدا کیا گیا ہے' اس سے وہی اعمال سرزد ہوں گے' انہی پر مرے گا اور جہنم میں داخل ہو گا (ابوداؤد) اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو نکال کر ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نور رکھ کر حضرت آدم کے سامنے پیش کیا' حضرت آدم نے پوچھا کہ یا اللہ یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ تیری اولاد ہے' ان میں سے ایک کے ماتھے کی چمک حضرت آدمؑ کو بہت اچھی لگی' پوچھا' یا اللہ یہ کون ہیں؟ جواب ملا کہ یہ تیری اولاد میں سے بہت دور جا کر ہیں' ان کا نام داؤد ہے' پوچھا ان کی عمر کیا ہے؟ فرمایا ساٹھ سال' کہا' یا اللہ چالیس سال میری عمر میں سے ان کی عمر میں زیادہ کر' پس جب حضرت آدمؑ کی روح قبض کرنے کے لیے فرشتہ آیا تو آپ نے فرمایا کہ میری عمر میں سے تو ابھی چالیس سال باقی ہیں' فرشتے نے کہا کہ آپ کو یاد نہیں کہ آپ نے یہ چالیس سال اپنے بچے حضرت داؤد کو ہبہ کر دیئے ہیں' بات یہ ہے کہ چونکہ آدمؑ نے انکار کیا تو ان کی اولاد بھی انکار کی عادی ہے' آدم خود بھول گئے' ان کی اولاد بھی بھولتی ہے' آدم نے خطا کی' ان کی اولاد بھی خطا کرتی ہے' یہ حدیث ترمذی میں ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح لکھتے ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے دیکھا کہ کوئی ان میں جذامی ہے' کوئی کوڑھی ہے' کوئی اندھا ہے' کوئی بیمار ہے' تو پوچھا

کہ یا اللہ اس میں کیا مصلحت ہے؟ فرمایا یہ کہ میرا شکر ادا کیا جائے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا کہ یا اللہ ان میں یہ زیادہ روشن اور نورانی چہروں والے کون ہیں؟ فرمایا یہ انبیاء ہیں کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں' یہ ہمارا ذاتی عمل ہے یا کہ فیصل شدہ ہے؟ آپ ؐ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی اولاد کو ان کی پیٹھوں سے نکالا' انہیں گواہ بنایا' پھر اپنی دونوں مٹھیوں میں لے لیا اور فرمایا یہ جنتی ہیں اور یہ جہنمی' پس اہل جنت پر تو نیک کام آسان ہوتے ہیں اور دوزخیوں پر برے کام آسان ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور قضیہ ختم کیا تو جن کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال ملنے والا ہے' انہیں اپنی داہنی مٹھی میں لیا اور بائیں والوں کو بائیں مٹھی میں لیا' پھر فرمایا اے دائیں طرف والو' انہوں نے کہا لبیک وسعدیک' فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا ہاں' پھر سب کو ملا دیا' کسی نے پوچھا یہ کیوں کیا؟ فرمایا اس لئے کہ ان کے لئے اور اعمال ہیں جنہیں یہ کرنے والے ہیں' یہ تو صرف اس لئے کہلوایا گیا ہے کہ انہیں یہ عذر نہ رہے کہ ہم اس سے غافل تھے' پھر سب کو صلب آدمؑ میں لوٹا دیا حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں' اس میدان میں اس دن سب کو جمع کیا' صورتیں دیں' بولنے کی طاقت دی' پھر عہد و میثاق لیا اور اپنے رب ہونے پر خود انہیں گواہ بنایا اور ساتوں آسمانوں' ساتوں زمینوں اور حضرت آدمؑ کو گواہ کیا کہ قیامت کے دن کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں علم نہ تھا۔ جان لو کہ میرے سوا کوئی اور معبود نہیں' نہ میرے سوا کوئی اور مربی ہے' میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا' میں اپنے رسولوں کو بھیجوں گا جو تمہیں یہ وعدہ یاد دلائیں گے' میں اپنی کتابیں اتاروں گا' تاکہ تمہیں یہ عہد و میثاق یاد دلاتی رہیں' سب نے جواب میں کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہی ہمارا رب ہے' تو ہی ہمارا معبود ہے' تیرے سوا ہمارا کوئی مربی نہیں' پس سب سے اطاعت کا وعدہ لیا۔ اب جو حضرت آدم علیہ السلام نے نظر اٹھا کر دیکھا تو امیر غریب اور اس کے سوا مختلف قسم کے لوگوں پر نظر پڑی تو آپ کہنے لگے کیا اچھا ہوتا کہ سب برابر ایک ہی حالت کے ہوتے' تو جواب ملا کہ یہ اس لئے ہے کہ ہر شخص میری شکر گذاری کرے۔ آپ نے دیکھا کہ ان میں اللہ کے پیغمبر بھی ہیں۔ ان سے پھر علیحدہ ایک اور میثاق لیا گیا جس کا بیان آیت وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ الخ میں ہے۔ اسی عام میثاق کا بیان آیت فِطْرَتَ اللّٰهِ میں ہے۔ اسی لئے فرمان ہے هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى اسی کا بیان اس آیت میں ہے وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ (مسند احمد) حضرت مجاہد' حضرت عکرمہ' حضرت سعید بن جبیر' حضرت حسن' حضرت قتادہ' حضرت سدی اور بہت سے سلف سے ان احادیث کے مطابق اقوال مروی ہیں طوالت سے بچنے کیلئے چند اصحاب کے نام درج کر دیئے ہیں' ماحصل سب کا یہی ہے جو ہم نے بیان کر دیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو آپ کی پیٹھ سے نکالا' جنتی دوزخی الگ الگ کئے اور وہیں ان کو اپنے رب ہونے پر گواہ کر لیا۔ یہ جن دو احادیث میں ہے وہ دونوں مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہیں۔ اسی لئے سلف و خلف میں اس بات کے قائل گذرے ہیں کہ اس سے مراد فطرت پر پیدا کرنا ہے جیسے کہ مرفوع اور صحیح احادیث میں وارد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ اور مِنْ ظُهُوْرِهِمْ کہا ورنہ من ادم اور من ظهره ہوتا' ان کی نسلیں اس روز نکالی گئیں جو کہ یکے بعد دیگرے مختلف قرنوں میں ہونے والی تھیں۔ جیسے فرمان ہے هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ اللہ ہی نے تمہیں زمین میں دوسروں کا جانشین کیا ہے۔ اور جگہ ہے تمہیں زمین کا خلیفہ بنا رہا ہے۔

اور آیت میں ہے جیسے تمہیں دوسرے لوگوں کی اولاد میں کیا الغرض حال و قال سے سب نے اللہ کے رب ہونے کا اقرار کیا۔ شہادت قولی ہوتی ہے جیسے آیت شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا میں اور شہادت کبھی حال سے ہوتی ہے جیسے آیت شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ میں یعنی ان کا حال ان کے کفر کی کھلی اور کافی شہادت ہے۔ اس طرح کی آیت وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ہے۔ اسی طرح سوال

بھی کبھی زبان سے ہوتا ہے کبھی حال سے۔ جیسے فرمان ہے وَاٰتٰکُمۡ مِّنۡ کُلِّ مَاسَاَلۡتُمُوۡہُ اس نے تمہیں تمہارا منہ مانگا دیا۔ کہتے ہیں کہ اس بات پر یہ دلیل بھی ہے کہ ان کے شرک کرنے پر یہ حجت ان کے خلاف پیش کی' پس اگر یہ واقع میں ہوا ہوتا جیسا کہ ایک قول ہے' تو چاہئے تھا کہ ہر ایک کو یاد ہوتا تاکہ اس پر حجت رہے' اگر اس کا جواب یہ ہو کہ فرمان رسولؐ سے خبر پالینا کافی ہے' تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو رسولوں کو ہی نہیں مانتے وہ رسولوں کی دی ہوئی خبروں کو کب صحیح جانتے ہیں؟ حالانکہ قرآن کریم نے رسولوں کی تکذیب کے علاوہ خود اس شہادت کو مستقل دلیل ٹھہرایا ہے پس اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس سے مراد فطرت ربانی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو پیدا کیا ہے اور وہ فطرت توحید باری تعالیٰ ہے' اسی لئے فرماتا ہے کہ یہ اس لئے کہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ ہم توحید سے غافل تھے اور یہ بھی نہ کہہ سکو کہ شرک تو ہمارے اگلے باپ دادوں نے کیا تھا' ان کے اس ایجاد کردہ گناہ پر ہمیں سزا کیوں؟ پھر تفصیل وار آیات کے بیان فرمانے کا راز ظاہر کیا کہ اس کو سن کر برائیوں سے باز آجانا ممکن ہو جاتا ہے۔

وَاتۡلُ عَلَیۡهِمۡ نَبَاَ الَّذِیۡۤ اٰتَیۡنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانۡسَلَخَ مِنۡهَا فَاَتۡبَعَهُ الشَّیۡطٰنُ فَکَانَ مِنَ الۡغٰوِیۡنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوۡ شِئۡنَا لَرَفَعۡنٰهُ بِهَا وَلٰکِنَّهٗۤ اَخۡلَدَ اِلَی الۡاَرۡضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ کَمَثَلِ الۡکَلۡبِ ۚ اِنۡ تَحۡمِلۡ عَلَیۡهِ یَلۡهَثۡ اَوۡ تَتۡرُکۡهُ یَلۡهَثۡ ؕ ذٰلِکَ مَثَلُ الۡقَوۡمِ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاقۡصُصِ الۡقَصَصَ لَعَلَّهُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ مَثَلَا ۣ الۡقَوۡمُ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَاَنۡفُسَهُمۡ کَانُوۡا یَظۡلِمُوۡنَ ﴿۱۷۷﴾

انہیں اس شخص کا واقعہ بھی پڑھ سناؤ جسے ہم نے اپنی نشانیاں دی تھیں لیکن وہ ان سے الگ ہٹ گیا اور شیطان اس کے درپے ہو گیا' پس انجام کار وہ گمراہوں میں جاملا ○ اگر ہم چاہتے تو نشانیوں کی وجہ سے اس کا مرتبہ بلند کر دیتے لیکن اس نے تو پستی ہی کی طرف میلان کیا اور خواہش کے پیچھے لگ گیا' پس اس کی مثال کتے کی سی ہے کہ اگر اس پر مشقت لا دے تو بھی ہانپتا رہے' اور چھوڑ دے جب بھی ہانپتا ہی رہے' یہی مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے رہتے ہیں' تو ان واقعات کو بیان کرتا رہ' تاکہ یہ غور و فکر کر سکیں ○ بڑی بری مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیتوں کو جھوٹ سمجھتے ہیں درحقیقت وہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں ○

بلعم بن باعورا: ☆☆ (آیت: ۱۷۵-۱۷۷) مروی ہے کہ جس شخص کا واقعہ ان آیات میں بیان ہو رہا ہے' اس کا نام بلعم بن باعورا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام صفی بن راہب تھا' یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بلقاء کا ایک شخص تھا جو اسم اعظم جانتا تھا اور جبارین کے ساتھ بیت المقدس میں رہا کرتا تھا' یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ یمنی شخص تھا جس نے کلام اللہ کو ترک کر دیا تھا۔ یہ شخص بنی اسرائیل کے علماء میں سے تھا' اس کی دعا مقبول ہو جایا کرتی تھی' بنی اسرائیل سختیوں کے وقت اسے آگے کر دیا کرتے تھے' اللہ اس کی دعا مقبول فرما لیا کرتا تھا' اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین کے بادشاہ کی طرف اللہ کے دین کی دعوت دینے کے لئے بھیجا تھا' اس عقلمند بادشاہ نے اسے مکر و فریب سے اپنا گرویدہ کر لیا اور اس کے نام کئی گاؤں کر دیئے اور بہت کچھ انعام و اکرام دیا' یہ بدنصیب دین موسوی کو چھوڑ کر اس کے مذہب میں جاملا یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام

بلعام تھا' یہ بھی ہے کہ یہ امیہ بن ابوصلت ہے- ممکن ہے یہ کہنے والے کی مراد یہ ہو کہ یہ امیہ بھی اسی کے مشابہ تھا' اسے بھی اگلی شریعتوں کا علم تھا لیکن یہ ان سے فائدہ نہ اٹھا سکا- خود حضور ﷺ کے زمانے کو بھی اس نے پایا' آپ کی آیات بینات دیکھیں' معجزے اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے' ہزارہا کو دین حق میں داخل ہوتے دیکھا' لیکن مشرکین کے میل جول' ان میں امتیاز' ان میں دوستی اور وہاں کی سرداری کی ہوس نے اسے اسلام اور قبول حق سے روک دیا' اس نے بدری کافروں کے ماتم میں مرثیئے کہے- لعنۃ اللہ بعض احادیث میں وارد ہے کہ اس کی زبان تو ایمان لا چکی تھی لیکن دل مومن نہیں ہوا تھا- کہتے ہیں کہ اس شخص سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ اس کی دعائیں جو بھی یہ کرے گا' مقبول ہوں گی' اس کی بیوی نے ایک مرتبہ اس سے کہا کہ ان تین دعاؤں میں سے ایک دعا میرے لئے کر' اس نے منظور کر لیا اور پوچھا کیا دعا کرانا چاہتی ہو؟ اس نے کہا یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس قدر حسن و خوبصورت عطا فرمائے کہ مجھ سے زیادہ حسین عورت بنی اسرائیل میں کوئی نہ ہو' اس نے دعا کی اور وہ ایسی ہی حسین ہو گئی' اب تو اس نے پر نکالے اور اپنے میاں کو محض بے حقیقت سمجھنے لگی' بڑے بڑے لوگ اس کی طرف جھکنے لگے اور یہ بھی ان کی طرف مائل ہو گئی' اس سے یہ بہت کڑھا اور اللہ سے دعا کی کہ یا اللہ اسے کتیا بنا دے' یہ بھی منظور ہوئی' وہ کتیا بن گئی' اب اس کے بچے آئے انہوں نے گھیر لیا کہ آپ نے غضب کیا' لوگ ہمیں طعنہ دیتے ہیں اور ہم کتیا کے بچے مشہور ہو رہے ہیں' آپ دعا کیجئے کہ اللہ اسے اس کی اصلی حالت میں پھر سے لا دے چنانچہ اس نے وہ تیسری دعا بھی کر لی' تینوں دعائیں یوں ہی ضائع ہو گئیں اور یہ خالی ہاتھ بے خبر رہ گیا- مشہور بات تو یہی ہے کہ بنی اسرائیل کے بزرگوں میں سے یہ ایک شخص تھا- بعض لوگوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ یہ نبی تھا' یہ محض جھوٹ ہے اور کھلا افترا ہے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب قوم جبارین سے لڑائی کے لئے بنی اسرائیل کی ہمراہی میں گئے' انہی جبارین میں بلعام نامی یہ شخص تھا' اس کی قوم اور اس کے قرابت دار چچا وغیرہ سب اس کے پاس آئے اور کہا کہ موسیٰؑ اور اس کی قوم کے لئے آپ بددعا کیجئے' اس نے کہا یہ نہیں ہو سکتا اگر میں ایسا کروں گا تو میری دنیا و آخرت دونوں خراب ہو جائیں گی لیکن قوم سر ہو گئی' یہ بھی لحاظ مروت میں آ گیا' بددعا کی' اللہ تعالیٰ نے اس سے کرامت چھین لی اور اسے اس کے مرتبے سے گرا دیا-

سدیؒ کہتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل کو وادی تیہہ میں چالیس سال گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون (علیہ السلام) کو نبی بنا کر بھیجا' انہوں نے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہیں لے کر جاؤں اور ان جبارین سے جہاد کروں' یہ آمادہ ہو گئے' بیعت کر لی' انہی میں بلعام نامی ایک شخص تھا' جو بڑا عالم تھا' اسم اعظم جانتا تھا' یہ بدنصیب کافر ہو گیا' قوم جبارین میں جا ملا اور ان سے کہا' تم نہ گھبراؤ' جب بنی اسرائیل کا لشکر آ جائے گا' میں ان پر بددعا کروں گا تو وہ دفعتاً ہلاک ہو جائے گا' اس کے پاس تمام دنیوی ٹھاٹھ تھے' لیکن عورتوں کی عظمت کی وجہ سے یہ ان سے نہیں ملتا تھا بلکہ ایک گدھی پال رکھی تھی' اسی بدقسمت کا ذکر اس آیت میں ہے' شیطان اس پر غالب آ گیا' اسے اپنے پھندے میں پھانس لیا' جو وہ کہتا' یہ کرتا تھا' آخر ہلاک ہو گیا مسند ابو یعلی موصلی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم سب سے زیادہ اس سے ڈرتا ہوں جو قرآن پڑھ لے گا جو اسلام کی چادر اوڑھے ہوئے ہو گا اور دینی ترقی پر ہو گا کہ ایک دم اس سے ہٹ جائے گا' اسے پس پشت ڈال دے گا' اپنے پڑوسی پر تلوار لے دوڑے گا اور اسے شرک کی تہمت لگائے گا' حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر دریافت کیا کہ یا رسول اللہ مشرک ہونے کے زیادہ قابل کون ہو گا؟ یہ تہمت لگانے والا؟ یا وہ جسے تہمت لگا رہا ہے' فرمایا نہیں بلکہ تہمت دھرنے والا-

پھر فرماتا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو قادر تھے کہ اسے بلند مرتبے پر پہنچائیں' دنیا کی آلائشوں سے پاک رکھیں' اپنی دی ہوئی آیات کی تابعداری پر قائم رکھیں لیکن وہ دنیوی لذتوں کی طرف جھک پڑا یہاں تک کہ شیطان کا پورا مرید ہو گیا' اسے سجدہ کر لیا' کہتے ہیں کہ اس بلعام

سے لوگوں نے درخواست کی کہ آپ حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے حق میں بددعا کیجئے' اس نے کہا اچھا میں' اللہ سے حکم لے لوں' جب اس نے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی تو اسے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل مسلمان ہیں اور ان میں اللہ کے نبی موجود ہیں' اس نے سب سے کہا کہ مجھے بددعا کرنے سے روک دیا گیا ہے' انہوں نے بہت سارے تحفے تحائف جمع کر کے اسے دیئے' اس نے سب رکھ لئے' پھر دوبارہ درخواست کی کہ ہمیں ان سے بہت خوف ہے' آپ ضرور ان پر بددعا کیجئے' اس نے جواب دیا کہ جب تک میں اللہ تعالیٰ سے اجازت نہ لے لوں میں ہرگز یہ نہ کروں گا' اس نے پھر اللہ سے مناجات کی لیکن اسے کچھ معلوم نہ ہو سکا' اس نے یہی جواب انہیں دیا تو انہوں نے کہا دیکھو اگر منع ہی مقصود ہوتا تو آپ کو روک دیا جاتا جیسا کہ اس سے پہلے روک دیا گیا تھا اس کی بھی سمجھ میں آ گیا' اٹھ کر بددعا شروع کی اللہ کی شان ہے بددعا ان پر کرنے کی بجائے اس کی زبان سے اپنی ہی قوم کے لئے بددعا نکلی اور جب اپنی قوم کی فتح کی دعا مانگنا چاہتا تو بنی اسرائیل کی فتح و نصرت کی دعا نکلتی' قوم نے کہا' آپ کیا غضب کر رہے ہیں؟ اس نے کہا' کیا کروں؟ میری زبان میرے قابو میں نہیں' سنو اگر سچ مچ میری زبان سے ان کے لئے بددعا نکلی بھی تو قبول نہ ہو گی سنو اب میں تمہیں ایک ترکیب بتاتا ہوں' اگر تم اس میں کامیاب ہو گئے تو سمجھ لو کہ بنی اسرائیل برباد ہو جائیں گے۔ تم اپنی نوجوان لڑکیوں کو بناؤ سنگھار کرا کے ان کے لشکروں میں بھیجو اور انہیں ہدایت کر دو کہ کوئی ان کی طرف جھکے تو یہ انکار نہ کریں۔ ممکن ہے بوجہ مسافرت یہ لوگ زنا کاری میں مبتلا ہو جائیں' اگر یہ ہوا تو چونکہ یہ حرام کاری اللہ کو سخت ناپسند ہے' اسی وقت ان پر عذاب آ جائے گا اور یہ تباہ ہو جائیں گے۔ ان بے غیرتوں نے اس بات کو مان لیا اور یہی کیا' خود بادشاہ کی بڑی حسین و جمیل لڑکی بھی بن ٹھن کر نکلی' اسے ہدایت کر دی گئی تھی کہ سوائے حضرت موسیٰؑ کے اور کسی کو اپنا نفس نہ سونپے' یہ عورتیں جب بنی اسرائیل کے لشکر میں پہنچیں تو عام لوگ بے قابو ہو گئے' حرام کاری سے بچ نہ سکے' شہزادی بنی اسرائیل کے ایک سردار کے پاس پہنچی اس سردار نے اس لڑکی پر ڈورے ڈالے لیکن اس لڑکی نے انکار کیا' اس نے بتایا کہ میں فلاں فلاں ہوں' اس نے اپنے باپ سے یا بلعام سے پچھوایا' اس نے اجازت دی' یہ خبیث اپنا منہ کالا کر رہا تھا جسے حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی صاحب نے دیکھ لیا۔ اور اس نے اپنے نیزے سے ان دونوں کو پرو دیا' اللہ تعالیٰ نے اس کے دست و بازو قوی کر دیئے' اس نے یونہی ان دونوں کو چھدے ہوئے اٹھا لیا' لوگوں نے بھی انہیں دیکھا' اب اس لشکر پر رب کا عذاب طاعون کی شکل میں آیا اور ستر ہزار آدمی فوراً ہلاک ہو گئے۔ بلعام اپنی گدھی پر سوار ہو کر چلا' وہ ایک ٹیلے پر چڑھ کر رک گئی' اب بلعام اسے مارتا پیٹتا ہے لیکن وہ قدم نہیں اٹھاتی' آخر گدھی نے اس کی طرف دیکھا اور کہا مجھے کیوں مار رہا ہے' سامنے دیکھ کون ہے؟ اس نے دیکھا تو شیطان لعین کھڑا ہوا تھا' یہ اتر پڑا اور سجدے میں گر گیا' الغرض ایمان سے خالی ہو گیا' اس کا نام یا تو بلعام تھا' یا بلعم بن باعورا یا' ابن ابر' یا ابن باعور بن شہوم بن قوشتم بن ماب بن لوط بن ہاران' یا ابن حران بن آزر یہ بلقا کا رئیس تھا' اسم اعظم جانتا تھا لیکن اخیر میں دین حق سے ہٹ گیا۔ واللہ اعلم ایک روایت میں ہے کہ قوم کے زیادہ کہنے سننے سے جب یہ اپنی گدھی پر سوار ہو کر بددعا کے لئے چلا تو اس کی گدھی بیٹھ گئی' اس نے اسے مار پیٹ کر اٹھایا' کچھ دور چل کر پھر بیٹھ گئی' اس نے اسے پھر مار پیٹ کر اٹھایا' گدھی کو اللہ نے زبان دی' اس نے کہا تیرا ناس جائے' تو کہاں اور کیوں جا رہا ہے اللہ کے مقابلے اس کے رسولؐ سے لڑنے اور مومنوں کو نقصان دلانے جا رہا ہے؟ دیکھ تو سہی' فرشتے میری راہ روکے کھڑے ہیں' اس نے پھر بھی کچھ خیال نہ کیا' آگے بڑھ گیا' حسبان نامی پہاڑی پر چڑھ گیا جہاں سے بنو اسرائیل کا لشکر سامنے ہی نظر آتا تھا' اب ان کے لئے بددعا اور اپنی قوم کے لئے دعائیں کرنے لگا لیکن زبان الٹ گئی' دعا کی جگہ بددعا اور بددعا کی جگہ دعا نکلنے لگی' قوم نے کہا' کیا کر رہے ہو؟ کہا بے بس ہوں' اسی وقت اس کی زبان نکل کر سینے پر لٹکنے لگی' اس نے کہا' لو میری

دنیا بھی خراب ہوئی اور دین تو بالکل برباد ہو گیا۔ پھر اس نے خوبصورت لڑکیاں بھیجنے کی ترکیب بتائی جیسے کہ اوپر بیان ہوا اور کہا کہ اگر ان میں سے ایک نے بھی بدکاری کر لی تو ان پر عذاب رب آ جائے گا۔ ان عورتوں میں سے ایک بہت ہی حسین عورت جو کنانیہ تھی اور جس کا نام کسبتی تھا' جو صور نامی ایک رئیس کی بیٹی تھی' وہ جب بنی اسرائیل کے ایک بہت بڑے سردار زمری بن شلوم کے پاس سے گذری جو شمعون بن یعقوب کی نسل میں سے تھا' وہ اس پر فریفتہ ہو گیا' دلیری کے ساتھ اس کا ہاتھ تھامے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گیا اور کہنے لگا آپ تو شاید کہہ دیں گے کہ یہ مجھ پر حرام ہے' آپ نے کہا بیشک' اس نے کہا اچھا میں آپ کی یہ بات تو نہیں مان سکتا' اسے اپنے خیمے میں لے گیا اور اس سے منہ کالا کرنے لگا' وہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر طاعون بھیج دیا۔ حضرت فنحاس بن عیزار بن ہارون اس وقت لشکر گاہ سے کہیں باہر گئے ہوئے تھے' جب آئے اور تمام حقیقت سنی تو بے تاب ہو کر غصے کے ساتھ اس بدکردار کے خیمے میں پہنچے اور اپنے نیزے میں ان دونوں کو پرو لیا اور اپنے ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے انہیں اوپر اٹھائے ہوئے باہر نکلے' کہنی کوکھ پر لگائے ہوئے تھے کہنے لگے یا اللہ ہمیں معاف فرما' ہم پر سے یہ وبا دور فرما' دیکھ لے ہم تیرے نافرمانوں کے ساتھ یہ کرتے ہیں' ان کی دعا اور اس فعل سے طاعون اٹھ گیا لیکن اتنی دیر میں جب حساب لگایا گیا تو ستر ہزار آدمی اور ایک روایت کی رو سے بیس ہزار مر چکے تھے دن کا وقت تھا اور کنانیوں کی یہ چھوکریاں سودا بیچنے کے بہانے صرف اس لئے آئی تھیں کہ بنو اسرائیل بدکاری میں پھنس جائیں اور ان پر عذاب آ جائیں' بنو اسرائیل میں اب تک یہ دستور چلا آتا ہے کہ وہ اپنے ذبیحہ میں سے گردن اور دست اور سری اور ہر قسم کا سب سے پہلا پھل فنحاص کی اولاد کو دیا کرتے ہیں' اسی بلعام بن باعورا کا ذکر ان آیات میں ہے۔

فرمان ہے کہ اس کی مثال کتے کی سی ہے کہ خالی ہے تو ہانپتا ہے اور دھتکارا جائے تو ہانپتا رہتا ہے۔ یا تو اس مثال سے یہ مطلب ہے کہ بلعام کی زبان نیچے کو لٹک پڑی تھی جو پھر اندر کو نہ ہوئی' کتے کی طرح ہانپتا رہتا تھا اور زبان باہر لٹکائے رہتا تھا' یہ بھی معنی ہیں کہ اس کی ضلالت اور اس پر جمے رہنے کی مثال دی کہ اسے ایمان کی دعوت' علم کی دولت غرض کسی چیز نے برائی سے نہ ہٹایا' جیسے کتے کی اس کی زبان لٹکنے کی حالت برابر قائم رہتی ہے خواہ اپنے پاؤں تلے روند و خواہ چھوڑ دو۔ جیسے بعض کفار مکہ کی نسبت فرمان ہے کہ انہیں وعظ و پند کہنا نہ کہنا سب برابر ہے' انہیں ایمان نصیب نہیں ہونے کا اور جیسے بعض منافقوں کی نسبت فرمان ہے کہ ان کے لئے تو استغفار کر یا نہ کر' اللہ انہیں نہیں بخشے گا۔ یہ بھی مطلب اس مثال کا بیان کیا گیا ہے کہ ان کافروں' منافقوں اور گمراہ لوگوں کے دل بودے اور ہدایت سے خالی ہیں یہ کبھی مطمئن نہیں ہوتے۔

پھر اللہ عزوجل اپنے نبیؐ کو حکم دیتا ہے کہ تو انہیں پند و نصیحت کرتا رہ' تاکہ ان میں سے جو عالم ہیں' وہ غور و فکر کر کے اللہ کی راہ پر آ جائیں اور یہ سوچیں کہ بلعام ملعون کا کیا حال ہوا' دینی علم جیسی زبردست دولت کو جس نے دنیا کی سفلی راحت پر کھو دیا' آخر نہ یہ ملا نہ وہ' دونوں ہاتھ خالی رہ گئے' اسی طرح یہ علماء یہود جو اپنی کتابوں میں اللہ کی ہدایات پڑھ رہے ہیں' آپ کے اوصاف لکھے پاتے ہیں' انہیں چاہئے کہ دنیا کی طمع میں پھنس کر اپنے مریدوں کو پھانس کر پھول نہ جائیں' ورنہ یہ بھی اس کی طرح دنیا میں کھو دیئے جائیں گے۔ انہیں چاہئے کہ اپنی علمیت سے فائدہ اٹھائیں۔ سب سے پہلے تیری اطاعت کی طرف جھکیں اور دوسرے لوگوں پر حق کو ظاہر کریں' دیکھو کہ کفار کی کیسی بری مثالیں ہیں کہ کتوں کی طرح صرف نگلنے اگلنے اور شہوت رانی میں پڑے ہوئے ہیں۔ پس جو بھی علم و ہدایت کو چھوڑ کر خواہش نفس کے پورا کرنے میں لگ جائے' وہ بھی کتے جیسا ہی ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں' ہمارے لئے بری مثالیں نہیں' اپنی ہبہ کی ہوئی چیز کو پھر لے لینے والا کتے کی طرح جو قے کر کے چاٹ لیتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ گناہگار لوگ اللہ کا کچھ بگاڑتے نہیں' یہ تو اپنا ہی خسارہ کرتے ہیں' طاعت مولیٰ' اتباع ہدیٰ سے

ہٹا کر خواہش کی غلامی اور دنیا کی چاہت میں پڑ کر اپنے دونوں جہان خراب کرتے ہیں۔

مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِیْ ۚ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا ۗ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

راہ راست پر تو وہی ہیں جنہیں اللہ ہدایت دے دے اور جنہیں وہ بے راہ کر دے وہ سخت نقصان اٹھانے والے ہیں ○ اور ہم نے بہت انسان اور جنات جہنم کے لئے ہی پیدا کئے ہیں ان کے دل تو ہیں لیکن ان سے سمجھتے بوجھتے نہیں' ان کی آنکھیں بھی ہیں لیکن ان سے دیکھتے بھالتے نہیں' ان کے کان بھی ہیں لیکن سن گن ان میں بھی نہیں' یہ تو چوپاؤں کی طرح کے ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گذرے' یہی لوگ تو پورے غافل اور بے خبر رہے ہیں ○

بہترین دعا: ☆☆ (آیت:۱۷۸) رب جنہیں راہ دکھائے' انہیں کوئی بے راہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ ہی غلط راہ پر ڈال دے اس کی شومی قسمت میں کیا شک ہے؟ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو وہ نہ چاہے وہ نہیں ہو سکتا۔ ابن مسعودؓ کی حدیث میں ہے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں اور اسی سے ہدایت طلب کرتے ہیں اور اسی سے بخشش مانگتے ہیں' ہم اپنے نفس کی شراتوں سے اللہ کی پناہ لیتے ہیں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے بھی' اللہ کے راہ دکھائے ہوئے کو کوئی بہکا نہیں سکتا اور اس کے گمراہ کئے ہوئے کو کوئی راہ راست پر لا نہیں سکتا' میں گواہی دیتا ہوں کہ معبود صرف اللہ ہی ہے' وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اور میری گواہی ہے کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (مسند احمد وغیرہ)

اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے: ☆☆ (آیت:۱۷۹) بہت سے انسان اور جن جہنمی ہونے والے ہیں اور ان سے ویسے ہی اعمال سرزد ہوتے ہیں' مخلوق میں سے کون کیسے عمل کرے گا؟ یہ علام الغیوب کو ان کی پیدائش سے پہلے ہی معلوم ہوتا ہے' پس اپنے علم کے مطابق اپنی کتاب میں آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے ہی لکھ لیا۔ جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا جیسا کہ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضورؐ ایک انصاری نابالغ بچے کے جنازے پر بلوائے گئے تو میں نے کہا کہ مبارک ہو اس کو' یہ تو جنت کی چڑیا ہے نہ برائی کی نہ برائی کا وقت پایا' آپ نے فرمایا کچھ اور بھی؟ سن اللہ تعالیٰ نے جنت کو اور جنت والوں کو پیدا کیا ہے اور انہیں جنتی مقرر کر دیا ہے حالانکہ وہ ابھی اپنے باپوں کی پیٹھوں میں ہی تھے' اسی طرح اس نے جہنم بنائی ہے اور اس کے رہنے والے پیدا کیے ہیں انہیں اسی لیے مقرر کر دیا ہے در آں حالیکہ وہ اپنے باپوں کی پشت میں ہی ہیں۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے' ماں کے رحم میں اللہ تعالیٰ اپنا فرشتہ بھیجتا ہے جو اس کے حکم سے چار چیزوں یعنی روزی' عمر' عمل اور نیکی یا بدی کو لکھ دیتا ہے۔ یہ بھی بیان گذر چکا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو پشت آدم سے نکالا تو ان کے دو حصے کر دیئے' دائیں والے اور بائیں والے اور فرما دیا یہ جنتی ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں اور یہ جہنمی ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ اس بارے میں بہت سی احادیث ہیں اور تقدیر کا مسئلہ کوئی معمولی مسئلہ نہیں کہ یہاں پورا بیان ہو جائے۔ یہاں مقصد یہ ہے کہ ایسے خالی از خیر محروم قسمت

لوگ کسی چیز سے فائدہ نہیں اٹھاتے' تمام اعضاء ہوتے ہیں لیکن قوتیں سب سے چھن جاتی ہیں' اندھے' بہرے' گونگے بن کر زندگی گڑھے میں ہی گذار دیتے ہیں' اگر ان میں خیر باقی ہوتی تو اللہ اپنی باتیں انہیں سنا تا بھی' یہ تو خیر سے بالکل خالی ہو گئے' سنتے ہیں اور ان سنی کر جاتے ہیں' آنکھیں ہی نہیں بلکہ دل کی آنکھیں اندھی ہو گئی ہیں- رحمان کے ذکر سے منہ موڑنے کی سزا یہ ملی ہے کہ شیطان کے بھائی بن گئے ہیں' راہ حق سے دور جا پڑے ہیں مگر سمجھ یہی رہے ہیں کہ ہم سچے اور صحیح راستے پر ہیں- ان میں اور چوپائے جانوروں میں کوئی فرق نہیں نہ یہ حق کو دیکھیں اور نہ ہدایت کو دیکھیں' نہ اللہ کی باتوں کو سوچیں- چوپائے بھی تو اپنے حواس دنیا کے کام میں لاتے ہیں' اسی طرح یہ بھی فکر عقبیٰ سے' ذکر رب سے' راہ مولا سے غافل' گونگے اور اندھے ہیں- جیسے فرمان ہے وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِیْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَاۗءً وَّنِدَاۗءً الخ' یعنی ان کافروں کی مثال تو اس شخص کی سی ہے جو اس کے پیچھے چلا رہا ہے جو درحقیقت سنتی ونتی خاک بھی نہیں- ہاں صرف شور وغل تو اس کے کان میں پڑتا ہے- چوپائے آواز تو سنتے ہیں لیکن کیا کہا؟ اسے سمجھے ان کی بلا-

پھر ترقی کر کے فرماتا ہے کہ یہ تو ان چوپایوں سے بھی بدترین ہیں کہ چوپائے گو نہ سمجھیں' لیکن آواز پر کان تو کھڑے کر دیتے ہیں' اشاروں پر حرکت تو کرتے ہیں' یہ تو اپنے مالک کو اتنا بھی نہیں سمجھتے' اپنی پیدائش کی غایت کو آج تک معلوم ہی نہیں کیا' جبھی تو اللہ سے کفر کرتے ہیں اور غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں' اس کے برخلاف جو اللہ کا مطیع انسان ہو وہ اللہ کے اطاعت گذار فرشتے سے بہتر ہے اور کفار انسان سے چوپائے جانور بہتر ہیں' ایسے لوگ پورے غافل ہیں-

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۠ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَاۗىِٕهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٨٠﴾

اللہ ہی کے لئے ہیں تمام بہترین نام' پس ان ناموں سے تم اسے پکارا کرو' انہیں چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں' وہ اپنے کئے کا بدلہ ضرور دیئے جائیں گے ○

اسماء الحسنٰی: ☆☆ (آیت:۱۸۰) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ کے ایک کم سو نام ہیں- انہیں جو محفوظ کر لے' وہ جنتی ہے' وہ وتر ہیطاق ہی کو پسند کرتا ہے (بخاری وغیرہ) ترمذی میں یہ ناوے نام اس طرح ہیں الله الذی لا اله الا هو الرحمٰن الرحيم الملك القدوسالسلام المؤمن المهيمن العزيز الجبار المتكبر الخالق البارى المصور الغفار القهار الوهاب الرزاق الفتاح العليم القابض الباسط الخافض الرافع المعز المذل السميع البصير الحكم العدل اللطيف الخبير الحليم العظيم الغفور الشكور العلى الكبير الحفيظ المقيت الحسيب الحليل الكريم الرقيب المجيب الواسع الحكيم الودود المجيد الباعث الشهيد الحق الوكيل القوى المتين انولى الحميد المحصى المبدى المعيد المحى المميت الحى القيوم الواجد الماجد الواحد الاحد الفرد الصمد القادر المقتدر المقدم المؤخر الاول الاخر الظاهر الباطن الوالى المتعالىٰ البر التواب المنتقم العفو الرؤوف مالك الملك ذوالجلال والاكرام المقسط الجامع الغنى المغنى المانع الضار النافع النور الهادى البديع الباقى الوارث الرشيد الصبور-

یہ حدیث غریب ہے- کچھ کی زیادتی کے ساتھ اسی طرح یہ نام ابن ماجہ کی حدیث میں بھی وارد ہیں-بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ راویوں نے یہ نام قرآن سے چھانٹ لیے ہیں- واللہ اعلم- یہ یاد رہے کہ یہی ننانوے نام اللہ کے ہوں اور نہ ہوں یہ بات نہیں- مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جسے کبھی بھی کوئی غم و رنج پہنچے اور وہ یہ دعا کرے اللھم انی عبدك ابن عبدك ابن امتك ناصیتی بیدك ماض فیّ حکمك عدل فیّ قضاؤك اسألك بکل اسم ھو لك سمیت به نفسك و انزلته فی کتابك او علمته احدا من خلقك او استأثرت به فی علم الغیب عندك ان تجعل القران العظیم ربیع قلبی ونور صدری وجلاء حزنی وذھاب ھمی- تو اللہ تعالیٰ اس کے غم و رنج کو دور کر دے گا اور اس کی جگہ راحت و خوشی عطا فرمائے گا- آپ سے سوال کیا گیا کہ پھر کیا ہم اسے اوروں کو بھی سکھائیں؟ آپ نے فرمایا بے شک جو اسے سنے اسے چاہیے کہ دوسروں کو بھی سکھائے- امام ابوحاتم بن حبان بستی بھی اسی روایت کو اسی طرح اپنی صحیح میں لائے ہیں- امام ابوبکر بن عربی بھی اپنی کتاب عارضۃ الاحوذی فی شرح الترمذی میں لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کتاب و سنت سے جمع کیے ہیں جن کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ گئی ہے واللہ اعلم-

اللہ کے ناموں سے الحاد کرنے والوں کو چھوڑ دو جیسے کہ لفظ اللہ سے کافروں نے اپنے بت کا نام لات رکھا اور عزیز سے مشتق کر کے عزیٰ نام رکھا- یہ بھی معنی ہیں کہ جو اللہ کے ناموں میں شریک کرتے ہیں انہیں چھوڑ دو جو انہیں جھٹلاتے ہیں ان سے منہ موڑ لو- الحاد کے لفظی معنی ہیں درمیانہ سیدھے راستے سے ہٹ جانا اور گھوم جانا- اسی لیے بغلی قبر کو لحد کہتے ہیں کیونکہ سیدھی کھدائی سے ہٹا کر بنائی جاتی ہے-

ع ۲۲ ۱۰ ۱۲ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾

ہماری مخلوق میں ایک ایسی جماعت بھی ہے جو دین حق کی ہدایت کرتے ہیں اور اسی پر انصاف کرتے ہیں ○

امت محمد ﷺ کے اوصاف : ☆☆ (آیت:۱۸۱) یعنی بعض لوگ حق و عدل پر قائم ہیں حق بات ہی زبان سے نکالتے ہیں حق کام ہی کرتے ہیں حق کی طرف ہی اوروں کو بلاتے ہیں حق کے ساتھ ہی انصاف کرتے ہیں- اور بعض آثار میں مروی ہے کہ اس سے مراد امت محمد یہ ہے چنانچہ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ جب نبی ﷺ اس آیت کی تلاوت فرماتے تو فرماتے کہ یہ تمہارے لیے ہے تم سے پہلے یہ وصف قوم موسیٰ کا تھا- ربیع بن انسؒ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کا ارشاد ہے میری امت میں سے ایک جماعت حق پر قائم رہے گی یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ بن مریم اتریں وہ خواہ کبھی بھی اتریں- بخاری و مسلم میں ہے آپ فرماتے ہیں میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر ظاہر رہے گا انہیں ان سے دشمنی کرنے والے کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ قیامت آ جائے گی- ایک اور روایت میں ہے کہ یہاں تک کہ اللہ کا امر آ جائیگا وہ اسی پر رہیں گے- ایک اور روایت ہے (اس وقت) وہ شام میں ہوں گے-

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾

جو لوگ ہماری آیتوں کو جھوٹ جانتے ہیں، ہم انہیں آہستہ آہستہ اس طرح گھسیٹتے جائیں گے کہ انہیں علم بھی نہ ہو۔ اور میں انہیں ڈھیل دوں گا' میری تدبیر بہت ہی مضبوط ہے ○ کیا انہوں نے کبھی اس بات کو نہیں سوچا کہ ان کے رفیق کو کسی طرح کی دیوانگی نہیں' وہ تو صاف صاف آگاہ کرنے والا ہی ہے ○

سامان تعیش کی کثرت عتاب الٰہی بھی ہے: ☆☆ (آیت:۱۸۲-۱۸۳) یعنی ایسے لوگوں کو روزی میں کشادگی دی جائے گی' معاش کی آسانیاں ملیں گی' وہ دھوکے میں پڑ جائیں گے اور حقانیت کو بھول جائیں گے' جب پورے مست ہو جائیں گے اور ہماری نصیحت کو گئی گذری کر دیں گے' تو ہم انہیں ہر طرح کے آرام دیں گے یہاں تک کہ وہ مست ہو جائیں گے' تب انہیں ہم ناگہانی پکڑ میں پکڑ لیں گے' اس وقت وہ مایوسی کے ساتھ منہ تکتے رہ جائیں گے اور ان ظالموں کی رگ کٹ جائے گی۔ حقیقتاً تعریفوں کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ انہیں میں تو ڈھیل دونگا اور یہ میرے اس داؤ سے بے خبر ہوں گے' میری تدبیر کبھی ناکام نہیں ہوتی' وہ بڑی مضبوط اور مستحکم ہوتی ہے۔

صداقت رسالت پر اللہ کی گواہی: ☆☆ (آیت:۱۸۴) کیا ان کافروں نے کبھی اس بات پر غور کیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ میں جنون کی کوئی بات بھی ہے؟ جیسے فرمان ہے قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ الخ آؤ میری ایک بات تو مان لو' ذرا سی دیر خلوص کے ساتھ اللہ کو حاضر جان کر اکیلے دکیلے غور تو کرو کہ مجھ میں کون سا دیوانہ پن ہے؟ میں تو تمہیں آنے والے سخت خطرے کی اطلاع دے رہا ہوں کہ اس سے ہوشیار رہو۔ جب تم یہ کرو گے تو خود اس نتیجے پر پہنچ جاؤ گے کہ میں مجنوں نہیں بلکہ اللہ کا پیغام دے کر تم میں بھیجا گیا ہوں۔ حضورؐ نے ایک مرتبہ صفا پہاڑ پر چڑھ کر قریشیوں کے ایک ایک قبیلے کا الگ الگ نام لے کر انہیں اللہ کے عذابوں سے ڈرایا اور اسی طرح صبح کر دی تو بعض کہنے لگے کہ دیوانہ ہو گیا ہے اس پر یہ آیت اتری۔

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۭ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

کیا انہوں نے کبھی آسمان و زمین کی مملکت میں اور اللہ کی پیدا کی ہوئی کسی چیز میں کبھی غور نہیں کیا؟ اور اس بات پر کہ ممکن ہے ان کی اجل قریب ہی آ گئی ہو؟ پھر اب یہ اس کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے؟ ○ اللہ کے بہکائے ہوئے کا رہنما کوئی نہیں' انہیں تو اللہ تعالیٰ سرکشی میں ہی سرگرداں چھوڑ دیتا ہے ○

شیطانی چکر: ☆☆ (آیت:۱۸۵) اللہ تعالیٰ جل شانہ کی اتنی بڑی وسیع بادشاہت میں سے اور زمین و آسمان کی ہر طرح کی مخلوق میں سے' کسی ایک چیز نے بھی بعد از غور و فکر انہیں یہ توفیق نہ دی کہ یہ باایمان ہو جاتے؟ اور رب کو بے نظیر و بے شبہ واحد و فرد مان لیتے؟ اور جان لیتے کہ اتنی بڑی خلق' کا خالق' اتنے بڑے ملک کا واحد مالک ہی عبادتوں کے لائق ہے؟ پھر یہ ایمان قبول کر لیتے اور اسی کی عبادتوں میں لگ جاتے اور شرک و کفر سے یکسو ہو جاتے؟ انہیں ڈر لگنے لگتا کہ کیا خبر ہماری موت کا وقت قریب ہی آ گیا ہو؟ ہم کفر پر ہی مر جائیں تو ابدی سزاؤں میں پڑ جائیں؟ جب انہیں اتنی نشانیوں کے دیکھ لینے کے بعد' اس قدر باتیں سمجھا دینے کے بعد بھی ایمان و یقین نہ آیا' اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کے آ جانے کے بعد بھی یہ راہ راست پر نہ آئے تو اب کس بات کو مانیں گے؟۔ مسند کی ایک حدیث میں ہے۔ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ معراج والی رات جب میں ساتویں آسمان پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ گویا اوپر کی طرف بجلی کی

کڑک اور کھڑکھڑاہٹ ہو رہی ہے۔ میں کچھ ایسے لوگوں کے پاس پہنچا جن کے پیٹ بڑے بڑے گھروں جتنے اونچے تھے جن میں سانپ پھر رہے تھے جو باہر سے ہی نظر آتے تھے' میں نے حضرت جبرائیلؑ سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بتایا یہ سود خور ہیں' جب میں وہاں سے اترنے لگا تو آسمان اول پر آ کر میں نے دیکھا' نیچے کی جانب دھواں' غبار اور شور وغل ہے' میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ جبرئیل نے کہا یہ شیاطین ہیں جو اپنی خرمستیوں اور دھینگا مشتیوں سے لوگوں کی آنکھوں پر پردے ڈال رہے ہیں کہ وہ آسمان وزمین کی بادشاہت کی چیزوں میں غور وفکر نہ کر سکیں' اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ بڑے عجائبات دیکھتے۔ اس کے ایک راوی علی بن زید بن جدعان کی بہت سی روایات منکر ہیں۔

میری نشانیاں اور تعلیم گمراہوں کے لیے بے سود ہیں: ☆☆ (آیت:۱۸۶) جس پر گمراہی لکھ دی گئی ہے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا' وہ چاہے ساری نشانیاں دیکھ لے لیکن بے سود' اللہ کا ارادہ جس کے لیے فتنے کا ہو تو اس کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ میرا حکم تو یہی ہے کہ آسمان وزمین کی میری بے شمار نشانیوں پر غور کرو لیکن یہ ظاہر ہے کہ آیات اور ڈراوے بے ایمانوں کے لیے سودمند نہیں۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ؕۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

تجھ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کا قائم ہونا کب ہے؟ تو جواب دے کہ اس کا علم تو صرف میرے پروردگار کے پاس ہی ہے' وہی اسے اس کے مقررہ وقت پر ظاہر کر دے گا' وہ تو زمین وآسمان میں گراں ہو رہی ہے' وہ تمہارے پاس اچانک ہی آ جائے گی' اس طرح تجھ سے دریافت کر رہے ہیں کہ گویا تو اس سے واقف ہے' صاف کہہ دے کہ اس کا علم اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے ○

قیامت کب اور کس وقت؟ ☆☆ (آیت:۱۸۷) یہ دریافت کرنے والے قریشی بھی تھے اور یہودی بھی لیکن چونکہ یہ آیت مکی ہے اسلئے ٹھیک یہی ہے کہ قریشیوں کا سوال تھا چونکہ وہ قیامت کے قائل ہی نہ تھے' اس لیے اس قسم کے سوال کیا کرتے تھے کہ اگر سچے ہو تو اس کا ٹھیک وقت بتا دو' ادھر بے ایمان اس کی جلدی مچا رہے ہیں' ادھر ایماندار اسے حق جان کر اس سے ڈر رہے ہیں' بات یہ ہے کہ جنہیں اس میں بھی شک ہے دور دراز کی گمراہی میں تو وہی ہیں۔ پوچھا کرتے تھے کہ قیامت واقع کب ہوگی؟ جواب سکھایا گیا کہ اس کے صحیح وقت کا علم سوائے اللہ کے کسی کو نہیں' وہی اس کے صحیح وقت سے واقف ہے' بجز اس کے کسی کو اس کے واقع ہونے کا وقت معلوم نہیں' اس کا علم زمین و آسمان پر بھی بھاری ہے' ان کی رہنے والی ساری مخلوق اس علم سے خالی ہے' وہ جب آئے گی' سب پر ایک ہی وقت واقع ہوگی' سب کو ضرر پہنچے گا' آسمان پھٹ جائے گا' ستارے جھڑ جائیں گے' سورج بے نور ہو جائے گا' پہاڑ اڑنے لگیں گے' اسی لیے وہ ساری مخلوق پر گراں گذر رہی ہے' اس کے واقع ہونے کے صحیح وقت کا علم ساری مخلوق پر بھاری ہے' زمین وآسمان والے سب اس سے عاجز اور بے خبر ہیں' وہ تو اچانک سب کی بے خبری میں ہی آئے گی' کوئی بزرگ سے بزرگ فرشتہ' کوئی بڑے سے بڑا پیغمبر بھی اس کے آنے کے وقت کا عالم نہیں' وہ تو سب کی بے خبری میں ہی آ جائے گی۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں' دنیا کے تمام کام حسب دستور ہو رہے ہوں گے' جانوروں والے اپنے جانوروں کے پانی پینے والے حوض درست کر رہے ہوں گے' تجارت والے ناپ تول میں مشغول ہوں گے' قیامت آ جائے گی۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ قیامت قائم ہونے سے پہلے سورج مغرب سے نکلے گا' اسے دیکھتے ہی سب لوگ ایمان قبول کر لیں گے' لیکن اس وقت کا ایمان ان کے لیے بے سود ہوگا' جو اس سے پہلے ایمان نہ لائے ہوں اور جنہوں نے اس سے پہلے نیکیاں نہ کی ہوں۔ قیامت اس طرح دفعتاً آ جائے گی کہ ایک شخص کپڑا پھیلائے دوسرے کو دکھا رہا ہوگا اور دوسرا دیکھ رہا ہوگا' بھاؤ تاؤ ہو رہا ہوگا کہ قیامت واقع ہو جائے گی' نہ یہ خرید و فروخت کر سکیں گے' نہ کپڑے کی تہہ کر سکیں گے' کوئی دودھ دوہ کر آ رہا ہوگا' پی نہ سکے گا کہ قیامت آ جائے گی' کوئی حوض درست کر رہا ہو گا' ابھی جانوروں کو پانی نہ پلا چکا ہوگا کہ قیامت آ جائے گی' کوئی لقمہ اٹھائے ہوئے ہوگا' ابھی منہ میں نہ ڈالا ہوگا کہ قیامت آ جائے گی۔

صحیح مسلم شریف میں ہے' آدمی دودھ کا کٹورا (برتن) اٹھا کر پینا چاہتا ہوگا' ابھی منہ سے نہ لگا پائے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی' کپڑے کے خریدار بھی سودا نہ کر چکے ہوں گے کہ قیامت آ جائے گی' حوض والے بھی لیپا پوتی کر رہے ہوں گے کہ قیامت برپا ہو جائے گی۔ تجھ سے اس طرح پوچھتے ہیں گویا تو ان کا سچا رفیق ہے' یہ تیرے پکے دوست ہیں' اس طرح پوچھتے ہیں گویا کہ تجھے اس کا حال معلوم ہے' حالانکہ کسی مقرب فرشتے یا نبی یا رسول کو اس کا علم ہرگز نہیں۔ قریشیوں نے یہ بھی کہا تھا کہ حضورؐ ہم تو آپ کے قرابتدار ہیں' ہمیں تو بتا دیجیے کہ قیامت کب اور کس دن کس سال آئے گی؟ اس طرح پوچھا کہ گویا آپ کو معلوم ہے' حالانکہ اس کا علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے جیسے فرمان ہے اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ قیامت کا علم صرف اللہ ہی کو ہے یہی معنی زیادہ ترجیح والے ہیں۔ واللہ اعلم۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بھی جب اعرابی کا روپ دھار کر سائل کی شکل میں آپ کے پاس بیٹھ کر آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھا' تو آپؐ نے صاف جواب دیا کہ اس کا علم نہ مجھے ہے' نہ تجھے' اس سے پہلے کے سوالات آپ بتا چکے تھے' اس سوال کے جواب میں اپنی لاعلمی ظاہر کر کے پھر سورہ لقمان کی آخری آیت پڑھی کہ ان پانچ چیزوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا' یعنی علم قیامت' بارش کا آنا' مادہ کے پیٹ کے بچے کا حال' کل کے حالات' موت کی جگہ' ہاں جب انہوں نے اس کی علامتیں پوچھیں تو حضورؐ نے بتا دیں۔ پھر آپ نے اسی آیت کو تلاوت فرمایا' جبکہ جبرئیلؑ آپ کے ہر جواب پر یہی فرماتے جاتے تھے کہ آپ نے سچ فرمایا' ان کے چلے جانے کے بعد صحابہؓ نے تعجب سے پوچھا کہ حضورؐ یہ کون صاحب تھے؟ آپ نے فرمایا جبرئیل تھے' تمہیں دین سکھانے آئے تھے جب کبھی وہ میرے پاس جس شکل میں بھی آئے' میں نے انہیں پہچان لیا' لیکن اس مرتبہ تو میں خود اب تک نہ پہچان سکا تھا۔ (الحمد للہ میں نے اس کے تمام طریقے کل سندوں کے ساتھ پوری بحث کر کے بخاری شریف کی شرح کے اول میں ہی ذکر کر دیئے ہیں) ایک اعرابی نے آ کر باآواز بلند آپ کا نام لے کر آپ کو پکارا' آپ نے اسی طرح جواب دیا' اس نے کہا' قیامت کب ہوگی؟ آپ نے فرمایا' وہ آنے والی تو قطعاً ہے' تو بتا' تو نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ روزے نماز تو میرے پاس زیادہ نہیں البتہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت سے اپنے دل کو لبریز پاتا ہوں' آپ نے فرمایا انسان اسی کے ہمراہ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہو' مومن اس حدیث کو سن کر بہت ہی خوش ہوئے کہ اس قدر خوشی انہیں اور کسی چیز پر نہیں ہوئی تھی۔ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی آپ سے ایسا سوال کرے جس کی ضرورت نہ ہو تو آپ اسے وہ بات بتاتے جو اس سے کہیں زیادہ مفید ہو' اسی لئے اس سائل کو بھی فرمایا کہ وقت کا علم کیا فائدہ دے گا؟ ہو سکے تو تیاری کر لو۔

صحیح مسلم میں ہے کہ اعرابی لوگ حضورؐ سے جب کبھی قیامت کے بارے میں سوال کرتے تو آپ جو ان میں سب سے کم عمر ہوتا'

اسے دیکھ کر فرماتے کہ اگر یہ اپنی طبعی عمر تک پہنچا تو اس کے بڑھاپے تک ہی تم اپنی قیامت کو پالو گے اس سے مراد ان کی موت ہے جو آخرت کے برزخ میں پہنچا دیتی ہے۔ بعض روایات میں ان کے اس قسم کے سوال پر آنحضرتؐ کا علی الاطلاق یہی فرمانا بھی مروی ہے کہ اس نوعمر کے بڑھاپے تک قیامت آ جائے گی یہ اطلاق بھی اسی تقلید پر محمول ہوگا یعنی مراد اس سے ان لوگوں کی موت کا وقت ہے وفات سے ایک ماہ قبل آپؐ نے فرمایا' تم مجھ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہو' اس کے صحیح وقت کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے' میں حلفاً بیان کرتا ہوں کہ اس وقت روئے زمین پر جتنے متنفس ہیں' ان میں سے ایک بھی سو سال تک باقی نہ رہے گا (مسلم) مطلب اس سے یہ ہے کہ سو سال تک اس زمانے کے موجود لوگوں سے یہ دنیا خالی ہو جائے گی۔

آپ فرماتے ہیں معراج والی شب میری ملاقات حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام سے ہوئی' وہاں قیامت کے وقت کا ذکر چلا تو حضرت ابراہیمؑ کی طرف سب نے بات کو جھکا دیا' آپ نے جواب دیا کہ مجھے تو اس کا علم نہیں سب حضرت موسیٰؑ کی طرف متوجہ ہوئے یہی جواب وہاں سے ملا' پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے تو آپ نے فرمایا' اس کے واقع ہونے کا وقت تو بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا' ہاں مجھ سے میرے رب نے فرما رکھا ہے کہ دجال نکلنے والا ہے' میرے ساتھ دو شاخیں ہوں گی' وہ مجھے دیکھ کر سیسے کی طرح پگھلنے لگے گا آخر اللہ اسے میرے ہاتھوں ہلاک کرے گا یہاں تک کہ درخت اور پتھر بھی بولنے لگیں گے کہ اے مسلمان یہاں میرے نیچے ایک کافر چھپا ہوا ہے' آ' اور اسے قتل کر ڈال۔ جب اللہ تعالیٰ ان سب کو ہلاک کر دے گا' تب لوگ اپنے شہروں اور وطنوں کو لوٹیں گے' اس وقت یاجوج ماجوج نکلیں گے جو کودتے پھلانگتے چاروں طرف پھیل جائیں گے' جہاں سے گذریں گے' تباہی پھیلا دیں گے' جس پانی سے گذریں گے' سب پی جائیں گے' آخر لوگ تنگ آ کر مجھ سے شکایت کریں گے' میں اللہ سے دعا کروں گا' اللہ تعالیٰ سب کو ہلاک کر دے گا' ان کی لاشوں کی سڑاند پھیلے گی جس سے لوگ تنگ آ جائیں گے' اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا جو ان کی لاشوں کو بہا کر سمندر میں ڈال آئے گی۔ پھر تو پہاڑ اڑنے لگیں گے اور زمین سکڑنے لگے گی' جب یہ سب کچھ ظاہر ہوگا اس وقت قیامت ایسی قریب ہو گی جیسی پورے دن والی حاملہ عورت کے بچہ جننے کا زمانہ قریب ہوتا ہے کہ گھر کے لوگ ہوشیار رہتے ہیں کہ نہ جانے دن کو پیدا ہو جائے یا رات کو۔ (ابن ماجہ مسند وغیرہ)

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کا علم کسی رسول کو بھی نہیں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اس کی علامات بیان فرماتے ہیں' نہ کہ مقررہ وقت' اس لئے کہ آپ احکام رسول اللہ ﷺ کے جاری کرنے اور دجال کو قتل کرنے اور اپنی دعا کی برکت سے یاجوج ماجوج کو ہلاک کرنے کے لئے اس امت کے آخر زمانے میں نازل ہوں گے جس کا علم اللہ نے آپ کو دے دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ سے قیامت کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا' اس کا علم اللہ کے پاس ہی ہے سوائے اس کے اسے اور کوئی نہیں جانتا' ہاں میں تمہیں اس کی شرطیں بتلاتا ہوں اس سے پہلے بڑے بڑے فتنے اور لڑائیاں ہوں گی' لوگوں کے خون ایسے سفید ہو جائیں گے کہ گویا کوئی کسی کو جانتا پہچانتا ہی نہیں (مسند) آپ اس آیت کے اترنے سے پہلے بھی اکثر قیامت کا ذکر فرماتے رہا کرتے تھے۔ پس غور کر لو کہ یہ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم جو سید الرسل ہیں' خاتم الانبیاء ہیں' نبی الرحمہ ہیں' نبی اللہ ہیں الملحمہ ہیں' عاقب ہیں' مقفی ہیں' حاشر ہیں' جن کے قدموں پر لوگوں کا حشر ہوگا' جن کا فرمان ہے کہ میں اور قیامت اس طرح آئے ہیں اور آپ نے اپنی دونوں انگلیاں جوڑ کر بتائیں' یعنی شہادت کی انگلی اور اس کے پاس کی انگلی' لیکن باوجود اس کے قیامت کا علم آپ کو نہ تھا' آپ سے جب سوال ہوا تو یہی حکم ملا' جواب دو کہ اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے' لیکن اکثر لوگ بے علم ہیں۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۖۛ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۛؕ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع

کہہ دے کہ میں تو اپنی جان کے بھی کسی فائدے نقصان کا اختیار نہیں رکھتا' وہی ہو کر رہتا ہے جو اللہ چاہے' اگر میں غیب جانتا ہوتا تو اپنا بہت سا فائدہ (اکٹھا) کر لیتا اور کوئی نقصان مجھے نہ پہنچتا' میں تو صرف ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں' ان لوگوں کو جو ایمان لائیں ○

نبی ﷺ کو علم غیب نہیں تھا: ☆☆ (آیت: ۱۸۸) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حکم فرماتا ہے کہ آپ تمام کام اللہ کے سپرد کریں اور صاف کہہ دیں کہ غیب کی کسی بات کا مجھے علم نہیں' میں تو صرف وہ جانتا ہوں جو اللہ تعالیٰ مجھے معلوم کرا دے۔ جیسے سورہ جن میں ہے کہ عالم الغیب اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا' مجھے اگر غیب کی اطلاع ہوتی تو میں اپنے لئے بہت سی بھلائیاں سمیٹ لیتا۔ مجاہدؒ سے مروی ہے کہ اگر مجھے اپنی موت کا علم ہوتا تو نیکیوں میں بھی سبقت لے جاتا' لیکن یہ قول غور طلب ہے کیونکہ حضورؐ کے اعمال دائمی تھے' جو نیکی ایک بار کرتے' پھر اسے معمول بنا لیتے' ساری زندگی اور زندگی کا ہر ایک دن بلکہ ہر ایک گھڑی ایک ہی طرح کی تھی' گویا کہ آپ کی نگاہیں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف لگی رہتی تھیں' زیادہ سے زیادہ یہ بات یوں ہو سکتی ہے کہ دوسروں کو میں ان کی موت کے وقت سے خبردار کر کے انہیں اعمال نیک کی رغبت دلاتا۔ واللہ اعلم۔

اس سے زیادہ اچھا قول اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کا ہے کہ میں مال جمع کر لیتا' مجھے معلوم ہو جاتا کہ اس چیز کے خریدنے میں نفع ہے' میں اسے خرید لیتا' جانتا کہ اس کی خریداری میں نقصان ہے نہ خریدتا خشک سالی کیلئے تر سالی میں ذخیرہ جمع کر لیتا' ارزانی کے وقت گرانی کے علم سے سودا جمع کر لیتا' کبھی کوئی برائی مجھے نہ پہنچتی کیونکہ میں علم غیب سے جان لیتا کہ یہ برائی ہے تو میں پہلے سے ہی اس سے جتن کر لیتا' لیکن میں علم غیب نہیں جانتا اس لئے فقیری بھی مجھ پر آتی ہے' تکلیف بھی ہوتی ہے' مجھ میں تم یہ وصف نہ مانو' سنو مجھ میں وصف یہ ہے کہ میں برے لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈراتا ہوں' ایمانداروں کو جنت کی خوش خبری سناتا ہوں۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ ہم نے اسے تیری زبان پر آسان کر دیا ہے کہ تو پرہیزگاروں کو خوشخبری سنا دے اور بروں کو ڈرا دے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾

اسی نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا کیا ہے' اسی سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس سے سکون حاصل کرے' جب مرد عورت سے ملا تو اسے ہلکا سا بوجھ رہ گیا جسے وہ لئے پھرتی رہی' پھر جب زیادہ بوجھل ہو گئی تو دونوں اللہ سے دعا کرنے لگے کہ اگر تو ہمیں صحیح سالم بچہ عنایت فرمائے گا تو ہم یقیناً تیرے شکر گذاروں میں

ہو جائیں گے ○ پھر جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شائستہ اولاد بخشی تو وہ اللہ کی اس دین میں اس کے شریک ٹھہرانے لگے سو ان کے اس شرک کرنے سے اللہ کی شان بہت ہی بلند ہے ○

ایک ہی باپ ایک ہی ماں اور تمام نسل آدم: ☆☆ (آیت:۱۸۹-۱۹۰) تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے صرف حضرت آدم علیہ السلام سے ہی پیدا کیا' انہی سے ان کی بیوی حضرت حوا کو پیدا کیا' پھر ان دونوں سے نسل انسان جاری کی۔ جیسے فرمان ہے یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی الخ لوگو ہم نے تمہیں ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے' پھر تمہارے کنبے اور قبیلے بنا دیئے تا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے رہو اللہ کے ہاں سب سے زیادہ ذی عزت وہ ہے جو پرہیزگاری میں سب سے آگے ہے۔ سورۂ نساء کے شروع میں ہے' اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک ہی شخص یعنی حضرت آدمؑ سے پیدا کیا ہے' انہی سے ان کی بیوی کو پیدا کیا' پھر ان دونوں میاں بیوی سے بہت سے مرد و عورت پھیلا دیئے۔ یہاں فرماتا ہے کہ انہی سے ان کی بیوی کو بنایا تا کہ یہ آرام اٹھائیں چنانچہ ایک اور آیت میں ہے لِتَسْکُنُوْۤا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً لوگو یہ بھی اللہ کی ایک مہربانی ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری بیویاں بنا دیں تا کہ تم ان سے سکون و آرام حاصل کرو اور اس نے تم میں باہم محبت و الفت پیدا کر دی' پس یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے چاہت ہے جو میاں بیوی میں وہ پیدا کر دیتا ہے۔ اسی لئے جادوگروں کی برائی بیان کرتے ہوئے قرآن نے فرمایا کہ وہ اپنی مکاریوں سے میاں بیوی میں جدائی ڈلوا دیتے ہیں۔ عورت مرد کے ملاپ سے بحکم الٰہی عورت کو حمل ٹھہر جاتا ہے' جب تک وہ نطفے' خون اور لوتھڑے کی شکل میں ہوتا ہے' ہلکا سا رہتا ہے' وہ برابر اپنے کام کاج میں آمد و رفت میں لگی رہتی ہے' کوئی ایسی زیادہ تکلیف اور بار نہیں معلوم ہوتا اور اندر ہی اندر وہ برابر بڑھتا رہتا ہے' اسے تو یونہی کبھی کچھ وہم سا ہوتا ہے کہ شاید کچھ ہو' کچھ وقت یونہی گذر جانے کے بعد بوجھ معلوم ہونے لگتا ہے' حمل ظاہر ہو جاتا ہے' بچہ پیٹ میں بڑا ہو جاتا ہے' طبیعت تھکنے لگتی ہے' اب ماں باپ دونوں اللہ سے دعائیں کرنے لگتے ہیں کہ اگر وہ ہمیں صحیح سالم بیٹا عطا فرمائے تو ہم شکرگذاری کریں گے' ڈر لگتا ہے کہ کہیں کچھ اور بات نہ ہو جائے۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی اور صحیح سالم انسانی شکل و صورت کا بچہ عطا فرمایا تو اللہ کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں۔ مفسرین نے اس جگہ بہت سے آثار و احادیث بیان کی ہیں جنہیں میں یہاں نقل کرتا ہوں اور ان میں جو بات ہے' وہ بھی بیان کروں گا' پھر جو بات صحیح ہے' اسے بتاؤں گا ان شاء اللہ۔

مسند احمد میں ہے کہ جب حضرت حوا کو اولاد ہوئی تو ابلیس گھومنے لگا' ان کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے' شیطان نے سکھایا کہ اب اس کا نام عبدالحارث رکھ دے تو یہ زندہ رہے گا چنانچہ انہوں نے یہی کیا اور یہی ہوا اور اصل میں یہ شیطانی حرکت تھی اور اسی کا حکم تھا۔ امام ترمذیؒ نے اسے نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ میں کہتا ہوں' اس حدیث میں کئی کمزوریاں ہیں' ایک تو یہ کہ اس کے ایک راوی عمر بن ابراہیم مصری کی بابت امام ابوحاتم رازی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ راوی ایسا نہیں کہ اس سے حجت پکڑی جائے گو امام ابن معینؒ نے اس کی توثیق کی ہے۔ لیکن ابن مردویہؒ نے اسے معمر سے' اس نے اپنے باپ سے' اس نے سمرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ (واللہ اعلم) دوسرے یہ کہ یہی روایت موقوفاً حضرت سمرہ کے اپنے قول سے مروی ہوئی ہے جو کہ مرفوع نہیں۔

ابن جریر میں خود حضرت سمرہ بن جندبؓ کا اپنا فرمان ہے کہ حضرت آدمؑ نے اپنے لڑکے کا نام عبدالحارث رکھا۔ تیسرے اس آیت کی تفسیر' اس کے راوی حضرت حسن سے اس کے علاوہ بھی مروی ہے' ظاہر ہے کہ اگر یہ مرفوع حدیث ان کی روایت کردہ ہوتی تو یہ خود اس کے خلاف تفسیر نہ کرتے۔ چنانچہ ابن جریر میں ہے' حضرت حسنؒ فرماتے ہیں' حضرت آدمؑ کا واقعہ نہیں بلکہ بعض مذاہب والوں کا واقعہ ہے۔ اور روایت میں آپ کا یہ فرمان منقول ہے کہ اس سے مراد بعض مشرک انسان ہیں جو ایسا کرتے ہیں' فرماتے ہیں کہ یہ یہود و نصاریٰ کا فعل بیان

ہوا ہے کہ اپنی اولادوں کو اپنی روش پر ڈال لیتے ہیں - یہ سب اسناد حضرت حسنؒ تک بالکل صحیح ہیں اور اس آیت کی جو کچھ تفسیر کی گئی ہے اس میں سب سے بہتر تفسیر یہی ہے - خیر مقصد یہ تھا کہ اتنا بڑا متقی اور پرہیزگار آدمی ایک آیت کی تفسیر میں ایک مرفوع حدیث قول پیغمبرؐ روایت کرے پھر اس کے خلاف خود تفسیر کرے یہ بالکل ان ہونی بات ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ وہ حضرت سمرہؓ کا اپنا قول ہے - اس کے بعد یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ بہت ممکن ہے کہ حضرت سمرہؓ نے اسے اہل کتاب سے ماخوذ کیا ہو جیسے کعب وہب وغیرہ جو مسلمان ہو گئے تھے اس کا بیان بھی سنئے - ابن عباسؓ کہتے ہیں حضرت حواؑ کے جو بچے پیدا ہوتے تھے ان کا نام عبداللہ عبیداللہ وغیرہ رکھتی تھیں وہ بچے فوت ہو جاتے تھے پھر ان کے پاس ابلیس آیا اور کہا اگر تم کوئی اور نام رکھو تو تمہارے بچے زندہ رہیں گے چنانچہ ان دونوں نے یہی کیا جو بچہ پیدا ہوا اس کا نام عبدالحارث رکھا اس کا بیان ان آیات میں ہے - ایک روایت میں ہے کہ ان کے دو بچے اس سے پہلے مر چکے تھے اب حالت حمل میں شیطان ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ تمہیں معلوم بھی ہے کہ تمہارے پیٹ میں کیا ہے؟ ممکن ہے کوئی جانور ہی ہو ممکن ہے صحیح سالم ہوگا زندہ رہے گا یہ بھی اس کے بہکاوے میں آ گئے اور عبدالحارث نام رکھا اسی کا بیان ان آیات میں ہے -

اور روایت میں ہے کہ پہلی دفعہ حمل کے وقت یہ آیا اور انہیں ڈرایا کہ میں وہی ہوں جس نے تمہیں جنت سے نکلوایا اب یا تو تم میری اطاعت کرو ورنہ میں اسے یہ کر ڈالوں گا وہ کر ڈالوں گا وغیرہ ہر چند ڈرایا مگر انہوں نے اس کی اطاعت نہ کی اللہ کی شان وہ بچہ مردہ پیدا ہوا دوبارہ حمل ٹھہرا تو یہ ملعون پھر آن پہنچا اور اسی طرح خوف زدہ کرنے لگا اب بھی انہوں نے اس کی اطاعت نہ کی چنانچہ یہ دوسرا بچہ بھی مردہ ہوا تیسرے حمل کے وقت یہ خبیث پھر آیا اس مرتبہ اولاد کی محبت میں آ کر انہوں نے اس کی بات مان لی اور اس کا نام عبدالحارث رکھا اسی کا بیان ان آیات میں ہے - ابن عباسؓ سے اس اثر کو لے کر ان کے شاگردوں کی ایک جماعت نے بھی یہی کہا ہے جیسے حضرت مجاہدؒ حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت عکرمہؒ اور دوسرے طبقے میں سے قتادہؒ سدیؒ وغیرہ اس طرح سلف سے خلف تک بہت سے مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یہی کہا ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ اثر اہل کتاب سے لیا گیا ہے اس کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ ابن عباسؓ اسے ابی ابن کعب سے روایت کرتے ہیں جیسے کہ ابن ابی حاتم میں ہے پس ظاہر ہے کہ یہ اہل کتاب کے آثار سے ہے جن کی بابت رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ ان کی باتوں کو نہ سچی کہو نہ جھوٹی ان کی روایات تین طرح کی ہیں - ایک تو وہ جن کی صحت ہمارے ہاں کسی آیت یا حدیث سے ہوتی ہے - دوسرا وہ جن کی تکذیب کسی آیت یا حدیث سے ہوتی ہو - تیسرا وہ جس کی بابت کوئی ایسا فیصلہ ہمارے دین میں نہ ملے تو بقول حضور ﷺ اس روایت کے بیان میں تو کوئی حرج نہیں لیکن تصدیق تکذیب جائز نہیں - میرے نزدیک تو یہ اثر دوسری قسم کا ہے یعنی ماننے کے قابل نہیں اور جن صحابہؓ اور تابعینؒ سے یہ مروی ہے انہوں نے اسے تیسری قسم کا سمجھ کر روایت کر دیا ہے - لیکن ہم تو وہی کہتے ہیں جو حضرت امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشرکوں کا اپنی اولاد کے معاملے میں اللہ کے ساتھ کرنے کا بیان ان آیات میں ہے نہ کہ حضرت آدم و حوا کا -

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ اس شرک سے اور ان کے شریک ٹھہرانے سے بلند و بالا ہے - ان آیات میں یہ ذکر اور ان سے پہلے آدم و حوا کا ذکر مثل تمہید کے ہے کہ ان اصلی ماں باپ کا ذکر کر کے پھر اور ماں باپوں کا ذکر ہوا اور ان ہی کا شرک بیان ہوا ذکر شخص سے ذکر جنس کی طرف استطراد کے طور پر جیسے آیت وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ میں ہے یعنی ہم نے دنیا کے آسمان کو ستاروں سے زینت دی اور انہیں شیطانوں پر انگارے برسانے والا بنایا اور یہ ظاہر ہے کہ جو ستارے زینت کے ہیں وہ جھڑتے نہیں ان سے شیطانوں کو مار نہیں پڑتی - یہاں بھی استطراد تاروں کی شخصیت سے تاروں کی جنس کی طرف ہے اس کی اور بھی بہت سی مثالیں قرآن کریم میں موجود

ہیں۔ واللہ اعلم۔

اَیُشْرِكُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾

کیا یہ لوگ انہیں اللہ کا شریک مقرر کر رہے ہیں جو کسی چیز کے خالق نہیں بلکہ وہ خود مخلوق ہیں ○ اپنے پوجنے والوں کی مدد کی نہ تو انہیں طاقت ہے اور نہ ہی وہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں ○

انسان کا المیہ خود معبود سازی اور اللہ سے دوری ہے: ☆☆ (آیت: ۱۹۱-۱۹۲) جو لوگ اللہ کے سوا اوروں کو پوجتے ہیں وہ سب اللہ کے ہی بنائے ہوئے ہیں وہی ان کا پالنے والا ہے وہ بالکل بے اختیار ہیں کسی نفع نقصان کا انہیں اختیار نہیں وہ اپنے پجاریوں کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے بلکہ وہ تو ہل جل بھی نہیں سکتے دیکھ اور سن بھی نہیں سکتے ان بتوں سے تو ان کے پجاری ہی توانا تندرست اور اچھے ہیں کہ ان کی آنکھیں بھی ہیں کان بھی ہیں یہ بے قوف تو انہیں پوجتے ہیں جنہوں نے ساری مخلوق میں سے ایک چیز کو بھی پیدا نہیں کیا بلکہ وہ خود اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے کہ لوگو آؤ ایک لطیف مثال سنو تم جنہیں پکار رہے ہو یہ سارے ہی جمع ہو کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو ان کی طاقت سے خارج ہے بلکہ ان کی کمزوری تو یہاں تک ہے کہ کوئی مکھی ان کی کسی چیز کو چھین لے جائے تو یہ اس سے واپس بھی نہیں کر سکتے طلب کرنے والے اور جن سے طلب کی جا رہی ہے بہت ہی بودے ہیں۔ تعجب ہے کہ اتنے کمزوروں کی عبادت کی جاتی ہے جو اپنا حق بھی ایک مکھی سے نہیں لے سکتے وہ تمہاری روزیوں اور مدد پر کیسے قادر ہوں گے؟

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا یَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَیْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ یَّمْشُوْنَ بِهَاۤ ؗ اَمْ لَهُمْ اَیْدٍ یَّبْطِشُوْنَ بِهَاۤ ؗ اَمْ لَهُمْ اَعْیُنٌ یُّبْصِرُوْنَ بِهَاۤ ؗ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِیْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾

بلکہ اگر تم انہیں سیدھی بات کی طرف بلاؤ تو وہ تو اس میں بھی تمہاری تابعداری نہیں کر سکتے تمہارا انہیں بلانا اور چپ رہنا دونوں ہی برابر ہے ○ تم جنہیں بھی اللہ کے سوا پکار رہے ہو وہ سب تم جیسے ہی اللہ کے غلام ہیں اچھا اگر تم سچے ہو تو انہیں بلواؤ اور یہ تمہاری دعائیں قبول تو کر لیں؟ ○ کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہوں؟ کیا ان کے ایسے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑ سکتے ہوں؟ یا ان کی آنکھیں ہیں ایسی کہ ان سے دیکھ سکتے ہیں یا ان کے ایسے کان ہیں جن سے سن لیتے ہیں؟ کہہ دے کہ اچھا تم اپنے سب شریکوں کو بلا لو پھر میرے حق میں مکر وفریب کر لو اور مجھے مہلت دو ○

(آیت: ۱۹۲-۱۹۴) حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو جنہیں تم خود ہی گھڑتے اور بناتے ہو؟ وہ نہ تو اپنے پجاریوں کی مدد کر سکتے ہیں نہ خود اپنی ہی کوئی مدد کر سکتے ہیں یہاں تک کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے

انہیں توڑ توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا لیکن ان سے یہ نہ ہو سکا کہ اپنے آپ کو ان کے ہاتھ سے بچا لیتے' ہاتھ میں تبر لے کر سب کا چورا کر دیا اور ان معبودان باطل سے یہ بھی نہ ہو سکا کہ کسی طرح اپنا بچاؤ کر لیتے۔

خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی حضرت معاذ بن عمرو بن جموح اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما یہی کام کرتے تھے کہ رات کے وقت چپکے سے جا کر مشرکین کے بت توڑ آتے اور جو لکڑی کے ہوتے' انہیں توڑ کر بیوہ عورتوں کو دے دیتے کہ وہ اپنا ایندھن بنا لیں اور قوم کے بت پرست عبرت حاصل کریں' خود حضرت معاذؓ کا باپ عمرو بن جموح بھی بت پرست تھا' یہ دونوں نوجوان دوست وہاں بھی پہنچتے اور اس بت کو پلیدی سے آلودہ کر آتے' جب یہ آتا تو اپنے معبود کو اس حالت میں دیکھ کر بہت پیچ و تاب کھاتا' پھر دھوتا' پھر اس پر خوشبو ملتا' ایک مرتبہ اس نے اس کے پاس تلوار رکھ دی اور کہا دیکھ آج تیرا دشمن آئے تو اس تلوار سے اس کا کام تمام کر دینا' یہ اس رات بھی پہنچے اور اس کی درگت کر کے پاخانے سے لیپ کر کے چلے آئے مگر تاہم اسے اثر نہ ہوا' صبح کو اسی طرح اس نے اسے دھو دھا کر ٹھیک ٹھاک کر کے خوشبو لگا کر بٹھا کر ڈنڈوت کی یعنی (اٹھک بیٹھک) کی۔ جب ان دونوں نے دیکھا کہ کسی طرح یہ نہیں مانتا تو ایک رات اس بت کو اٹھا لائے اور ایک کتے کا پلا جو مردار پڑا تھا' اس کے گلے میں باندھ دیا اور محلے کے ایک کنویں میں ڈال دیا صبح اس نے اپنے بت کو نہ پا کر تلاش کیا تو کنویں میں اسے نظر آیا کہ کتے کے مردہ بچے کے ساتھ پڑا ہوا ہے' اب اسے بت سے اور بت پرستی سے نفرت ہو گئی اور اس نے کہا

تالله لو كنت الها مستدن   لم تك والكلب جميعا فى قرن

یعنی اگر تو سچ مچ معبود ہوتا تو کنویں میں کتے کے پلے کے ساتھ پڑا ہوا نہ ہوتا۔ پھر نبی کریم ﷺ ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہو گئے' پھر تو اسلام میں پورے پکے ہو گئے' احد کی لڑائی میں شریک ہوئے اور کفار کو قتل کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ رضی الله عنه وارضاه وجعل جنت الفردوس مأواہ انہیں اگر بلایا جائے تو یہ قبول کرنا تو درکنار' سن بھی نہیں سکتے' محض پتھر ہیں' بے جان ہیں' بے آنکھ اور بے کان ہیں جیسے کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے والد! آپ ان کی عبادت کیوں کرتے ہیں' جو نہ سنیں' نہ دیکھیں' نہ تجھے کوئی نفع پہنچا سکیں' نہ تیرے کسی کام آ سکیں' انہیں پکارنا اور نہ پکارنا دونوں برابر ہیں' یہ تو تم جیسے ہی بے بس اور اللہ کی مخلوق ہیں' بتاؤ تو کبھی انہوں نے تمہاری فریاد رسی کی ہے؟ یا کبھی تمہاری دعا کا جواب دیا ہے؟ حقیقت میں ان سے افضل و اعلیٰ تو تم خود ہو' تم سنتے' دیکھتے' چلتے پھرتے' بولتے چالتے ہو' یہ تو اتنا بھی نہیں کر سکتے' اچھا تم ان سے میرا کچھ بگاڑنے کی درخواست کرو' میں اعلان کرتا ہوں کہ اگر ان سے ہو سکے تو بلا تامل اپنی پوری طاقت سے جو میرا بگاڑ سکتے ہوں بگاڑ لیں۔

إِنَّ وَلِـِّۧيَ اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى
الصَّٰلِحِينَ ﴿١٩٦﴾ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِۦ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَكُمْ
وَلَآ أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ ﴿١٩٧﴾ وَإِن تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَسْمَعُوا۟ ۖ
وَتَرَىٰهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿١٩٨﴾

میرا کارساز تو اللہ تعالیٰ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی ہے' وہ اپنے نیک بندوں کی حمایت کرتا رہتا ہے ○ اور اس اللہ کے سوا تم جن جن کو پکارتے ہو' وہ تمہاری حمایت کی کوئی طاقت نہیں رکھتے بلکہ وہ تو خود اپنی جانوں کی بھی مدد نہیں کر سکتے ○ اور اگر تم انہیں راہ راست کی طرف بلاؤ تو وہ نہیں سنتے' گو وہ تجھے بظاہر تیری طرف

دیکھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں' لیکن دراصل دیکھتے بھالتے نہیں ○

(آیت:۱۹۶-۱۹۸) سنو میں تو اللہ کو اپنا حمایتی اور مددگار سمجھتا ہوں' وہی میرا بچانے والا ہے اور وہ مجھے کافی وافی ہے' اس پر میرا بھروسہ ہے' اسی سے میرا لگاؤ ہے' میں ہی نہیں' ہر نیک بندہ یہی کرتا ہے اور وہ بھی اپنے تمام سچے غلاموں کی نگہبانی اور حفاظت کرتا رہتا ہے اور کرتا رہے گا' میرے بعد بھی ان سب کا نگران اور محافظ وہی ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام سے آپ کی قوم نے کہا کہ ہمارا تو خیال ہے کہ تو جو ہمارے معبودوں پر ایمان نہیں رکھتا' اسی سبب سے انہوں نے تجھے ان مشکلات میں ڈال دیا ہے' اس کے جواب میں اللہ کے پیغمبر نے فرمایا' سنو تم کو اور اللہ کو گواہ کر کے علی الاعلان کہتا ہوں کہ میں اللہ کے سوا تمہارے تمام معبودوں سے بری اور بیزار اور ان سب کا دشمن ہوں' تم میرا کچھ بگاڑ سکتے ہو تو بگاڑ لو' تمہیں بھی قسم ہے جو ذرا سی کوتاہی کرو' میرا توکل اللہ کی ذات پر ہے' تمام جانداروں کی چوٹیاں اس کے ہاتھ میں ہیں اور میرا رب ہی سچی راہ پر ہے۔ حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا تھا کہ تم اور تمہارے بزرگ جن کی تم پرستش کرتے ہو' میں ان سب کا دشمن ہوں اور وہ مجھ سے دور ہیں سوائے اس رب العالمین کے جس نے مجھے پیدا کیا اور میری رہبری کی' آپ نے اپنے والد اور قوم سے بھی یہی فرمایا کہ میں تمہارے معبودان باطل سے بری اور بیزار ہوں' سوائے اس سچے معبود کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے' وہی میری رہبری کرے گا۔ ہم نے اسی کلمے کو اس کی نسل میں ہمیشہ کے لئے باقی رکھ دیا تا کہ لوگ اپنے باطل خیالات سے ہٹ جائیں۔ پہلے تو غائبانہ فرمایا تھا' پھر اور تاکید کے طور پر خطاب کر کے فرماتا ہے کہ جن جن کو اللہ کے سوا تم پکارتے ہو' وہ تمہاری امداد نہیں کر سکتے اور نہ وہ خود اپنا ہی کوئی نفع کر سکتے ہیں' یہ تو سن ہی نہیں سکتے' تجھے تو یہ آنکھوں والے دکھائی دیتے ہیں' لیکن دراصل ان کی اصلی آنکھیں ہی نہیں کہ کسی کو دیکھ سکیں۔ جیسے فرمان ہے کہ اگر تم انہیں پکارو تو وہ سنتے نہیں چونکہ وہ تصاویر اور بت ہیں' ان کی مصنوعی آنکھیں ہیں' محسوس تو یہ ہوتا ہے کہ وہ دیکھ رہے ہیں' لیکن دراصل دیکھ نہیں رہے' چونکہ وہ پتھر بصورت انسان ہیں' اس لئے ضمیر بھی ذی العقول کی لائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد کفار ہیں لیکن اول ہی اولیٰ ہے' یہی امام ابن جریر اور قتادہ کا قول ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۚ إِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾

درگذر کرنے کا شیوہ اختیار کر اور نیکیوں کا حکم کرتا رہ اور نادانوں سے چشم پوشی کر ○ اور اگر کوئی شیطانی وسوسہ آ جائے تو اللہ کی پناہ طلب کر لیا کر' بیشک وہ خوب سننے جاننے والا ہے ○

اچھے اعمال کی نشاندہی: ☆☆ (آیت:۱۹۹-۲۰۰) ابن عباسؓ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ ان سے وہ مال لے جو ان کی ضرورت سے زیادہ ہو اور جسے یہ بخوشی اللہ کی راہ میں پیش کریں' پہلے چونکہ زکوۃ کے احکام تفصیل کے ساتھ نہیں اترے تھے اس لیے یہی حکم تھا۔ یہ بھی معنی کیے گئے ہیں کہ ضرورت سے زائد چیز اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا کرو۔ یہ بھی مطلب ہے کہ مشرکین سے بدلہ نہ لو' دس سال تک تو یہی حکم رہا کہ درگذر کرتے رہو' پھر جہاد کے احکام اترے۔ یہ بھی مطلب ہے کہ لوگوں کے اچھے اخلاق اور عمدہ عادات جو ظاہر ہوں' انہی پر نظر رکھو' ان کے باطن نہ ٹٹولو' تجسس نہ کرو۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے اور یہی قول زیادہ مشہور ہے۔ حدیث میں ہے کہ اس

آیت کو سن کر حضرت جبرئیلؑ سے آپ نے دریافت کیا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ جو تجھ پر ظلم کرے تو اس سے درگذر کر' جو تجھے نہ دے تو اس کے ساتھ بھی احسان وسلوک کر' جو تجھ سے قطع تعلق کرے تو اس کے ساتھ بھی تعلق رکھ-مسند احمد میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے ملا اور آپ کا ہاتھ تھام کر درخواست کی کہ مجھے افضل اعمال بتائیے' آپ نے فرمایا جو تجھ سے توڑے تو اس سے بھی جوڑ' جو تجھ سے روکے تو اسے دے' جو تجھ پر ظلم کرے تو اس پر بھی رحم کر-اوپر والی روایت مرسل اور یہ روایت ضعیف ہے-عرف سے مراد نیک ہے-

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ عیینہ بن حصن بن حذیفہ اپنے بھائی حر بن قیس کے ہاں آ کے ٹھہرا' حضرت حر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے خاص درباریوں میں تھے' آپ کے درباری اور نزدیکی کا شرف صرف انہیں حاصل تھا جو قرآن کریم کے ماہر تھے خواہ وہ جوان ہوں خواہ بوڑھے' اس نے درخواست کی کہ مجھے آپ امیر المومنین عمر کے دربار میں حاضری کی اجازت دلوا دیجئے' آپ نے وہاں جا کر ان کے لیے اجازت چاہی' امیر المومنین نے اجازت دے دی' یہ جاتے ہی کہنے لگے' اے ابن خطاب تو ہمیں بکثرت مال بھی نہیں دیتا اور ہم میں عدل کے ساتھ فیصلے بھی نہیں کرتا' آپ کو یہ کلام بھی برا لگا' ممکن تھا کہ اسے اس کی اس تہمت پر سزا دیتے' لیکن اسی وقت حضرت حر نے کہا' اے امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم فرمایا ہے کہ عفو و درگذر کی عادت رکھ' اچھائیوں کا حکم کرتا رہ اور جاہلوں سے چشم پوشی کر' امیر المومنین یقین کیجئے یہ نرا جاہل ہے-قرآن کریم کی اس آیت کا امیر المومنین کے کان میں پڑنا تھا کہ آپ کا تمام رنج و غم و غصہ و غضب جاتا رہا' آپ کی یہ تو عادت ہی تھی کہ ادھر اللہ کا نام سنا' ادھر گردن جھکا دی-امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ کا ذکر ہے کہ آپ نے شامیوں کے ایک قافلے کو دیکھا' جس میں گھنٹی تھی تو آپ نے فرمایا' یہ گھنٹیاں منع ہیں' انہوں نے کہا کہ ہم اس مسئلے کو آپ سے زیادہ جانتے ہیں' بڑی بڑی گھنٹیوں سے منع ہے' اس جیسی چھوٹی گھنٹیوں میں کیا حرج ہے؟ حضرت سالم نے آیت کا آخری جملہ پڑھ کر ان جاہلوں سے چشم پوشی کر لی-عرف' معروف' عارف' عارفہ' سب کے ایک ہی معنی ہیں-اس میں ہر اچھی بات کی اطاعت کا ذکر آ گیا-پھر حکم دیا کہ جاہلوں سے منہ پھیر لیا کر-گو یہ حکم آپ کو ہے لیکن دراصل تمام بندوں کو یہی حکم ہے' مطلب یہ ہے کہ تکلیف برداشت کر لیا کر' تکلیف دہی کا خیال بھی نہ کر' یہ معنی نہیں کہ دین حق کے معاملے میں جو جہالت سے پیش آئے' تم سے کچھ نہ کہو' مسلمانوں سے جو کفر پر جم کر مقابلہ کرے' تم اسے کچھ نہ کہنا' یہ مطلب اس جملے کا نہیں-یہ وہ پاکیزہ اخلاق ہیں جن کا مجسم عملی نمونہ رسول اللہ ﷺ تھے-کسی نے اسی مضمون کو اپنے شعروں میں باندھا ہے-

خذ العفو وامر بعرف کما امرت واعرض عن الجاهلين
ولن فى الكلام بكل الانام . فمستحسن من ذوى الجاهلين

یعنی درگذر کیا کر' بھلی بات بتا دیا کر' جیسے کہ تجھے حکم ہوا ہے' نادانوں سے ہٹ جایا کر' ہر ایک سے نرم کلامی سے پیش آیا کر' یاد رکھ کہ عزت وجاہ پر پہنچ کر نرم اور خوش اخلاق رہنا ہی کمال ہے-بعض مسلمانوں کا مقولہ ہے کہ لوگ دو طرح کے ہیں' ایک تو بھلے اور محسن' جو احسان وسلوک کریں' قبول کر لے اور ان کے سر نہ ہو جا کہ ان کی وسعت سے زیادہ ان پر بوجھ ڈال دے-دوسرے بد اور ظالم' انہیں نیکی اور بھلائی کا حکم دے' پھر بھی اگر وہ اپنی جہالت پر اور بدکرداری پر اڑے رہیں اور تیرے سامنے سرکشی اختیار کریں' تو ان سے روگردانی کر لے' یہی چیز اسے اس کی برائی سے ہٹا دے گی-جیسے کہ اللہ کا فرمان ہے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ الخ' بہترین طریق سے دفع کر دو تو تمہارے دشمن بھی تمہارے دوست بن جائیں گے' لیکن یہ انہی سے ہو سکتا ہے جو صابر ہوں اور نصیبوں والے ہوں-اس کے بعد شیطانی وسوسوں سے اللہ کی پناہ مانگنے کا

حکم ہوا اس لیے کہ وہ سخت ترین دشمن ہے اور ہے بھی احسان فراموش ۔ انسانی دشمنوں سے بچاؤ تو عفو و درگذر اور سلوک و احسان سے ہو جاتا ہے' لیکن اس ملعون سے سوائے اللہ کی پناہ کے اور کوئی بچاؤ نہیں ۔ یہ تینوں حکم جو سورہ اعراف کی ان تینوں آیات میں ہیں' یہی سورہ مومنون میں بھی ہیں اور سورہ حم السجدہ میں بھی ہیں ۔ شیطان تو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے دشمن انسان ہے' یہ جب غصہ دلائے' جوش میں لائے' فرمان الٰہی کے خلاف ابھارے' جاہلوں سے بدلہ لینے پر آمادہ کرے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگ لیا کر' وہ جاہلوں کی جہالت کو بھی جانتا ہے اور تیرے بچاؤ کی ترکیبوں کو بھی جانتا ہے' ساری مخلوق کا اسے علم ہے اور وہ تمام کاموں سے خبردار ہے ۔ کہتے ہیں کہ جب اگلے تین حکم سنے تو کہا' اے اللہ ان کاموں کے کرنے کے وقت تو شیطان ان کے خلاف بری طرح آمادہ کر دے گا اور نفس تو جوش انتقام سے پر ہوتا ہے' کہیں ان کی خلاف ورزی نہ ہو جائے تو یہ پچھلی آیت نازل ہوئی کہ ایسا کرنے سے شیطانی وسوسہ دفع ہو جائے گا اور تم اخلاق کریمانہ پر عامل ہو جاؤ گے ۔ میں نے اپنی اسی تفسیر کے شروع میں ہی اعوذ کی بحث میں اس حدیث کو بھی وارد کیا ہے کہ دو شخص لڑ جھگڑ رہے تھے جن میں سے ایک سخت غضبناک تھا' حضورؐ نے فرمایا مجھے ایک ایسا کلمہ یاد ہے' اگر یہ کہہ لے تو ابھی یہ بات جاتی رہے' وہ کلمہ (اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم) ہے ۔ کسی نے اس میں بھی ذکر کیا تو اس نے کہا کہ کیا میں کوئی دیوانہ ہو گیا ہوں؟ نزغ کے اصلی معنی فساد کے ہیں' وہ خواہ غصے سے ہو یا کسی اور وجہ سے ۔ فرمان قرآن ہے کہ میرے بندوں کو آگاہ کر دو کہ وہ بھلی بات زبان سے نکالا کریں' شیطان ان میں فساد کی آگ بھڑکانا چاہتا ہے ۔ عیاذ کے معنی التجا اور استناد کے ہیں اور ملاذ کا لفظ طلب خیر کے لیے بولا جاتا ہے جیسے حسن بن ہانی کا شعر ہے ۔

یامن الوذبہ فیما اوملہ ومن اعوذ بہ مما احاذرہ
لا یجبر الناس عظما انت کاسرہ ولا یھیضون عظما انت جابرہ

یعنی اے اللہ تو میری آرزوؤں کا مرکز ہے اور میرے بچاؤ اور پناہ کا مسکن ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ جس ہڈی کو تو توڑنا چاہے' اسے کوئی جوڑ نہیں سکتا اور جسے تو جوڑنا چاہے' اسے کوئی توڑ نہیں سکتا ۔ باقی احادیث جو تعوذ (اعوذ باللہ) کے متعلق تھیں' وہ ہم اپنی اس تفسیر کے شروع میں ہی لکھ آئے ہیں ۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَيِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ ﴿٢٠١﴾ وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ ﴿٢٠٢﴾

پرہیز گار تو شیطانی وسوسے کے آتے ہی چوکنا ہو جاتے ہیں اور فوراً ہی دیکھ بھال کرنے لگتے ہیں ○ اور جو شیطانوں کے بھائی ہیں' انہیں تو شیاطین گمراہی میں گھسیٹے لئے جاتے ہیں اور کوئی کوتاہی نہیں کرتے ○

جو اللہ سے ڈرتا ہے' شیطان اس سے ڈرتا ہے: ☆☆ (آیت:۲۰۱-۲۰۲) طائف کی دوسری قرأت "طیف" ہے' یہ دونوں مشہور قرأتیں ہیں دونوں کے معنی ایک ہیں' بعض نے لفظی تعریف بھی کی ہے ۔ فرمان ہے کہ وہ لوگ جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں' جنہیں اللہ کا ڈر ہے' جو نیکیوں کے عامل اور برائیوں سے رکنے والے ہیں' انہیں جب کبھی غصہ آ جائے' یا شیطان ان پر اپنا کوئی داؤ چلانا چاہے' یا ان کے دل میں کسی گناہ کی رغبت ڈالے' اور ان سے کوئی گناہ کرانا چاہے تو اللہ کے عذاب سے بچنے میں جو ثواب ہے' یہ اسے بھی یاد کر لیتے ہیں' رب کے وعدے وعید کی یاد کرتے ہیں اور فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں' توبہ کر لیتے ہیں' اللہ کی طرف جھک جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے شیطانی شر سے پناہ

مانگنے لگتے ہیں اور اسی وقت اللہ کی جناب میں رجوع کرنے لگتے ہیں اور استقامت کے ساتھ صحت پر جم جاتے ہیں ابن مردویہ میں ہے کہ ایک عورت حضور ﷺ کے پاس آئی جسے مرگی کا دورہ پڑا کرتا تھا' اس نے درخواست کی کہ آپ میرے لیے دعا کیجئے' آپؐ نے فرمایا' اگر تم چاہو تو میں دعا کروں اور اللہ تمہیں شفا بخشے اور اگر چاہو تو صبر کرو تو اللہ تم سے حساب نہ لے گا' اس نے کہا کہ حضورؐ میں صبر کرتی ہوں کہ میرا حساب معاف ہو جائے۔ سنن میں بھی یہ حدیث ہے کہ اس عورت نے کہا تھا کہ میں گر پڑتی ہوں اور بیہوشی کی حالت میں میرا کپڑا کھل جاتا ہے جس سے بے پردگی ہوتی ہے' اللہ سے میری شفا کی درخواست کیجئے' آپ نے فرمایا تم ان دونوں باتوں میں سے ایک کو پسند کر لو' یا تو میں دعا کروں اور تمہیں شفا ہو جائے' یا تم صبر کرو اور تمہیں جنت ملے' اس نے کہا کہ میں صبر کرتی ہوں کہ مجھے جنت ملے' لیکن اتنی دعا تو ضرور کیجئے کہ میں بے پردہ نہ ہو جایا کروں' آپؐ نے دعا کی چنانچہ ان کا کپڑا کیسی ہی وہ تلملاتیں' اپنی جگہ سے نہ ہٹتا تھا۔ حافظ ابن عساکر رحمتہ اللہ علیہ اپنی تاریخ میں عمرو بن جامع کے حالات میں نقل کرتے ہیں کہ ایک نوجوان عابد مسجد میں رہا کرتا تھا اور اللہ کی عبادت کا بہت مشتاق تھا' ایک عورت نے اس پر ڈورے ڈالنے شروع کیے' یہاں تک کہ اسے بہکا لیا قریب تھا کہ وہ اس کے ساتھ کوٹھڑی میں چلا جائے اچانک اسے یہ آیت اِذَا مَسَّهُمْ الخ یاد آئی اور غش کھا کر گر پڑا بہت دیر کے بعد جب اسے ہوش آیا' اس نے پھر اس آیت کو یاد کیا اور اس قدر اللہ کا خوف اس کے دل میں سمایا کہ اس کی جان نکل گئی' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کے والد سے ہمدردی اور غمخواری کی' چونکہ انہیں رات ہی کو دفن کر دیا گیا تھا' آپ ان کی قبر پر گئے' آپ کے ساتھ بہت سے آدمی تھے' آپ نے وہاں جا کر ان کی قبر پر نماز جنازہ ادا کی' اور اسے آواز دے کر فرمایا' اے نوجوان! ولمن خاف مقام ربه جنتان جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا ڈر رکھے' اس کے لیے دو دو جنتیں ہیں' اسی وقت قبر کے اندر سے آواز آئی کہ مجھے میرے رب عزوجل نے وہ دونوں مرتبے دو دو عطا فرما دیئے' یہ تو تھا حال اللہ والوں کا اور پرہیزگاروں کا کہ وہ شیطانی جھٹکوں سے بچ جاتے ہیں' اس کے فن فریب سے چھوٹ جاتے ہیں۔ اب ان کا حال بیان ہو رہا ہے جو خود شیطان کے بھائی بنے ہوئے ہیں' جیسے فضول خرچ لوگوں کو قرآن نے شیطان کے بھائی قرار دیا ہے' ایسے لوگ اس کی باتیں سنتے ہیں' مانتے ہیں اور ان پر ہی عمل کرتے ہیں' شیاطین ان کے سامنے برائیاں اچھے رنگ میں پیش کرتے ہیں' ان پر وہ آسان ہو جاتی ہیں اور یہ پوری مشغولیت کے ساتھ ان میں پھنس جاتے ہیں' دن بدن اپنی بدکاری میں بڑھتے جاتے ہیں' جہالت اور نادانی کی حد کر دیتے ہیں' نہ شیطان ان کے بہکانے میں کوتاہی برتتے ہیں' نہ یہ برائیاں کرنے میں کمی کرتے ہیں' یہ ان کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں اور وہ ان وسوسوں میں پھنستے رہتے ہیں' یہ انہیں بھڑکاتے اور گناہوں پر آمادہ کرتے رہتے ہیں' وہ برے عمل کیے جاتے ہیں اور برائیوں پر مداومت اور لذت کے ساتھ جمے رہتے ہیں۔

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۭ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَاۗىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۲۰۳

ان کے سامنے جب تو کوئی خاص معجزہ پیش نہیں کرتا تو وہ کہتے ہیں کہ تو اسے بھی اپنی طرف سے کیوں نہ چھانٹ لایا؟ تو جواب دے کہ میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری جانب میرے پروردگار کی طرف سے وحی کی جاتی ہے' یہ قرآن بصارتوں والا تمہارے رب کی طرف کا موجود ہے جو ایمانداروں کے لئے سراسر ہدایت ورحمت ہے ○

سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے: ☆☆ (آیت:۲۰۳) یہ لوگ کوئی معجزہ مانگتے اور آپ اسے پیش نہ کرتے تو کہتے کہ نبی ہوتا تو ایسا کر لیتا' بنا لیتا' اللہ سے مانگ لیتا' اپنے آپ گھڑ لیتا' آسمان سے گھسیٹ لاتا' الغرض معجزہ طلب کرتے اور وہ طلب بھی سرکشی اور عناد کے ساتھ ہوتی۔ جیسے فرمان قرآن ہے اِنۡ نَّشَاۡ نُنَزِّلۡ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً الخ اگر ہم چاہتے تو کوئی نشان ان پر آسمان سے اتارے جس سے ان کی گردنیں جھک جاتیں۔ وہ لوگ حضورؐ سے کہتے رہتے تھے کہ جو ہم مانگتے ہیں' وہ معجزہ اپنے رب سے طلب کر کے ہمیں ضرور دکھا دیجئے' تو حکم دیا کہ ان سے فرما دیجئے کہ میں تو اللہ کی باتیں ماننے والا اور ان پر عمل کرنے والا وحی الٰہی کا تابع ہوں' میں اس کی جناب میں کوئی گستاخی نہیں کر سکتا' آگے نہیں بڑھ سکتا' جو حکم دے صرف اسے بجا لاتا ہوں' اگر کوئی معجزہ وہ عطا فرمائے' دکھا دوں' جو وہ ظاہر نہ فرمائے اسے میں نہیں لاسکتا' میرے بس میں کچھ نہیں' میں اس سے معجزہ طلب نہیں کیا کرتا' مجھ میں اتنی جرات نہیں' ہاں اس کی اجازت پا لیتا ہوں تو اس سے دعا کرتا ہوں' وہ حکمتوں والا اور علم والا ہے' میرے پاس تو میرے رب کا سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے جو سب سے زیادہ واضح دلیل' سب سے زیادہ سچی حجت اور سب سے زیادہ روشن برہان ہے' جو حکمت' ہدایت اور رحمت سے پر ہے' اگر دل میں ایمان ہے تو اس اچھے سچے عمدہ اور اعلیٰ معجزے کے بعد دوسرے معجزے کی طلب باقی نہیں رہتی۔

وَاِذَا قُرِئَ الۡقُرۡاٰنُ فَاسۡتَمِعُوۡا لَهٗ وَاَنۡصِتُوۡا لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۲۰۴﴾

جب قرآن کی تلاوت کی جائے تو تم اس کی طرف ہی کان لگائے رہو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے ○

سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی: ☆☆ (آیت:۲۰۴) چونکہ اوپر کی آیت میں بیان تھا کہ یہ قرآن لوگوں کے لیے بصیرت و بصارت ہے اور ساتھ ہی ہدایت اور رحمت ہے اس لیے اس آیت میں اللہ تعالیٰ جل وعلا حکم فرماتا ہے کہ اس کی عظمت و احترام کے طور پر اس کی تلاوت کے وقت کان لگا کر اسے سنو' ایسا نہ کرو جیسا کفار قریش نے کیا' وہ کہتے تھے لَا تَسۡمَعُوۡا لِهٰذَا الۡقُرۡاٰنِ وَالۡغَوۡا فِيۡهِ الخ اس قرآن کو نہ سنو اور اس کے پڑھے جانے کے وقت شور و غل مچا دو۔ اس کی اور زیادہ تاکید ہو جاتی ہے جبکہ فرض نماز میں امام با آواز بلند قرأت کرتا ہو۔ جیسے کہ صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت ہے کہ امام اقتدا کئے جانے کے لئے مقرر کیا گیا ہے' جب وہ تکبیر کہے' تم تکبیر کہو اور جب وہ پڑھے' تم خاموش رہو۔ اسی طرح سنن میں بھی یہ حدیث بروایت حضرت ابوہریرہؓ مروی ہے امام مسلم بن حجاج رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے اور اپنی کتاب میں نہیں لائے (یہ یاد رہے کہ اس حدیث میں جو خاموش رہنے کا حکم ہے' یہ صرف اس قرأت کے لئے ہے الحمد (سورۃ فاتحہ) کے سوا ہو۔ جیسے کہ طبرانی کبیر میں صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں من صلی خلف الامام فلیقرأ بفاتحۃ الکتاب یعنی جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو وہ سورہ فاتحہ ضرور پڑھ لے' پس سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے اور قرأت کے وقت خاموشی کا حکم ہے' واللہ اعلم۔ مترجم) اس آیت کے شان نزول کے متعلق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ پہلے نماز پڑھتے ہوئے باتیں بھی کر لیا کرتے تھے' تب یہ آیت اتری۔ اور دوسری آیت میں چپ رہنے کا حکم کیا گیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز پڑھتے ہوئے ہم آپس میں ایک دوسرے کو سلام کیا کرتے تھے' پس یہ آیت اتری' آپ نے ایک مرتبہ نماز میں لوگوں کو امام کے ساتھ ہی ساتھ پڑھتے ہوئے سن کر فارغ ہو کر فرمایا کہ تم اب تک اس بات کو نہیں سمجھ سکے' جب قرآن پڑھا جائے تو اسے سنو اور چپ رہو جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے (واضح رہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے میں اس سے مراد امام کے با آواز بلند الحمد کے سوا دوسری قرأت کے وقت مقتدی کا خاموش رہنا ہے' نہ کہ پست آواز کی قرات والی نماز میں' اور

بلند آواز کی قرأت والی نماز میں الحمد سے خاموشی (مراد نہیں' کیونکہ) امام کے پیچھے الحمد تو خود آپ بھی پڑھا کرتے تھے جیسے کہ جزاء القراۃ بخاری میں ہے انه قرا فی العصر خلف الامام فی الرکعتین الاولیین بام القران و سورۃ یعنی آپ نے امام کے پیچھے عصر کی نماز کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ الحمد بھی پڑھی اور دوسری سورت بھی ملائی' پس آپ کے مندرجہ بالا فرمان کا مطلب صرف اسی قدر ہے کہ جب امام اونچی آواز سے قرأت کرے تو مقتدی الحمد کے سوا دوسری قرأت کے وقت سنے اور چپ رہے۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

حضرت زہری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس انصاری نوجوان کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس کی عادت تھی کہ جب کبھی رسول اللہ ﷺ قرآن سے کچھ پڑھتے' یہ بھی اسے پڑھتا' پس یہ آیت اتری۔ مسند احمد اور سنن میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس نماز سے فارغ ہو کر پلٹے جس میں آپ نے با آواز بلند قرأت پڑھی تھی' پھر پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ پڑھا تھا؟ ایک شخص نے کہا' ہاں یا رسول اللہ ﷺ' آپ نے فرمایا' میں کہہ رہا تھا کہ یہ کیا بات ہے کہ مجھ سے قرآن کی چھینا جھپٹی ہو رہی ہے؟ راوی کا کہنا ہے کہ اس کے بعد لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان نمازوں میں جن میں آپ اونچی آواز سے قرأت پڑھا کرتے تھے' قرأت سے رک گئے' جبکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا۔

امام ترمذیؒ اسے حسن کہتے ہیں اور ابو حاتم رازی اس کی تصحیح کرتے ہیں (مطلب اس حدیث کا بھی یہی ہے کہ امام جب پکار کر قرأت پڑھے' اس وقت مقتدی سوائے الحمد کے کچھ نہ پڑھے کیونکہ ایسی ہی روایت ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' موطا امام مالک' مسند احمد وغیرہ میں ہے' جس میں ہے کہ جب آپ کے سوال کے جواب میں یہ کہا گیا ہے کہ ہم پڑھتے ہیں تو آپ نے فرمایا لا تفعلوا الا بفاتحة فانه لاصلوة لمن لم یقرأ بھا یعنی ایسا نہ کیا کرو' صرف سورہ فاتحہ پڑھو کیونکہ جو اسے نہیں پڑھتا' اس کی نماز نہیں ہوتی' پس لوگ اونچی آواز والی قرأت کی نماز میں جس قرأت سے رک گئے' وہ الحمد کے علاوہ تھی کیونکہ اسی سے روکا تھا' اسی سے صحابہؓ رک گئے' الحمد تو پڑھنے کا حکم دیا تھا' بلکہ ساتھ ہی فرما دیا تھا کہ اس کے بغیر نماز ہی نہیں۔ واللہ اعلم۔ مترجم زہری کا قول ہے کہ امام جب اونچی آواز سے قرأت پڑھے تو انہیں امام کی قرأت کافی ہے' امام کے پیچھے والے نہ پڑھیں گو انہیں امام کی آواز سنائی بھی نہ دے' ہاں البتہ جب امام آہستہ آواز سے پڑھ رہا ہو' اس وقت مقتدی بھی آہستہ پڑھ لیا کریں اور کسی کو لائق نہیں کہ اس کے ساتھ ساتھ پڑھے' خواہ جہری نماز ہو خواہ سری۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''جب قرآن پڑھا جائے تو تم اسے سنو اور چپ رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے''۔ علماء کے ایک گروہ کا مذہب ہے کہ جب امام اونچی آواز سے قرأت کرے تو مقتدی پر نہ سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے نہ کچھ اور۔ امام شافعیؒ کے دو اقوال جن میں سے ایک قول یہ بھی ہے اور یہ ان کا پہلا قول ہے جیسے کہ امام مالکؒ کا مذہب' ایک اور روایت میں امام احمد کا بہ سبب ان دلائل کے جن کا ذکر گذر چکا۔ یعنی نیا دوسرا اقوال آپ کا یہ ہے مقتدی صرف سورہ فاتحہ امام کے سکتوں کے درمیان پڑھ لے جبکہ صحابہؓ تابعینؒ اور ان کے بعد والے گروہ کا بھی یہی فرمان ہے۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں' مقتدی پر مطلقاً قرأت واجب نہیں' نہ اس نماز میں جس میں امام آہستہ قرأت پڑھے اور نہ اس میں جس میں بلند آواز سے قرأت پڑھے' اس لئے کہ حدیث میں ہے امام کی قرأت مقتدیوں کی بھی قرأت ہے' اسے امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت جابرؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ یہی حدیث موطا امام مالک میں موقوفاً مروی ہے اور یہی صحیح ہے یعنی یہ قول حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا ہونا زیادہ صحیح ہے' نہ کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان (لیکن یہ بھی یاد رہے کہ خود حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ابن ماجہ میں مروی ہے کہ کنا نقرا فی الظھر والعصر خلف الامام فی الرکعتین الاولیین بفاتحة الکتاب وسورۃ وفی الاخریین بفاتحة الکتاب یعنی ہم ظہر اور عصر کی نماز میں امام کے پیچھے پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ بھی پڑھتے تھے اور کوئی اور سورت بھی اور پچھلی دو رکعتوں

میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جو فرمایا کہ امام کی قرأت اسے کافی ہے' اس سے مراد سورۃ فاتحہ کے علاوہ قرأت ہے۔ واللہ اعلم' مترجم) یہ مسئلہ اور جگہ نہایت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اسی خاص مسئلے پر حضرت امام ابو عبداللہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور اس میں ثابت کیا ہے کہ ہر نماز میں خواہ اس میں قرأت اونچی پڑھی جاتی ہو یا آہستہ' مقتدیوں پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے واللہ اعلم۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہ آیت فرض نماز کے بارے میں ہے۔ طلحہ کا بیان ہے کہ میں نے عبید بن عمر اور عطا بن ابی رباح کو میں نے دیکھا کہ واعظ وعظ کہہ رہا تھا اور وہ دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے تو میں نے کہا' تم اس وعظ کو نہیں سنتے اور وعید کے قابل ہو رہے ہو؟ انہوں نے میری طرف دیکھا' پھر باتوں میں مشغول ہو گئے' میں نے پھر یہی کہا' انہوں نے پھر میری طرف دیکھا اور پھر اپنی باتوں میں لگ گئے' میں نے پھر تیسری مرتبہ ان سے یہی کہا' تیسری بار انہوں نے میری طرف دیکھ کر فرمایا' یہ نماز کے بارے میں ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں نماز کے سوا جب کوئی قرآن کریم پڑھ رہا ہو تو کلام کرنے میں کوئی حرج نہیں اور بھی بہت سے بزرگوں کا فرمان ہے کہ مراد اس سے نماز میں ہے۔ حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ یہ آیت نماز اور جمعہ کے خطبے کے بارے میں ہے۔ حضرت عطاء سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ حسنؒ فرماتے ہیں' نماز میں اور ذکر کے وقت۔ سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں' عیدالاضحیٰ' عیدالفطر' جمعہ کے دن اور جن نمازوں میں امام اونچی قرأت پڑھے۔ ابن جریرؒ کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ مراد اس سے نماز میں اور خطبے میں چپ رہنا ہے جیسے کہ حکم ہوا ہے' امام کے پیچھے خطبے کی حالت میں چپ رہو۔ مجاہدؒ نے اسے مکروہ سمجھا کہ جب امام خوف کی آیت یا رحمت کی آیت تلاوت کرے' تو اس کے پیچھے سے کوئی شخص کچھ کہے بلکہ خاموشی کے لئے کہا (حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کبھی کسی خوف کی آیت سے گزرتے تو پناہ مانگتے اور جب کبھی کسی رحمت کے بیان والی آیت سے گذرتے تو اللہ سے سوال کرتے۔ (مترجم) حضرت حسنؒ فرماتے ہیں جب تو قرآن سننے بیٹھے تو اس کے احترام میں خاموش رہا کر۔ مسند احمد میں فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ جو شخص کان لگا کر کتاب اللہ کی کسی آیت کو سنے تو اس کے لئے کثرت سے بڑھنے والی نیکی لکھی جاتی ہے اور اگر اسے پڑھے تو اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ ع ۲۴ (۱۸) ۱۴

اور یاد کر اپنے پروردگار کو اپنے دل میں عاجزی اور ڈر کے ساتھ بغیر اونچی آواز کے اپنے قول سے صبح کو بھی اور شام کو بھی اور غافلوں میں نہ ہو جا۔ جو لوگ تیرے رب کے نزدیک ہیں' وہ اس کی عبادت سے جی بھاری نہیں کرتے' اس کی پاکیزگی بیان کرتے رہتے ہیں اور صرف اسی کے سامنے سجدے کرتے رہتے ہیں O

اللہ کی یاد بکثرت کرو مگر خاموشی سے: ☆☆ (آیت: ۲۰۵۔ ۲۰۶) اللہ تعالیٰ یہاں حکم فرماتا ہے کہ صبح شام اس کو بکثرت یاد کر۔ اور جگہ بھی ہے وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ یعنی اپنے رب کی تسبیح اور حمد بیان کیا کرو سورج طلوع اور سورج

غروب ہونے سے پہلے' یہ آیت مکیہ ہے اور یہ حکم معراج سے پہلے کا ہے۔ ''غدو '' کہتے ہیں دن کے ابتدائی حصے کو ''اصال '' جمع ہے اصیل کی' جیسے کہ ایمان جمع ہے یمین کی۔ حکم دیا کہ رغبت' لالچ اور ڈر خوف کے ساتھ اللہ کی یاد اپنے دل میں اپنی زبان سے کرتے رہو' چیخنے چلانے کی ضرورت نہیں' اسی لئے مستحب یہی ہے کہ اونچی آواز کے ساتھ اور چلا چلا کر اللہ کا ذکر نہ کیا جائے۔ صحابہؓ نے جب حضورؐ سے سوال کیا کہ ہمارا رب قریب ہے کہ ہم اس سے سرگوشی چپکے چپکے کرلیا کریں' یا دور ہے کہ ہم پکار پکار کر آوازیں دیں؟ تو اللہ تعالیٰ جل وعلا نے یہ آیت اتاری وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ الخ جب میرے بندے تجھ سے میری بابت سوال کریں تو جواب دے کہ میں بہت ہی نزدیک ہوں' دعا کرنے والے کی دعا کو جب بھی وہ مجھ سے دعا کرے' قبول فرمالیا کرتا ہوں۔

بخاری ومسلم میں ہے کہ لوگوں نے ایک سفر میں باآواز بلند دعائیں کرنی شروع کیں تو آپ نے فرمایا' لوگو اپنی جانوں پر ترس کھاؤ' تم کسی بہرے کو' یا کسی غائب کو نہیں پکار رہے' جسے تم پکارتے ہو' وہ تو بہت ہی پست آواز سننے والا اور بہت ہی قریب ہے' تمہاری سواری کی گردن جتنی تم سے قریب ہے' اس سے بھی زیادہ تم سے نزدیک ہے۔ ہوسکتا ہے کہ مراد اس آیت سے بھی وہی ہو جو آیت وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ الخ سے ہے' مشرکین قرآن سن کر قرآن کو' جبرئیل کو' رسول اللہ ﷺ کو اور خود اللہ تعالیٰ کو گالیاں دینے لگتے' تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ نہ تو آپ اس قدر بلند آواز سے پڑھیں کہ مشرکین چڑ کر بکنے جھکنے لگیں' نہ اس قدر پست آواز سے پڑھیں کہ آپ کے صحابہ بھی نہ سن سکیں بلکہ اس کے درمیان کا راستہ ڈھونڈ نکالیں یعنی نہ بہت بلند نہ بہت آہستہ' یہاں بھی فرمایا کہ بہت بلند آواز سے نہ ہو اور غافل نہ بننا۔ امام ابن جریر اور ان سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ نے فرمایا ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ اوپر کی آیت میں قرآن کے سننے والے کو جو خاموشی کا حکم تھا' اسی کو دہرایا جارہا ہے کہ اللہ کا ذکر اپنی زبان سے اپنے دل میں کیا کرو' لیکن یہ بعید ہے اور انصاف کے منافی ہے جس کا حکم فرمایا گیا ہے اور مراد اس سے یا تو نماز میں ہے' یا نماز اور خطبے میں اور یہ ظاہر ہے کہ اس وقت خاموشی بہ نسبت ذکر ربانی کے افضل ہے' خواہ وہ پوشیدہ ہو خواہ ظاہر' پس ان دونوں کی متابعت نہیں کی گئی۔ اس لئے مراد اس سے بندوں کو صبح شام ذکر کی کثرت کی رغبت دلانا ہے تاکہ وہ غافلوں میں سے نہ ہوجائیں۔ (ان دونوں بزرگوں کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ کا بھی یہی فرمان ہے۔

تفسیر سورۃ انفال

تفسیر بیضاوی وغیرہ میں بھی یہی ہے اور دونوں آیات کے ظاہری ربط کا تقاضا بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم) اسی لئے فرشتوں کی تعریف بیان ہوئی کہ وہ رات دن اللہ کی تسبیح میں لگے رہتے ہیں' بالکل تھکتے نہیں' پس فرماتا ہے کہ جو تیرے رب کے پاس ہیں' وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے۔ ان کا ذکر اس لئے کیا کہ اس کثرت عبادت واطاعت میں ان کی اقتدا کی جائے' اسی لئے ہمارے لئے بھی شریعت نے سجدہ مقرر کیا' فرشتے بھی سجدہ کرتے رہتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے' تم اسی طرح صفیں کیوں نہیں باندھتے جیسے کہ فرشتے اپنے رب کے پاس صفیں باندھتے ہیں کہ وہ پہلے اول صف کو پورا کرتے ہیں اور صفوں میں ذرا سی بھی گنجائش اور جگہ باقی نہیں چھوڑتے۔ اس آیت پر اجماع کے ساتھ سجدہ واجب ہے پڑھنے والے پر بھی اور سننے والے پر بھی' قرآن میں تلاوت کا پہلا سجدہ یہی ہے۔ ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو سجدے کی آیات میں شمار کیا ہے۔

اس کی چھیالیس آیتیں ہیں۔ ایک ہزار چھ سو اکتیس کلمات ہیں۔ پانچ ہزار دو سو چورانوے حروف ہیں۔ واللہ اعلم۔